ستمبر ۷۱ء
ماہنامہ
تجلی
دیوبند
ایڈیٹر
عامر عثمانی
خلافت و ملوکیت نمبر (حصہ اول)
Rs 2/-
سالانہ پندرہ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر ○ اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپکی خریداری ختم ہے - یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں - آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں - خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی ساڑھے سولہ ۱۶/۵ روپے کا ہوگا) -
منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے -

امریکہ - نائجیریا - کنیڈا - انگلینڈ - فرانس برمنگھم - انڈونیشیا اور ملیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک ۲ پونڈ - بذریعہ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ -

- بحرین افریقہ - سعودی عرب - قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ اور دس شلنگ بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ -
- ھندوستان سے پندرہ روپے -

ماھنامہ تجلّی دیوبند — خلافت و ملوکیت نمبر حصّہ اوّل

۲۳ ویں سال کا ساتواں شمارہ

ایڈیٹر :- عامر عثمانی

یہ ناچیز بندہ اس شمارے کو
علمِ دین کی آبرو کے نام
منسوب کرتا ہے -
(عامر عثمانی)

سالانہ پندرہ روپے

یہ شمارہ دو روپے

عامر عثمانی پرنٹر و پبلشر نے اسلامی پریس دیوبند سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلّی دیوبند سے شائع کیا -

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلامِ آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

احوالِ واقعی

ناظرین! سلام ورحمت۔ لیجئے تجلی کی بائیس سالہ عمر میں ایک ایسا وقت بھی آگیا جب کہ پورا پرچہ الف سے یا تک ایک ہی مضمون سے پُر ہے اور پھر بھی بہت کچھ کہنے سے باقی رہ گیا ہے۔

ورق تمام ہوا داستاں باقی ہے

یہ بندۂ عاصی سمجھ رہا تھا کہ "شواہد تقدس" کا جائزہ تیس چالیس صفحات میں ختم ہو جائے گا لیکن جب لکھنے بیٹھا تو دل نے کہا کہ صرف مولانا محمد میاں کے فرمودات عالیہ کے آپریشن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ساتھ ساتھ ایسا مواد بھی قارئین کرام کو دینا چاہیئے جو ان کی معلومات میں صحت مند اضافے کا باعث بنے اور دینی رُخ پر ان کے ذہن و قلب میں وسعت اور روشنی پیدا ہو۔ یہ خیال اچھا تھا یا برا یہ فیصلہ تو آپ ہی کر سکتے ہیں ناچیز نے بہرحال یہ کوشش کی ہے کہ آپ کا قیمتی وقت محض ہاؤ ہو میں برباد نہ ہو بلکہ اہم موضوعات پر کچھ بنیادی معلومات بھی حاصل فرماتے چلے جائیں۔ اس کوشش نے جائزے کو "دفتر" میں تبدیل کر دیا ہے اور اس دفتر کا بقیہ حصہ انشاء اللہ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمالیں گے۔ اگلا شمارہ بھی اس پیش نظر شمارے کی طرح ضخامت بڑھا کر پیش کرنے کا ارادہ ہے اور یہ بھی توقع ہے کہ وہ اکتوبر میں یا پھر شروع نومبر میں اشاعت پذیر ہو جائے گا۔

آپ سوچیں گے بڑا لمبا طومار باندھا ہے کہیں گے اتنا کچھ لکھ دینے کے باوجود یہ احساس باقی رہ گیا کہ بیشمار باتیں کہنے سے رہ گئی ہیں۔ بقول عامر مرحوم:-

ہزار عنواں بدل بدل کر فسانۂ عشق کہہ چکا ہوں
مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کچھ بھی کہا نہیں ہے

عشق کا مطلب جوان حضرات جو چاہے لے لیں مگر یہاں تو ایک محبوب خیالی کا معنوی پیکر نظروں کے سامنے ہے۔ نہ چہرہ نہ ہیولیٰ۔ نور ہی نور۔ جلوہ ہی جلوہ شاید اسی کی طرف حضرت جگر علیہ الرحمۃ اشارہ کر گئے ہیں:-

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر فکر ماسوا کو مٹاتی چلی گئی
اک حسنِ بے جہت کی فضائے بسیط میں
اُڑتی گئی مجھے بھی اڑاتی چلی گئی

اور جب یہ منزل بھی گذر گئی تو آخر کار جگر اس منزل آخر پر پہنچے جہاں بس عشق ہی عشق تنہا رہ گیا۔ یادِ محبوب بھی عشق کی سرمستیوں میں گم ہو گئی۔

اب میں ہوں اور عشق کی بیتابیاں جگر
اچھا ہوا وہ نیند کی ماتی چلی گئی

یہی بات ایک اور طرح بھی وہ کہہ گئے ہیں:-

الفاظ و بیاں سب ختم ہوئے اب لفظ و بیاں کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا اب عشق کا کچھ پیغام نہیں

تو جناب اپنا خلاصۂ عشق یہ ہے کہ:-

زہے نصیب محبت! سما گئے دل میں
وہی جو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے

اور اس کی مزید تلخیص کیجئے تو ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ کا بس ایک ہی شعر کافی ہوگا:-

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الّا اللہ

یہ کئی شعر آپ کو اس لئے سنا دیئے کہ آگے بڑے دقیق اور خشک علمی و تحقیقی مباحث میں آپ کو سر کھپانا ہے۔ جہاں جہاں بوریت محسوس فرمانے لگیں چند منٹ رُک کر ان اشعار کو گنگنا لیں۔ اس طرح شاید یہ پورا جائزہ حلق سے اُتر ہی جائے۔

جیسا کہ عرض کیا جائزہ اس شمارے میں پورا نہیں ہوا ہے۔ ابھی بڑی اہم چیزیں باقی ہیں۔ خصوصاً انبیاءؑ و صحابہؓ کے موضوع پر ہم ایسا مواد پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کا وہ ٹھیک ٹھیک عقیدہ برادرانِ اسلام کے سامنے نکھر کر آجائے جو افراط و تفریط کی دھند میں چھپتا جا رہا ہے۔ خصوصاً "خلافت و ملوکیت" کے خلاف لکھی گئی تحریروں نے تو حقائق کو بالکل ہی مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

ردِّ سبائیت اس نام کی ایک کتاب کا حوالہ "شواہد تقدس" میں بھی ہے اور متعدد حضرات نے بھی پچھلے ماہ کا اعلان دیکھنے کے بعد ہمیں توجہ دلائی ہے کہ اس کتاب کا جائزہ لیا جائے۔ ہماری نظر سے یہ نہیں گذری۔ دیوبند میں کہیں دستیاب نہ ہوئی۔ اگر واقعی یہ کوئی قابلِ ذکر کتاب ہے تو ہمیں کوئی صاحب مہیا فرما دیں۔ اس سے شاید یہ فائدہ بھی ہو کہ پوری "خلافت و ملوکیت" کے بارے میں ہمارے خیالات کاغذ پر آجائیں۔ "شواہد تقدس" کے جائزے میں تو بس اُن عنوانات تک محدود رہا گیا ہے جنھیں مولانا محمد میاں صاحب نے چھیڑا ہے۔

تمام قارئین یہ ذہن نشین فرما لیں کہ اپنے اس پیش نظر جائزے سے متعلق ہم ہر اعتراض یا اشتباہ کا جواب دینے کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں۔ لیکن دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پہلے یہ جائزہ مکمل پڑھ لیا جائے۔ ابھی یہ ادھورا ہے۔ دوسرے یہ کہ اعتراض علمی ہو۔ یہ نہیں کہ مولانا محمد میاں کی طرح فضول منھ زوری شروع کر دی جائے گی۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ تم نے فلاں بات لکھ کر فلاں صحابی کی توہین کی ہے تو اسے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کرنی ہوگی کہ توہین اور تکریم کا معیار اس نے کہاں سے لیا ہے۔ یا مثلاً کوئی معترض حدیث یا تاریخی روایت یا کسی فقیہ کا قول تعریضاً پیش کرتا ہے تو اسے مکمل حوالے کے ساتھ گفتگو کرنی ہوگی۔ ایسے لوگوں کو ہم کوئی جواب نہیں دیں گے جو خالی عقلی گدّے بازی کریں گے یا غیر تحقیقی روایات اور بے سند خیالات سے اپنا اور ہمارا وقت برباد کریں گے۔

اگر قارئین اس شمارے کو بغور پڑھ کر اپنے تأثرات سے آگاہ فرمائیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ خشک علمی جائزہ کہیں آپ لوگوں کو اکتاہٹ میں مبتلا نہ کر دے۔ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْر۔

ہوسکتا ہے بعض حضرات یہ اعتراض کریں کہ بھلا سارا پرچہ اسی ایک مضمون میں بھر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قسط وار چھاپتے رہتے۔ ہم اس کے جواب میں پھر ایک شعر پڑھیں گے جس کا کہنے والا زندہ بھی ہے اور مرحوم بھی۔

یہ ایک رات ہے تیری اسے غنیمت جان
پھر اس کے بعد سحر ہو نہ ہو کسے معلوم!

کون گارنٹی لے سکتا ہے کہ ہم اگلے ماہ تک جیتے بھی رہیں گے۔ مر گئے تو اکثر برادرانِ اسلام خواہ مخواہ "شواہد تقدس" کے ہاتھوں بیوقوف بنے رہیں گے۔ لہٰذا سارے معمولات بدل کر "جائزہ" لکھ ڈالا ہے۔ جتنی جلد سارا کا سارا منظرِ عام پر آجائے اتنا ہی بہتر ہے۔

تجارتی نقطۂ نظر سے تو نفع بخش طریقہ یہ تھا کہ ہم کتاب چھاپ دیتے۔ شواہد تقدس ۲۶۴ صفحات کی ہے۔ قیمت چھ روپے۔ ہماری کتاب کم سے کم پانچ سو صفحات کی ہوتی۔ قیمت دس روپے۔ لیکن اس طرح قارئین کی جیب پر ایک الگ بوجھ پڑتا۔ اب وہ چار پانچ روپے میں چھوٹ جائیں گے اور وہ بھی مفت برابر کیونکہ تجلّی تو بہر حال انھیں خریدنا ہی تھا۔ اسے کہتے ہیں آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام!

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد — نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

آغازِ سخن

علمائے کرام کی خدمت میں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔
(سورہ مائدہ۔ آیت ۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اے علمائے محترم! تم پر سلامتی ہو۔

قرآن کی اس آیت مقدسہ سے آغاز کلام کا منشاء اس حقیقت کبریٰ کی یاد تازہ کرنا ہے کہ آپ اور ہم سب کو آخرکار اسی خلاقِ اکبر کے حضور جانا ہے جس کی بارگاہ میں قیمت اگر کسی چیز کی ہے تو تقویٰ کی اور وزن کسی متاع کا ہے تو حق پرستی کا۔

آپ حضرات میں سے جن بزرگوں کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے اختلاف ہے ان کی خدمت میں بندۂ ناچیز کو یہ نہیں عرض کرنا کہ وہ اس اختلاف کو بالائے طاق رکھ دیں۔ دین و دیانت کی بنیادوں پر اختلافِ رائے تو مومن کا طرۂ امتیاز ہے اور علم و تفقہ کے دائروں میں اختلافِ رائے کی بزم آرائیوں نے علم و فن کی بہت خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن ہمیں کہنا یہ ہے کہ اہلِ علم اور اصحابِ تقویٰ کا اختلافِ رائے ایسے لباس میں ظاہر ہونا چاہیئے جو علمی دیانت، بلندیِ فکر، وسعتِ نظر اور تہذیب و شائستگی کا نمائندہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تہذیب اس پر ہنسے۔ تفقہ اس پر نوحہ کرے۔ علم و تحقیق اس سے شرمندہ ہوں اور فہم و ذکا سینہ پیٹیں۔

اب تک جو کتابیں اور مضامین مولانا مودودی کے خلاف آتے رہے ہیں ان کا ذکر جانے دیجئے۔ آج ہم آپ کو اس تازہ کتاب کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جس کا نام "شواہد تقدس" ہے اور جس کے مصنف ہمارے ہی دیوبندی مکتب فکر کے ترجمان مولانا محمد میاں صاحب ہیں۔ اس کتاب کے سو نسخے اس سال بطور انعام طلباء میں بھی تقسیم کئے گئے ہیں۔ ہمیں اس پر شکایت ہے۔ آپ دل پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمائیں کہ کیا اپنی اولاد کو آپ کوئی ایسی غذا استعمال کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں جس کے بارے میں آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ زہریلی ہے یا صحت بخش۔ اگر آپ اولاد کو سڑی ہوئی مسموم چیزیں کھلانا ہرگز پسند نہیں کرتے تو کیا طلبائے عزیز آپ کی اور ہماری اولاد ہی کے درجے میں نہیں ہیں کہ ہم ان کو فکری غذا فراہم کرتے ہوئے اس سے بالکل بے نیاز ہو جائیں کہ اس غذا میں زہر ہے یا آب حیات ہیں یا حیاتین۔ "شواہد تقدس" ایک نئی کتاب ہے آپ حضرات اگر کسی مستند عالم کو پہلے دکھا لیتے کہ اسے پڑھ لیں اور بتا دیں کہ یہ علم اور اخلاص اور دیانت کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں تو یقیناً آپ کی ذمہ داری قرآن کے عین مطابق ہوتا اور اللہ کے یہاں آپ اس الزام سے بچ جاتے کہ تم نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کو' اپنے جگر گوشوں کو ایک ایسی چیز دی جو ان کے ذہنوں ہی کو بگاڑ' ان کے اخلاق میں کجی' ان کے فکری زاویوں میں گراوٹ اور ان کے علمی معیار میں پستی پیدا کرنے والی تھی۔

ناچیز خادم کے الفاظ سخت ہیں مگر آپ مشتعل ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے ان وضاحتوں کو ملاحظہ فرمالیں:۔
اس کفش بردار نے "شواہد تقدس" کی تنقید میں پوری ذمہ داری اور علمی شواہد کے ساتھ پیش کی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کا دیانتدارانہ فیصلہ یہی ہو کہ نالائق عامر کذب اس کرتا ہے تو بےشک ہم سزا کے مستحق۔ صرف اتنا ضرور ملحوظ رکھیں کہ جس خالق و مالک کے حضور ہم سب کو بال بال کا حساب دینا ہے اس نے بلا استثناء ہر مومن کو یہ حکم دیا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (النساء ۲۵)	اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس کے بعد اگر حق کی گواہی دینے میں کسی صاحب ایمان زبان و قلم کو ذاتی وقار یا گروہی مفاد یا کسی کا عناد یا محبت حرکت میں آنے سے روک دے تو ہم اسے ربّ ذی الجلال کا یہ قول فیصل یاد دلائیں گے کہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ہم ایمانداری کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف مودودی کی مخالفت و موافقت کا نہیں بلکہ علم و تحقیق کی آبرو کا ہے۔ دین و تفقہ کی حرمت کا ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کی علمی ساکھ اور نیک نامی کا ہے۔

ہم ہرگز نہیں سمجھتے کہ تنقید کے ذیل میں ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کا حرف حرف پتھر کی لکیر ہے۔ ہم ایک بہت ہی کم استعداد کے بےبضاعت طالب علم ہیں۔ آپ اساتذہ کے مقابلہ میں ہماری حیثیت ہی کیا۔ مگر آپ کی جوتیوں کے طفیل دو بول علم دین کے ہمارے بھی پیٹ میں پڑے ہیں اور ہماری فہم کے مطابق احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی ذمہ داری ہم پر بھی مالک نے ڈالی ہے اس لئے جو کچھ صحیح سمجھا ہے حوالۂ قلم کر دیا ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ ذی علم بزرگوں کو کرنا ہے کہ کہاں کہاں ہم نے ٹھوکر کھائی ہے اور کہاں کہاں راہِ مستقیم پر چلے ہیں۔

پیش نظر بحث میں ہم مندرجہ ذیل اکابرین کو جج بناتے ہیں۔ ججوں کی یہ جیوری اگر ہمارے قتل کا بھی فیصلہ دے گی تو ہم گردن جھکانے سے ہرگز گریز نہیں کریں گے۔

(۱) حکیم الملت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
(۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔
(۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی۔
(۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی (محدثِ شہیر)
(۵) حضرت مولانا منظور نعمانی۔
(۶) حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی۔

ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے "مودودی کا مرید" کہا جا سکے۔ ان میں سے بعض تو مولانا مودودی سے اختلاف کے لئے معروف ہیں۔ ان کے بے حد قیمتی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم بس اتنی تمنا کریں گے کہ ایک نظر وہ پوری بحث پر ڈال لیں اور پھر یہ فیصلہ دیں کہ "شواہد تقدس" کو علم، تحقیق اور خلوصِ فکر کے اعتبار سے ایک مستند تصنیف قرار دینے میں ہم نے انصاف کیا ہے یا ہمارے اعتراضات غلط ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ کوئی بھی اہم دعویٰ بلا سند نہ کریں اور علمائے حق کے تمام ارشادات کو ہم نے ایسے حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جو ضرورت سمجھے بہ آسانی اصل سے ملاکر دیکھ لے۔ یہ بھی ہم نے ملحوظ رکھا ہے کہ علمی شہادتوں کو صرف ان علماء کے دائرے تک محدود رکھیں جن کو اکابرینِ دیوبند بھی لائق استناد سمجھتے ہیں ورنہ بہت سا قیمتی مواد دنیائے مصر و عرب کے عصری علماء کی تصانیف میں بھی ہمارے موقف کی تائید کرنے والا موجود تھا لیکن اسے اسی لئے نظرانداز

کر دیا کہ ہمارے دیوبندی علماء کیلئے اس کا لائق اعتناء ہونا مشتبہ ہے۔ ہمارے یہاں علم و تحقیق کے معاملہ میں بھی تقلیدی مزاج برابر تقویت حاصل کرتا جا رہا ہے اور ہم محکم حقائق کو بھی محدود دگر دہی عینک سے دیکھنے لگے ہیں۔ اس کا نتیجہ ایک شدید اور مریض علمی تعصب اور تنگ نظری کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ بات نہیں تھی۔ جب ہم اپنے مرحوم بزرگوں کی تحریریں پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ان میں کتنا حقیقت پسندانہ توسع تھا۔ کتنا ضبط و تحمل تھا۔ کتنا جذبۂ انصاف تھا۔ مگر آج کتنی شدت و عصبیت ہے۔ کتنی بے احتیاطی اور عجلت پسندی ہے۔ کتنی گرم مزاجی اور مغلوب الغضبی ہے۔ حالت بقول کسے یہ ہو گئی ہے کہ

صوفی نے ہم پہ کفر کا فتویٰ لگا دیا
سگرٹ جلا رہے تھے چراغ مزار سے

اتنا گھٹیا شعر اس سنجیدہ معروضے میں ناگوار تو ضرور گذرے گا مگر اس گھٹیا شعر نے تفنن کے پردے میں وہ کچھ کہہ دیا ہے جو شاید پوری نظم بھی نہ کہہ سکتی۔

یہ شمارہ دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے تمام ممبروں اور دار العلوم کے تمام استادوں کو بھیجا جا رہا ہے تاکہ نہ دیکھ پانے کا عذر باقی نہ رہے۔

اس شمارے میں ہمارے مصادر و مآخذ

ہم نے کوشش کی ہے کہ کوئی دعویٰ بے دلیل نہ کریں اور حوالوں کے لئے بھی ہم نے وہی کتابیں منتخب کی ہیں جن کا ہمارے دیوبندی حلقوں میں اعتبار ہے اور عموماً وہ دار العلوم کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ یہاں بس وہ کتابیں ذکر کی جا رہی ہیں جن سے جائزے کے اس حصۂ اوّل میں فائدہ اٹھایا ہے۔ ہر ایک کے سامنے صرف وہ صفحہ لکھ دیا گیا ہے جہاں پہلی بار اس کتاب کا حوالہ آیا ہے۔ حصہ دوم میں (جو متصلاً آنے والا ہے) جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست وہیں پیش کی جائیگی۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سال وفات	صفحہ
۱	تحفۂ اثنا عشریہ (عربی۔ علق حواشیہ محب الدین الخطیب)	شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ	۱۲۳۹ھ	۱۷
۲	ازالۃ الخفاء	حضرت شاہ ولی اللہؒ	۱۱۷۶ھ	۲۲
۳	صحیح بخاری شریف	امام بخاریؒ (ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل)	۲۵۶ھ	۲۶
۴	صحیح مسلم شریف	امام مسلمؒ (بن الحجاج القشیری)	۲۶۱ھ	۲۹
۵	مشکوٰۃ شریف	شیخ ولی الدین خطیبؒ	۷۴۲ھ	
۶	ترمذی شریف	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	۲۷۹ھ	۲۹
۷	تفسیر روح المعانی	شہاب الدین سید محمود الآلوسیؒ	۱۲۷۰ھ	۳۴
۸	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ العثمانیؒ	۱۲۲۵ھ	۳۷
۹	جلالین شریف (از بقرہ تا سورۂ کہف جلال الدین م ۹۱۱ھ) از کہف تا والناس	محمد بن احمد محلّی الشافعیؒ	۸۶۴ھ	۳۸
۱۰	حاشیۃ الجمل علی الجلالین	شیخ سلیمان الجملؒ	۱۱۶۹ھ	۳۸
۱۱	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد الصاویؒ	معلوم نہیں	۳۸
۱۲	تفسیر ابن جریر	امام ابن جریر الطبریؒ	۳۱۰ھ	۳۹

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سال وفات	صفحہ
۱۳	الاتقان فی علوم القرآن	حافظ جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ	۳۹
۱۴	تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ	۱۳۳۵ھ	۳۹
۱۵	تفسیر بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ	۱۳۶۲ھ	۴۰
۱۶	تنویر المقباس تفسیر ابن عباسؓ (الدر المنثور کے حاشیے پر)	حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ	۸۱۷ھ	
۱۷	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ	۷۷۴ھ	۴۲
۱۸	تفسیر فتح البیان	علامہ صدیق بن حسن القنوجی البخاریؒ	۱۳۰۷ھ	۴۱
۱۹	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازیؒ	۶۰۶ھ	۴۲
۲۰	تفسیر ابن السعود	علامہ ابن السعودؒ	۹۵۱ھ	۴۲
۲۱	تفسیر خازن	علامہ خازن (علاؤ الدین علی بن محمدؒ)	۷۴۱ھ	۴۲
۲۲	تفسیر فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (صاحب نیل الاوطار)	۱۲۵۰ھ	۴۲
۲۳	تفسیر بیضاوی	قاضی ناصر الدین بیضاویؒ	۶۹۱ھ	۴۲
۲۴	فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ (ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء)	زندہ جاوید	
۲۵	تفسیر جامع البیان	شیخ معین الدین ابن الشیخ صفی الدینؒ	۸۸۹ھ	۴۳
۲۶	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ	ابن الاثیرؒ (ابو الحسن علی)	۶۳۰ھ	۴۳
۲۷	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحابؓ	حافظ ابن عبد البرؒ (ابو عمر)	۴۶۳ھ	۴۴
۲۸	الاصابہ فی تمییز الصحابہؓ	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	۴۴
۲۹	شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ	شیخ محمد ابن عبد الباقی الزرقانیؒ (صاحب الزرقانی علی المؤطا)	۱۱۲۲ھ	۴۴
۳۰	المنتقی من منہاج الاعتدال (وہو مختصر "منہاج السنۃ" - اختصرہ الحافظ ابو عبد اللہ الذہبی - متوفی ۷۴۸ھ)	امام ابن تیمیہؒ	۷۴۰ھ	۴۵
۳۱	تفسیر موضح القرآن	شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ	۱۲۳۰ھ	۴۶
۳۲	عمدۃ القاری شرح البخاری	قاضی بدر الدین عینی حنفیؒ	۸۵۵ھ	۵۰
۳۳	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	۵۱
۳۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی البروسویؒ	۱۱۳۷ھ	۵۳
۳۵	انساب الاشراف	بلاذری (احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادیؒ)	۲۷۹ھ	۵۶
۳۶	اصح السیر	مولانا ابو البرکات عبد الرؤف داناپوریؒ	معلوم نہیں	۷۷
۳۷	خلفائے راشدین	امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقیؒ	۱۳۸۱ھ	۷۷
۳۸	سیرت المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی (صاحب التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح)	زندہ	۷۸

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات	صفحہ
۳۹	ارشاد الساری شرح البخاری	قسطلانیؒ (شیخ شہاب الدین احمد بن محمد)	۹۲۳ھ	۹۷
۴۰	الاحکام السلطانیہ	امام ماوردیؒ (ابو الحسن علی بن محمد)	۴۵۰ھ	۱۰۵
۴۱	موطا امام مالکؒ	امام دار الہجرہ امام مالکؒ	۱۷۹ھ	۱۰۶
۴۲	الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ	محب الطبری	۶۹۴ھ	
۴۳	تاریخ الفخری (سن وفات معلوم نہ ہوسکا)	ابن الطقطقی (محمد علی بن طباطبا) تاریخ پیدائش	۱۲۶۲ھ	۱۰۸
۴۴	الفاروقؒ	مولانا شبلیؒ	۱۳۳۲ھ	۱۰۹
۴۵	تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	۱۱۱
۴۶	میزان الاعتدال	حافظ ذہبیؒ (ابو عبد اللہ محمد بن عثمان)	۷۴۸	۱۱۴
۴۷	البنایہ شرح الہدایہ	قاضی بدر الدین عینی حنفیؒ	۸۵۵ھ	۱۱۵
۴۸	کتاب الضعفاء والمتروکین	ابو عبد الرحمن احمد النسائیؒ	۳۰۳ھ	۱۱۶
۴۹	الرفع والتکمیل	مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	۱۱۶
۵۰	تدریب الراوی شرح تقریب النواوی	جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ	۱۱۷
۵۱	ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی	(مختصر الجرجانی: سید الشریف الجرجانی حنفیؒ م ۸۱۶ھ) مولانا عبد الحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	۱۱۷
۵۲	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	(کشف الاسرار: عبد العزیز البخاریؒ م ۷۳۰ھ) متن محمد بن عبد الکریم البزدوی حنفیؒ	۴۸۰ھ	۱۱۷
۵۳	تاریخ ابن عساکر (مع المہذب۔ تہذیب و تصحیح شیخ عبد القادر آفندی)	ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعیؒ	۵۷۱ھ	۱۱۸
۵۴	طحاوی (شرح معانی الآثار)	احمد بن محمد ابو جعفر الطحاویؒ	۳۲۱ھ	۱۱۹
۵۵	الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ (مع التعلیقات)	مولانا ابو الحسنات عبد الحی لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	
۵۶	فتح القدیر (شرح الہدایہ)	شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفیؒ	۸۶۱ھ	۱۲۱
۵۷	طبری (تاریخ الامم والملوک)	ابو جعفر محمد بن جریر الطبریؒ	۳۱۰ھ	۱۲۲
۵۸	طبقات ابن سعدؒ	محمد بن سعدؒ	۲۳۰ھ	۱۲۲
۵۹	کشف الاستار۔ حاشیہ در المختار — در مختار	علاء الدین الحصکفی حنفیؒ (محمد نظام الدین کیرانوی)	۱۰۸۸ھ	۱۲۴
۶۰	مسند امام احمد ابن حنبلؒ	ابو عبد اللہ امام احمد ابن حنبلؒ	۲۴۱ھ	
۶۱	الغایہ شرح الہدایہ	ابو محمد محمود بن احمد العینیؒ	۸۵۵ھ	۱۲۴
۶۲	المبسوط	شمس الائمہ سرخسی حنفیؒ	۴۸۳ھ	۱۲۴
۶۳	مقدمہ ابن صلاح	تقی الدین بن صلاح الدین عبد الرحمن الشہرزوریؒ	۶۴۳ھ	۱۳۱
۶۴	عقود اللآلی فی الاحادیث المسلسلۃ والعوالی	شمس الدین محمد جزریؒ	۸۳۳ھ	۱۳۲
۶۵	الکفایہ فی علم الروایۃ	المحدث ابو بکر الخطیب بغدادیؒ	۴۶۳ھ	۱۳۴
۶۶	نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ	جمال الدین الزیلعیؒ	۷۶۲ھ	۱۳۴

کتب لغات:-

المنجد۔ معجم الوسط۔ لسان العرب۔ مصباح اللغات۔ القاموس الجدید۔ بیان اللسان۔

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کیلئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھدیا

"خلافت و ملوکیت" کے رد میں لکھی ہوئی مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب

شواہد تقدّس

کا بھرپور جائزہ

معرکۂ نور و ظلمت

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی معرکۃ الآرار کتاب "خلافت و ملوکیت" کے رد میں لکھی ہوئی مولٰنا محمد میاں صاحب کی تصنیفِ جلیل "شواھد تقدّس" ہمارے سامنے ہے۔ اس سے قبل کہ اس کے مندرجات پر ہم گفتگو کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کا مختصر سا تعارف پیش خدمت کر دیں۔

آپ جمعیۃ علمائے ہند کے ممتاز عمائدین میں سے ہیں اور دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی۔ علاوہ ازیں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور مدرسۂ امینیہ دہلی میں شیخ الحدیث اور صدر مفتی ہونے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔

ان نمایاں اوصاف کو دیکھتے ہوئے ہماری یہ توقع بے محل نہیں تھی کہ مولانا مودودی سے جو بھی اختلاف آپ کو ہوگا اسے سنجیدہ اور باوقار علمار کی طرح حوالۂ قلم فرمائیں گے۔ اندازِ گفتگو شائستہ ہوگا۔ دلائل محققانہ ہوں گے۔ لہجے میں شرافت و نجابت کی جھلک ہوگی۔ ایمان و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے اور بغض و تعصب کے مظاہروں سے اپنے قلم کو بچائے رکھیں گے۔

لیکن ہمیں بہت افسوس ہے کہ ان کی کتاب کے مطالعے نے اس توقع کو یکسر باد ہوا ثابت کر دیا اور ہم نے دلی کرب کے ساتھ محسوس کیا کہ ان کی اس کتاب نے دین بیزار حلقوں کے لئے علمار سے سوءِ ظن کا ایک تازہ موقعہ فراہم کر دیا ہے۔ یہ کتاب اپنے اسلوبِ تحریر کے لحاظ سے بازاری نوع کی ہے۔ علم و تحقیق کے اعتبار سے اس میں طفلانہ کج بحثیوں اور صریح جہالتوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لب و لہجے کا جہانتک تعلق ہے مولانا نے قلم کی آبرو سے وہ برتاؤ کیا ہے جو آوارہ لوگ دوسروں کی بہو بیٹیوں سے کرتے ہیں۔ فہم و درایت اور فراست و تفقہ کی مٹی اس کتاب میں اس طرح پلید کی گئی ہے کہ وجدان کو متلی ہونے لگتی ہے۔ بے ایمانی اور علمی بد دیانتی کے ایسے ایسے نمونے اس میں ہیں کہ شاید ہی کسی اہلِ علم کے یہاں ان کے نظائر مل سکیں۔ جس ذہنی سطح پر یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ کم و بیش اس شخص کی ذہنی

سطح کے مماثل ہے جس نے منہ پھاڑ کر کہا تھا کہ ابو حنیفہؒ کو فقط تین حدیثیں آتی تھیں اور وہ بھی انھیں ایک حجّام سے ملی تھیں۔ استدلال کے سلسلے میں مولانا متعدد جگہ تقریباً وہی کمال دکھا گئے ہیں جو ابھی کچھ روز ہوئے روس کے ایک "فقیہ" نے یہ کہہ کر دکھایا تھا کہ ہمارے خلا باز خلاؤں میں گھوم آئے وہاں انھیں خدا نہیں ملا ــــ!

قارئین تجلی جانتے ہیں کہ کسی پر بے دلیل الزام لگانا اور مبہم قدح کرنا ہماری عادت نہیں۔ ان سطور میں جو الزامات ہم مولانا پر لگا رہے ہیں ان میں سے ایک ایک کا ثبوت اگر ہم نہ پیش کریں تو ہر سزا ہمیں منظور۔ ایسا ثبوت جسے نقل و عقل کی سخت سے سخت کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت ہماری طرف سے عام ہے۔ جو حضرات مولانا مودودی یا ان کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے اتفاق نہیں رکھتے ان سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ہمارے جائزے کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پڑھیں اور انصاف کریں کہ جو نہج و اسلوب مولانا محمد میاں طال عمرہٗ نے جرح و قدح کا اختیار کیا ہے وہ کس حد تک اس قابل ہے کہ کوئی متین و شریف آدمی اس کی تحسین کر سکے یا کوئی صاحبِ علم اور صاحبِ ایمان اسے پسندیدہ تو کیا گوارا ہی قرار دے سکے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

آگے بڑھنے سے پہلے ہم اپنے بہت ہی محترم بزرگ مولانا عبدالماجد دریابادی کا تذکرہ ضرور کریں گے کیونکہ انھوں نے اپنے اخبار میں "شواہد تقدس" کا تعارف کرایا ہے۔ مولانا ممدوح سے راقم الحروف کو ایک خاص قسم کا روحانی و قلبی تعلق اس لئے بھی ہے کہ وہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارادتمندوں میں سے ہیں۔ اور راقم الحروف حضرت تھانویؒ کو متعدد اعتبار سے اپنے دور کا بہت بڑا مردِ مسلمان تصور کرتا ہے۔ اس تعلقِ خاطر سے ہٹ کر مولانا دریابادی کا علم و فضل بجائے خود ایک عظیم سبب ہے ان کی عظمت و عقیدت دل پر نقش ہو جانے کا۔

مگر موصوف کی بیش بہا تحریروں کو مسلسل پڑھتے رہنے کے بعد ایک عجیب و غریب احساس ہمارے اندر جاگزیں ہو چکا ہے کہ ان کی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک نہایت وجیہہ۔ طرار۔ بالغ نظر۔ بیدار مغز۔ ذی علم و ذی فہم اور دوسری بہت معصوم، سادہ لوح، مرنجاں مرنج، سہولت پسند، بے پروا اور جذباتی۔ یہ دونوں شخصیتیں کبھی کبھی خلط ملط ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی بالکل الگ الگ نظر آتی ہیں۔ ان کی حیثیت کچھ ایسی ہے جیسے ایک ہی کام کی دو شفٹوں میں کام کرنے والے دو جداگانہ آدمی۔

"شواہد تقدس" کا تعارف جب ہم نے پڑھا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ اس میں دونوں شخصیتوں کی جھلکیاں موجود ہیں۔ ہمارا مطلب سمجھنے کے لئے تعارف کے چند فقرے پڑھئیے:۔

> "...... محمد میاں صاحب اس روایتی ٹائپ کے مولوی نہیں مودودی صاحب ہی کی طرح کے "ماڈرن" قسم کے اہلِ قلم ہیں اس لئے اب کی اکھاڑے میں جوڑ برابر کا ہے۔" (صدق جدید ۱۸ جون)

یہ فقرے صریح طور پر مؤخر الذکر شخصیت کی نمائندگی کر رہے ہیں کیونکہ کسی بھی فقیہ اور متین اہلِ علم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک سنجیدہ علمی بحث کا ذکر اس کھلنڈرے انداز میں کرے گا۔ نہ کسی بالغ نظر اور ذی بصیرت ادیب و عالم سے یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ مولانا مودودی اور مولانا محمد میاں کو کسی بھی اعتبار سے "برابر کی جوڑی" قرار دے گا۔ یہ تو کم و بیش ایسا ہی ہے جیسے شاہ ولی اللہؒ اور صوفی نذیر احمد کو یا امام غزالیؒ اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق کو ایک ہی وزن دے دیا جائے۔ اسی لئے ہم نے ان فقروں کے آئینے میں مولانا ممدوح کی دوسری شخصیت کا جلوہ دیکھا۔ لیکن ایک اور فقرے نے ہمیں یہ حسن ظن دیا کہ پہلی شخصیت بھی اس "تعارف" سے دور نہیں گئی ہے۔ وہ

فقرہ یہ ہے :-

"کتاب مغزورُوح سے قطع نظر اپنے اسلوب، انشا اور اندازِ بیان کے لحاظ سے بھی پڑھنے کے لائق ہے ــــ" (حوالۂ مذکور)

اس فقرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک ذمہ دار آدمی کی طرح مولانا نے کتاب کو کافی غور سے پڑھنے کے بعد تعارف سپردِ قلم فرمایا ہے۔ چنانچہ "کتاب" کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ہمارا قلب اشتیاق سے پُر تھا کہ اب ایک عمدہ چیز پڑھنے جا رہے ہیں۔ لیکن ہماری حیرت اور افسوس کی کوئی انتہا نہ رہی جب پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر بادلِ ناخواستہ پہنچے کہ مولانا موصوف کے مذکورہ فقرے میں بھی ان کی دوسری ہی شخصیت کارفرما ہے اور پہلی شخصیت کہیں دُور جا سوئی ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا خواہ مولانا مودودی کا کتنا ہی مخالف ہو لیکن اگر وہ تھوڑا سا علم، تھوڑی سی سوجھ بوجھ اور تھوڑا سا مذاقِ سخن رکھتا ہے تو اسے اس کتاب میں ورق ورق پر جہالت، سفاہت، بددیانتی اور کینہ توزی کے ایسے ایسے نمونے بلا کسی تجسس کے مل جائیں گے جو لامحالہ اس کی طبیعت کو بدمزا کردیں گے اور وہ لازماً اس ذہنی کرب میں گرفتار ہوگا کہ "شواہدِ تقدس" کا مصنف نہ اچھی اُردو جانتا ہے نہ عربی میں اسے دسترس حاصل ہے۔ نہ بحث و نظر کے مبادی تک سے وہ واقف ہے نہ صدق و دیانت سے اسے کوئی دلچسپی ہے۔ نہ اس نے کچھ پڑھا ہے۔ یا پڑھا ہے تو بالکل بھلا دیا ہے۔ نہ اسے شرمِ دنیا ہے نہ خوفِ آخرت۔ حتیٰ کہ اسے یہ بھی خبر نہیں کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کے مضمرات کیا ہیں۔

خدا ہم پر رحم کرے ــــ ہم نے مولانا محمد میاں صاحب پر بہت سے الزامات لگا دیئے ــــ مگر آپ ذرا صبر اور توجہ سے ہمارے جائزے کو پورا پڑھ لیں گے تو خواہ آپ مولانا مودودی کے مخالف اور مولانا محمد میاں کے جگری دوست ہی کیوں نہ ہوں، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہمارے ایک ایک الزام کی عمارت دلائلِ قاہرہ اور براہینِ قاطعہ کی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ہم اپنی تائید و تصدیق میں ایسے علماء سلف و خلف کے حوالے لائیں گے جن کی ثقاہت و عظمت کا انکار ملّتِ مسلمہ کا کوئی بھی دینی حلقہ نہیں کرسکتا۔

اہلِ علم سے گذارش

ملک اور بیرونِ ملک کے تمام علماء سے ــــ جنمیں مولانا دریابادی بھی یقیناً شامل ہیں، ہم بہت ہی عاجزی، ادب اور لجاجت کے ساتھ گذارش کرتے ہیں کہ زبان و بیان، تحقیق و استدلال اور فکر و رائے کی جو غلطیاں ہم "شواہدِ تقدس" میں دکھلانے جا رہے ہیں اگر ہماری نشاندہی ذرا بھی غلط ہو یا کہیں بھی ہم نے کوئی حوالہ غلط دیا ہو یا کسی عربی عبارت کا ترجمہ غلط کیا ہو یا کسی قسم کی جانبداری اور تعصب سے ملوث ہوئے ہوں تو آپ کو علم و تحقیق کی آبرو کا واسطہ اور حق پسندی و عدل گستری کی قسم ہمیں ضرور متنبہ فرمائیں ــ ہم آپ کی تنبیہ و تصحیح کو بصد شکریہ تجلی میں چھاپیں گے اور احسان مند رہیں گے کہ آپ نے ہماری کوتاہیوں سے ہمیں آگاہ کیا۔

ہمارا موقف

سب جانتے ہیں کہ مولانا مودودی سے ہمیں عقیدت ہے۔ ہم برابر ان کا دفاع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آج کی صحبت میں ہمارا موقف یہ نہیں ہے کہ موصوف کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے تمام مندرجات کی تائید کریں اور اس پر مُصر ہوں کہ ان کی ہر ہر سطر لہجے، اسلوب اور مفہوم و مطالب کے لحاظ سے بے داغ ہے۔ بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ جو کچھ مولانا محمد میاں نے "شواہدِ تقدس" میں لکھا ہے اسے علم و تفقہ اور زبان و ادب اور کلام و منطق اور عقائد و افکار کے پہلوؤں سے پرکھیں اور یہ واضح کریں کہ بحث و اختلاف کا جو نمونہ بحیثیتِ مجموعی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اس درجہ گھٹیا، مکروہ، جاہلانہ اور بھدا ہے کہ کافیہ اور قدوری پڑھنے والے کسی طالبِ علم کی طرف بھی اس کا انتساب شرمناک

ہے چہ جائیکہ ایک شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی طرف۔ یہ وضاحت ہم خالی چرب زبانی کے ذریعے نہیں کریں گے بلکہ علمِ کلام کے معروف اسالیب کے ذریعے اور متفق علیہ علماء و اساطین کی شہادتوں کے ساتھ کریں گے۔ واللہ المعین وہو المستعان۔

مولانا دریابادی جج بن جائیں

یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ مولانا دریابادی ان لوگوں میں ہیں جو مولانا مودودی کے عقیدت مند نہیں سمجھے جاتے بلکہ وقتاً فوقتاً ان کی طرف سے مخالفت و اعتراض ہی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ یہ "شواہد تقدس" کا متذکرہ "تعارف" بھی اس کی ایک نظیر ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم تیار ہیں کہ پیش نظر بحث میں وہ جج بن جائیں اور ہمارا جائزہ ملاحظہ فرمانے کے بعد فیصلہ دیں کہ کہاں تک ہم نے مولانا محمد میاں کے ساتھ ناانصافی کی ہے اور کہاں ہم سے علم، منطق یا عقل و نقل کی کوئی خطا سرزد ہوئی ہے۔ ہمیں ان کے مزاجِ سعید سے امید ہے کہ قوی دلائل و شواہد سامنے آجانے کے بعد وہ اپنے کو اس پر مجبور پائیں گے کہ جج کی کرسی پر اپنی اول الذکر شخصیت کو بٹھائیں اور دوسری شخصیت سے کہہ دیں کہ تم تھوڑی دیر آرام کرلو۔

ہاں ایک شرط ضرور ہے ــــ ان کی عدالت آخری عدالت نہ ہوگی بلکہ فریقین کو اپیل کا حق ہوگا اور اپیل ہوگی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی بارگاہ میں کہ گہری علمی بصیرت رکھنے کے علاوہ زبانِ عربی کے وہ شہرۂ آفاق عالم ہیں اور مستند طور پر بتا سکتے ہیں کہ تراجم میں خطا کی ہے ناлайق عامر عثمانی نے یا اُن بزرگوار نے جو شیخ الحدیث بنے بیٹھے ہیں اور مولانا مودودی سے لوہا لینے چلے ہیں۔

حرفِ آغاز

کسی کتاب کے مندرجات پر تفصیلی نقد سے پہلے اگر یہ سراغ لگالیا جائے کہ مصنف کے علم، عقل، دیانت اور شرافت کا حدود اربعہ کیا ہے، تو شاید اس کے علمِ کلام کی روح تک پہنچنا اور اس کے فرمودات کی حقیقی سطح کا اندازہ کرنا زیادہ آسان ہوجائے۔ اسی لئے ہم تمام مباحث پر علی الترتیب گفتگو کرنے سے قبل یہی خدمت انجام دیں گے۔

تنابز بالالقاب

قرآن کی سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو تعلیم دیتا ہے کہ:-

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (آیت ۱۱)	اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے۔ برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

٭ ٭ ٭ ٭

یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ مولانا محمد میاں کے مطالعے سے سورۃ الحجرات نہ گذری ہو۔ ان کی کتاب میں ایک جگہ اسی سورۃ کی ایک آیت کا ذکر آیا ہے اسلئے اغلب ہے کہ پوری سورت بھی انھوں نے پڑھی ہوگی۔ یہ منقولہ آیت اتنی واضح ہے کہ تفسیر کی حاجت ہی نہیں۔ عیب لگانا اور چڑانے کے کوئی لقب چھانٹنا عوام الناس کے لئے بھی مناسب نہیں ہے چہ جائیکہ علماءِ دین کیلئے۔

اب "شواہد تقدس" کے گرد پوش پر چھپا ہوا یہ فقرہ ملاحظہ فرمائیے:-

"مودودی صاحب کی شیعت" خلافت و ملوکیت" کے آئینے میں"

ہر خاص و عام جانتا ہے کہ "شیعت" ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ "شیعہ" ایک خاص فرقے کو کہتے ہیں۔ جب شیعہ اور سُنی کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان کے ٹھیک لغوی معنی مراد نہیں لئے جاتے بلکہ ان کا اطلاق مسلمانوں

کے دو معروف فرقوں پر ہوتا ہے۔ ایک فرقہ وہ ہے جو چاروں خلفاء کو خلفائے راشدین مانتا ہے۔ اس کا نام "سُنّی" ہے۔ دوسرا وہ ہے جو صرف حضرت علیؓ کو خلیفۂ راشد مانتا ہے اور باقی خلفاء کا برحق ہونا تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا نام "شیعہ" ہے۔ یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ جس طرح سنیوں میں بے شمار ذیلی فرقے اور گروہ ہیں اور پھر بھی بحیثیت مجموعی انھیں سُنّی کہا جاتا ہے اسی طرح شیعوں میں بھی آراء کے اختلاف سے متعدد فرقے اور گروہ ہیں اور پھر بھی ان سب پر لفظ "شیعہ" کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس طرح خلفاء کو برحق ماننا سنیوں میں قدرِ مشترک ہے اسی طرح پہلے تین خلفاء کو کم سے کم خلافت کی حد تک غاصب ماننا اور حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت کو مقدم جاننا شیعوں میں قدرِ مشترک ہے۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو محتاجِ دلیل ہوتی۔ عوام و خواص سب اس کا علم رکھتے ہیں۔ پھر بھی ہم ایک ایسے رفیع الشان بزرگ کا حوالہ پیش کریں گے جو اپنے علمِ تبحّر کی لازوال شہرت کے ساتھ "شیعہ سنی" مسئلے کی خصوصی واقفیت کا بھی طرّۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ ہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ۔ تشیعت کے رد اور تفصیلی تعارف میں آپ کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" شہرۂ آفاق ہے۔ ہمارے سامنے اس وقت اس کا وہ عربی نسخہ ہے جسے محبّ الدین الخطیب نے اپنے حواشی سے مزیّن کیا ہے۔ تہذیب و تلخیص السید محمود شکری الآلوسی کی ہے۔ فارسی سے عربی میں منتقل کرنے والے شیخ حافظ غلام محمد بن محیّ الدین بن عمر الاسلمی ہیں (۱۲۲۷ء)

شیعوں کے تمام فرقوں کے مختلف عقائد و مسالک پر محققانہ گفتگو کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

اعلم ان القدر المشترك فی جمیع فرق الشیعۃ	سمجھ لو کہ وہ قدرِ مشترک جس پر تمام شیعہ فرقے متفق ہیں یہ ہے
المجمع علیہ بینھم انما ھو کون الامیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اماما بلا فصل و امامۃ الخلفاء الثلاثۃ باطلۃ ولا اصل لھا۔	کہ حضرت علیؓ امام بلا فصل ہیں (یعنی رسول اللہؐ کے بعد حق خلافت و امامت انھی کا ہے) اور باقی تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) کی خلافت و امامت باطل و بے بنیاد ہے۔

اس محققانہ ارشاد نے یہ بات بالکل صاف کر دی کہ "شیعت" کا طعن فقط ایسے لوگوں کے حق میں قرینِ انصاف ہو سکتا ہے جو خلفائے ثلاثہ کے غاصبِ خلافت ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں یا کم سے کم اتنا تو مانتے ہی ہوں کہ رسول اللہؐ کے بعد سب سے افضل انسان اور خلافت و امارت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علیؓ ہیں نہ کہ ابوبکر صدیقؓ۔

مولانا محمد میاں نے اپنی کتاب میں اگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہوتی کہ مولانا مودودی ابوبکرؓ و عمرؓ کو حضرت علیؓ سے افضل نہیں مانتے یا ان کی خلافتوں کو غصب کردہ خلافتیں کہتے ہیں تو بیشک گردِ پیش کا منقولہ فقرہ تنابز بالالقاب کے زمرے سے خارج ہو کر ایک برمحل طنز کے دائرے میں آجاتا لیکن اس کتاب میں ایسی کوئی گفتگو نہیں ہے بلکہ مولانا نے محض یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مودودی صاحب حضرت عثمانؓ سے دشمنی رکھتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ سے دشمنی اور ان کی توہین کا الزام ثابت کرنے میں مولانا نے علم و تفقہ اور بصیرت و دیانت کی کیسی درگت بنائی ہے اسے تو ہم آگے چل کر سامنے لائیں گے۔ یہاں بطورِ تنزّل ہم تسلیم ہی کئے لیتے ہیں کہ واقعی مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کی توہین کی ہو تو کیا محض اس جرم پر انھیں "شیعت" سے متصف کیا جا سکتا ہے۔ کیا مولانا محمد میاں یا ان کے کوئی اور حمایتی شیعوں کی کسی ایسی قسم کی نشاندہی فرما سکتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو تو ایسا ہی معظم مانتی ہو جیسا سُنّی حضرات مانتے ہیں فقط حضرت عثمانؓ کی بعض پالیسیوں سے اسے اتفاق نہ ہو اور اسی بناء پر اس کا شمار شیعوں میں کیا جاتا ہو۔ ہم کہتے ہیں ایسی کسی قسم کا وجود نہیں اور جیسا کہ

سطح کے مماثل ہے جس نے منہ پھاڑ کر کہا تھا کہ ابوحنیفہؒ کو
فقط تین حدیثیں آتی تھیں اور وہ بھی انھیں ایک حجّام سے
ملی تھیں۔ استدلال کے سلسلے میں مولانا متعدد جگہ تقریباً
وہی کمال دکھا گئے ہیں جو ابھی کچھ روز ہوئے روس کے
ایک "فقیہ" نے یہ کہہ کر دکھایا تھا کہ ہمارے خلاباز خلاؤں
میں گھوم آئے وہاں انھیں خدا نہیں ملا ــــ!

قارئین تجلی جانتے ہیں کہ کسی پر بے دلیل الزام
لگانا اور مبہم قدح کرنا ہماری عادت نہیں۔ ان سطور
میں جو الزامات ہم مولانا پر لگا رہے ہیں ان میں سے
ایک ایک کا ثبوت اگر ہم نہ پیش کریں تو ہر سزا ہمیں منظور۔
ایسا ثبوت جسے نقل وعقل کی سخت سے سخت کسوٹی پر
پرکھنے کی اجازت ہماری طرف سے عام ہے۔ جو حضرات
مولانا مودودی یا ان کی کتاب "خلافت وملوکیت"
سے اتفاق نہیں رکھتے ان سے ہماری گذارش ہے کہ وہ
ہمارے جائزے کو ٹھنڈے دل ودماغ سے پڑھیں اور
انصاف کریں کہ جو نہج واسلوب مولانا محمد میاں
طال عمرہٗ نے جرح وقدح کا اختیار کیا ہے وہ کس حد تک
اس قابل ہے کہ کوئی متین وشریف آدمی اس کی تحسین
کر سکے یا کوئی صاحبِ علم اور صاحبِ ایمان اسے
پسندیدہ تو کیا گوارا ہی قرار دے سکے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

آگے بڑھنے سے پہلے ہم اپنے بہت ہی محترم بزرگ
مولانا عبدالماجد دریابادی کا تذکرہ ضرور کریں گے کیونکہ
انھوں نے اپنے اخبار میں "شواہد تقدس" کا تعارف
کرایا ہے۔ مولانا ممدوح سے راقم الحروف کو ایک خاص
قسم کا روحانی وقلبی تعلق اس لئے بھی ہے کہ وہ حکیم الامۃ
مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارادتمندوں میں سے ہیں۔
اور راقم الحروف حضرت تھانویؒ کو متعدد اعتبار سے
اپنے دور کا بہت بڑا مردِ مسلمان تصور کرتا ہے۔ اس
تعلق خاطر سے ہٹ کر مولانا دریابادی کا علم وفضل بجائے
خود ایک عظیم سبب ہے ان کی عظمت وعقیدت دل پر
نقش ہو جانے کا۔

مگر موصوف کی بیش بہا تحریروں کو مسلسل پڑھتے
رہنے کے بعد ایک عجیب وغریب احساس ہمارے اندر
جاگزیں ہو چکا ہے کہ ان کی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک نہایت
وجیہہ۔ طرار۔ بالغ نظر۔ بیدار مغز۔ ذی علم وذی فہم
اور دوسری بہت معصوم، سادہ لوح، مرنجامرنج، سہولت
پسند، بے پروا اور جذباتی۔ یہ دونوں شخصیتیں کبھی کبھی غلط
ملط ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی بالکل الگ الگ نظر آتی ہیں۔
ان کی حیثیت کچھ ایسی ہے جیسے ایک ہی کام کی دو شفٹوں
میں کام کرنے والے دو جداگانہ آدمی۔

"شواہد تقدس" کا تعارف جب ہم نے پڑھا تو
ہمیں اندازہ ہوا کہ اس میں دونوں شخصیتوں کی جھلکیاں
موجود ہیں۔ ہمارا مطلب سمجھنے کے لئے تعارف کے چند
فقرے پڑھئے:۔

> ...."محمد میاں صاحب اس روایتی ٹائپ کے مولوی
> نہیں مودودی صاحب ہی کی طرح کے "ماڈرن"
> قسم کے اہل قلم ہیں اس لئے اسپ کی اکھاڑے
> میں جوڑ برابر کا ہے۔" (صدق جدید ۱۸ جون)

یہ فقرے صریح طور پر مؤخر الذکر شخصیت کی
نمائندگی کر رہے ہیں کیونکہ کسی بھی فقیہ اور متین اہلِ علم سے یہ
توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک سنجیدہ علمی بحث کا ذکر اس
کھلنڈرے انداز میں کرے گا۔ نہ کسی بالغ نظر اور ذی بصیرت
ادیب وعالم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مولانا مودودی
اور مولانا محمد میاں کو کسی بھی اعتبار سے "برابر کی جوڑی"
قرار دے گا۔ یہ تو کم وبیش ایسا ہی ہے جیسے شاہ ولی اللہؒ
اور صوفی نذیر احمد کو یا امام غزالیؒ اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق
کو ایک ہی وزن دے دیا جائے۔ اسی لئے ہم نے ان فقروں
کے آئینے میں مولانا ممدوح کی دوسری شخصیت کا جلوہ
دیکھا۔ لیکن ایک اور فقرے نے ہمیں یہ حسن ظن دیا کہ پہلی
شخصیت بھی اس "تعارف" سے دور نہیں گئی ہے۔ وہ

ہو تو "نیم ملّا خطرۂ ایمان" والی مثل صادق آتی ہے تیسرے یہ کہ دوسرے علوم پر بھی انھیں کوئی دسترس نہیں چنانچہ تصوف کی اصطلاحوں "امام الاتقیاء" اور "قطب الارشاد" کے ساتھ فقہاء کی اصطلاح "اجماعِ امت" کا پیوند لگانا اسی عطائی پن کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جو اُوپر بریکٹ میں "سفید جھوٹ" لکھا وہ اسی لئے لکھا۔ ورنہ یہ ہمیں بھی معلوم ہے کہ طریقت و تصوف کی دنیا میں حضرت علیؓ کو بو بکرؓ و عمرؓ سے کہیں اونچا مانا جاتا ہے۔ "اجماعِ امت" کی اصطلاح اس موقعہ پر کوئی ایسا عالم استعمال کر ہی نہیں سکتا تھا جسے شعور ہو کہ کونسی اصطلاح کس فن کی ہے اور کہاں وہ کیا معنی دے گی۔

بہر حال یہ تو ہم نے ایک "لطیفہ" پیش کیا۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا اہلِ علم اور سنجیدہ محققین کا طریقہ یہی ہے کہ بحث کی بسم اللہ ہی تنابز بالالقاب اور تہمت تراشی سے کی جائے۔ کیا تہذیب و شائستگی اور ضبط و تحمل نام کی کوئی چیز مودودی دشمن علماء کے پاس نہیں رہی۔ کیا یہ اربابِ علم و فن دہلی کی ان طوائفوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے جو ماضی میں اپنی تمیز و شائستگی کے لئے مشہور رہی ہیں۔ واأسفاہ۔

زبان و اسلوب

آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا مناسب ہوگا کہ "شواہد تقدس" میں زبان کس قسم کی استعمال کی گئی ہے — مولانا مودودی سے اختلاف کا حق تسلیم۔ علماء ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہی ہیں لیکن ثقہ اہلِ علم کا یہ طریقہ کبھی نہیں رہا کہ فکر و اجتہاد کے اختلافات کو ایسی مخالفت کا درجہ دیدیں جو سراسر بغض و عداوت پر مبنی ہو اور فریقِ ثانی کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں نے شروع سے لیکر آخر تک مولانا مودودی کا نام اس انداز میں لیا ہے جیسے وہ ایک بے حیثیت آدمی ہوں جیسے انھیں کسی بھی احترام و اکرام کا حق حاصل نہ ہو۔ "مولانا" کا لفظ ایسا ہوا نہ تھا کہ اگر مولانا محمد میاں اس سے "مودودی صاحب" کو متصف کر دیتے تو قیامت آجاتی لیکن انھوں نے اس سے مکمل پرہیز کیا ہے اور ہر جگہ صرف "مودودی صاحب" حوالۂ قلم فرمایا ہے۔ اگر اس کے جواب میں ہم بھی اپنے اس جائزے میں مولانا محمد میاں کے نام نامی سے لفظ "مولانا" کاٹ لیتے تو اسے زیادتی نہیں کہا جاسکتا تھا مگر ہم الحمدللہ نہ تو خود بین ہیں نہ تنگ نظر۔ نہ متکبر ہیں نہ بد دماغ۔ ہمارے خاندان میں تہذیب و شائستگی کا معیار وہ نہیں ہے جسے حضرت مولانا محمد میاں نے پیش فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم بہر حال انھیں مولانا لکھیں گے۔ البتہ چونکہ بار بار ان کا نام جائزے میں آتا ہے اس لئے ازراہِ اختصار کہیں کہیں صرف "میاں صاحب" لکھ جائیں تو اسے ارادۂ توہین پر محمول نہ کیجئے گا۔

نمونہ نمبر ۱

صفحہ ۸ پر تحریر فرمایا گیا:-

> "معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کسی شیعہ مصنف کی کوئی کتاب آپ کے (مولانا مودودی کے۔ تجلی) سامنے آگئی۔ اس مصنف نے اپنے وضع کردہ الزامات کے لئے جو حوالے دئیے ہوں گے مودودی صاحب نے ان حوالوں کو منطبق کیا اور یہ پوری کتاب لکھ دی جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات کا دفتر ہے۔" (شواہد تقدس)

یہ بحث تو آگے اپنے مقام پر ہوگی کہ حضرت عثمانؓ پر الزام تراشی کا جو اتہام میاں صاحب نے لگایا ہے وہ کتنا دراہی ہے یہاں صرف اندازِ کلام دیکھ لیجئے "خلافت و ملوکیت" وہ کتاب ہے جس میں کوئی بات بغیر حوالے کے نہیں کہی گئی۔ ورق ورق تفصیلی حوالوں سے مزین ہے اور تمام حوالے ایسی ہی کتابوں کے ہیں جو اہل سنت علماء کے مابین

متداول اور معروف ہیں۔ ایسی کتاب کے سلسلے میں بھی اگر کوئی شخص وہ بات کہہ سکتا ہے جو میاں صاحب نے کہی ہے تو اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جائے کہ اس شخص کے نہ منھ پر آنکھیں ہیں نہ دماغ میں مغز۔

نمونہ نمبر ۲

"... مودودی صاحب نہ صرف خفا ہو جاتے ہیں بلکہ کہنا چاہئے ایسے چڑ جاتے ہیں کہ ان کی متانت اور سنجیدگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ طرزِ نگارش بھی سوقیانہ ہو جاتا ہے۔" ص۱۱

نمونہ نمبر ۳

"اس گندم نمائی و جو فروشی کی اجازت نہیں دی جا سکتی" ص۱۸

یعنی مولانا مودودی دھوکے باز ہیں۔ وہ گاہک کو دکھاتے تو گیہوں ہیں مگر بھیڑ دیتے ہیں جو۔

نمونہ نمبر ۴

"علاوہ ازیں مودودی صاحب کی شیعیت نواز ذہنیت نے تاریخی واقعات کے بیان میں جو مجرمانہ کوتاہی بلکہ خیانت کی ہے —" ص۲۴

پوری کتاب میں مودودی کی "خیانت" کا اگر ایک بھی ثبوت میاں صاحب فراہم کر دیتے تو خیر صبر کر لیا جاتا کہ خائن کو خائن کہا گیا مگر ان کی خیانت ثابت کرنے کی بیکارانہ کوشش میں خود میاں صاحب نے کتنی خیانتیں اور حماقتیں کی ہیں وہ ہم انشاء اللہ دو اور دو چار کی طرح دکھلائیں گے — یہاں آپ بس اتنا ذہن نشین کر لیں کہ مودودی کو "خائن" قرار دیا گیا۔

نمونہ نمبر ۵

"وہ فاروق اعظمؓ کہ مودودی صاحب جیسے ہزاروں برخود غلط علامہ ان کے گردِ پا کو بھی نہیں پہنچتے" ص۲۹

برخود غلط کون ہے — مودودی یا میاں صاحب — یہ تو ہم منقح کریں گے۔ یہاں صرف یہ نوٹ کیا جائے کہ میاں صاحب کا لب ولہجہ کیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ کے متعلق کوئی گفتگو کتاب میں نہیں۔ یہ تو میاں صاحب نے دل کا بخار نکالا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ فاروق اعظمؓ کے پاؤں کی گرد مودودی سے زیادہ معظم ہے، لیکن اس میں مودودی ہی کی کیا تخصیص ہے، جنیدؒ و شبلیؒ اور ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کے لئے بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔

نمونہ نمبر ۶

"مگر ان کا (مودودی صاحب کا۔ تجلی) منشاء تو حضرات صحابہؓ کی حیثیت کو مجروح کرنا ہے لہٰذا جہاں سے جو چیز مل جاتی ہے لکھ مارتے ہیں نہ اسمیں اعتدال ہوتا ہے نہ توازن —" ص۴۷

یعنی مودودی صاحب صحابہؓ سے بغض رکھتے ہیں اور اس بغض کی وجہ سے نا قابل اعتبار روایات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔

اس بکواس کی حیثیت کم وبیش ایسی ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ ابو حنیفہؒ کو تو حدیثِ رسولؐ سے عناد تھا اسی لئے انھوں نے اُلٹے سیدھے فتوے دیئے جن میں نہ اعتدال ہے نہ توازن۔ ہم جائزے کے مراحل میں ایسی ہر بکواس کا آپریشن کریں گے۔ یہاں تو آپ کو صرف یہ دیکھ لینا ہے کہ میاں صاحب کس بے تکلفی سے وہ الزام مودودی کے اوپر لگا رہے ہیں جو کسی بھی مسلمان پر نہیں لگایا جا سکتا۔

نمونہ نمبر ۷

"مگر جن لوگوں کے دلوں میں معاذ اللہ حضرات صحابہؓ کی طرف سے بغض وعناد ہے جو عبد اللہ بن سبا (یہودی۔ تجلی) کے حامی اور فتنہ انگیزوں کے جانشین ہیں ان کی تمام توانائیاں اور تمام صلاحیتیں

اس میں صرف ہوتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم قرار دیں ۔" ص۱۱۰

سُن رہے ہیں آپ ـــ یہ مولانا مودودی کی مدح کی گئی ہے !

نمونہ نمبر ۸

" مودودی صاحب کا یہ فقرہ کتنا مغالطہ انگیز اور تلبیس آمیز بلکہ توہین آمیز ہے کہ ـ" ص۱۱۵

ابھی یہ مت پوچھئے کہ ذکر کون سے فقرے کا ہے۔ آگے سب معلوم ہو جائے گا۔ یہاں صرف شائستہ کلامی سے لطف اٹھائیے۔

نمونہ نمبر ۹

" جس کا ضمیر انصاف اور حقیقت پسندی سے محروم ہو اور جس کا نصب العین یہ ہو کہ جس طرح بھی ہو سکے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دامن کو ملوث اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کو مجروح کر دے ۔" ص۱۱۸

ہے کوئی جواب اس شرافت کا ! ـــ یعنی مودودی کا نصب العین ہی صحابہ رضؓ کی آبرو سے کھیلنا ہے

نمونہ نمبر ۱۰

" مگر مودودی صاحب کو حقائق سے کیا واسطہ انھیں تو الزام اور طعن کے لئے بہانے کی تلاش رہتی ہے ـــ" ص۱۳۶

نمونہ نمبر ۱۱

" مگر یہ مودودی صاحب کی کوتاہ بینی، تاریخ سے ناواقفیت اور سراسر الاعلمی ہے ۔" ص۱۴۴

نمونہ نمبر ۱۲

" یہ اعتراض وہی کر سکتا ہے جو فہم و فراست، انصاف و دیانت فکر و دانش سے محروم ہو ۔" ص۱۴۵

ظاہر ہے روئے سخن مودودی ہی کی طرف ہے۔

نمونہ نمبر ۱۳

" واقعہ یہ ہے کہ ایسے دماغ کو دماغ کہنا دماغ کی توہین ہے ۔" ص۱۵۰

معلوم ہے یہ مودودی ہی کے دماغ کا قصیدہ ہے

نمونہ نمبر ۱۴

" مودودی صاحب بغضِ صحابہ کے مرض میں مبتلا اور شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں ۔" ص۱۵۶

نمونہ نمبر ۱۵

" ....اس شرمناک ارشاد کا سبب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب بذاتِ خود یا شیعی پروپیگنڈے کے سبب سے بغض صحابہ کے مرض میں مبتلا ہیں ـ" ص۱۵۷

نمونہ نمبر ۱۶

" لیکن ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم اس کو کوتاہ علمی قرار دیں جس کے ساتھ زعم ہمہ دانی اور بغضِ صحابہ کا زہر ملا ہوا ہے ۔" ص۱۶۳

نمونہ نمبر ۱۷

" مودودی صاحب نے سخن سازی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے ۔" ص۱۷۸

نمونہ نمبر ۱۸

" مودودی صاحب نے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارے تو اتفاق سے ابن اثیر کا دامن ہاتھ آگیا ۔" ص۱۸۵

نمونہ نمبر ۱۹

"تعجب ہے اس شخص کو (مودودی کو ۔ تجلی) حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کس قدر بغض ہے۔" ص ۱۸۴

نمونہ نمبر ۲۰

"بغض کی انتہا ہوگئی کہ الزام ثابت کرنے کے لئے تو مضحکہ انگیز متضاد بیانات کو بھی جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔" ص ۱۸۵

نمونہ نمبر ۲۱

"حضرت مودودی صاحب کی یہ عبرت آموز نادانی ہے یا مضحکہ خیز تجاہلِ عارفانہ ہے۔" ص ۱۹۰

ہم سمجھتے ہیں مزید نمونوں سے بات کو طول دینا غیر ضروری ہوگا۔ یہی نمونے اتنے کافی ہیں کہ جو شخص ذرا بھی مذاقِ سلیم اور مزاجِ علمی رکھتا ہو وہ ان سے اندازہ کرلے گا کہ میاں صاحب کس شاخ کی کونپل اور کس کھیت کی مولی ہیں۔ اہلِ علم شرفاء میں تو اس انداز و اسلوب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جو لوگ بظاہر عالم مگر حقیقۃً جاہل ہیں اور جو خوش فکرے بظاہر شریف مگر اصلاً رذیل ہیں وہی اس طرح بازاری پن کا مظاہرہ کرسکتے ہیں۔

مولانا محمد میاں کی عربی قابلیت

اسلامی تاریخ، سیرت، عقائد، فقہ سبھی علوم و فنون کی بنیادی کتابیں عربی میں ہیں اور انھیں سمجھنے کے لئے عربی پر عبور ہونا شرطِ اول ہے۔ آئیے دیکھیں میاں صاحب کی عربی قابلیت کس درجے میں ہے۔

اپنی کتاب میں ان کا عام طرز تو یہ ہے کہ اصل ماخذ کا اُردو ترجمہ بغیر متن کے پیش کرتے چلے گئے ہیں لیکن کہیں کہیں چند فقرے عربی کے بھی دیئے ہیں۔ پوری کتاب میں دیئے گئے ان عربی فقروں کو اگر یکجا کردیا جائے تو اس کتاب کے سائز جیسے تین صفحے مشکل سے پُر ہوں گے۔ گویا عربی متن برائے نام ہی ہے۔ پھر بھی اس متن کے اُردو ترجمے میں میاں صاحب نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اس کا نظارہ طلباء و علماء دونوں کے لئے خاصا دلچسپ ہوگا۔

یہ ملحوظ رہے کہ اُردو ترجمے کے بارے میں وہ خود صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں کہ ــــ "تحت اللفظ ترجمہ پیش کردیا ہے۔" اب گویا دو باتیں ہمیں دیکھنی ہوں گی۔ ایک یہ کہ ترجمہ کس حد تک تحت اللفظ ہے دوسری یہ کہ کس حد تک درست ہے۔

نمونہ نمبر ۱

صفحہ ۵۴ پر:۔ عربی اور ترجمہ یوں ہے:۔

"واللہ لا نجعل لاحد عذرا ولا نترک لهم حجة ولنصبرن كما امرنا حتى نبلغ ما يريدون (طبری ج۵ ص۹۴)

بخدا کسی کے لئے عذر کی گنجائش ہم باقی نہیں رکھیں گے نہ کسی کے لئے حجت کا موقع چھوڑیں گے اور جیسا کہ ہمیں حکم کیا گیا ہے ہم ضرور صبر کریں گے یہاں تک کہ وہ اپنی مراد کو پہنچ جائیں۔"

جو قارئین عربی نہیں جانتے وہ اگر جائزے کے اس حصّے کو سمجھنے کے لئے کسی عربی داں سے رابطہ قائم کرلیں تو لطف دوبالا ہوجائے گا۔

ہم اہلِ علم سے ــــ خصوصاً مولانا دریابادی سے سوال کرتے ہیں کہ ــــ "وہ اپنی مراد کو پہنچ جائیں ــــ" کس فقرے کا تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ منقولہ عبارت میں حضرت عثمانؓ نے تمام صیغے جمع متکلم کے استعمال فرمائے ہیں۔ نجعل۔ نترک۔ نصبرن۔ اُمرنا۔ ان کا ترجمہ بھی میاں صاحب نے جمع متکلم ہی میں کیا اور ٹھیک کیا لیکن آخری فقرے میں بھی صیغہ متکلم نَبْلُغ موجود ہے مگر ترجمہ ہو رہا ہے جمع غائب کا۔ صحیح تحت اللفظ ترجمہ یہ تھا۔

"یہاں تک کہ ہمیں وہ چیز پہنچ جائے جس کا وہ ارادہ رکھتے ہیں ۔"

یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ مفہوم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ منشا دونوں ترجموں کا ایک ہی ہے مگر میاں صاحب کا ترجمہ بتا رہا ہے کہ وہ تحت اللفظ کے معنی ہی نہیں جانتے۔ انھیں ذرا شعور نہ ہوا کہ حتیٰ نبلغ جمع غائب کا نہیں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ بس وہ یوں ہی دن میں اٹک کر رہ گئے۔

نمونہ نمبر ۲

صفحہ ۵۸ پر:-

"لم یمت عمر حتیٰ کان سعید من رجال الناس - سعید ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے (پروان چڑھ گئے) تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔"

(طبری ص۶۳ ج ۵)

اتنا سادہ و صاف فقرہ ہے کہ عربی کا مبتدی بھی اس میں غلطی نہیں کر سکتا لیکن میاں صاحب نے اس میں بھی اپنی "قابلیت" کا تھوڑا سا جلوہ دکھا ہی دیا۔ امتیازی حیثیت کا مالک ہونا اور پروان چڑھنا ایک ہی بات نہیں ہوتی۔ کوئی بھی بچہ جب پل کر جوان ہو جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ پروان چڑھ گیا۔ چاہے وہ کسی بھی امتیازی حیثیت کا مالک نہ ہو۔ چاہے وہ فقیر بن جائے چاہے چور اُچکا کہلائے۔ بریکٹ میں جو اضافہ کیا گیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ ایسے شخص کا قلم ہے جس کی مادری زبان شاید ہی اردو ہو۔

نمونہ نمبر ۳

صفحہ ۸۳ پر حضرت عثمانؓ کے گشتی مراسلے کی کئی سطریں نقل کی گئی ہیں - ان کا ابتدائی حصہ یہ ہے :-

"اما بعد فانی آخذ العمال بموافاتی فی کل موسم وقد سلطت الامۃ منذ ولیت الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ......

(ترجمہ) ہر سال حج کے موقع پر کارپردازان حکومت سے میری ملاقات ہوتی ہے تو میں ان سے مواخذہ کیا کرتا ہوں - میں جب سے خلیفہ بنایا گیا ہوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلط کرتا ہوں ....."

پہلے فقرے میں "آخذُ" کا لفظ ہے۔ میاں صاحب شیخ الحدیث ہیں اور مولانا مودودی کی کھال کھینچنے چلے ہیں لیکن انھیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ آخذُ مضارع کا صیغہ ہے ماضی کا نہیں۔ میزان منشعب پڑھنے والا طالب علم بھی بتا دے گا کہ اگر حضرت عثمان نے یہ فرمایا ہوتا کہ "میں ہر سال مواخذہ کیا کرتا ہوں" تو "اخذت" فرماتے نہ کہ آخذُ۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ:-

"اب میں ہر سال حج کے موقع پر عمّال کا محاسبہ کیا کروں گا۔"

یہاں میاں صاحب نے مضارع کے صیغے کا ترجمہ ماضی استمراری میں کرکے عربی سے نابلد ہونے ہی کا ثبوت نہیں دیا بلکہ خفتِ دماغی کا بھی کھل کر مظاہرہ کیا۔ سامنے کی بات تھی کہ یہ خط ۳۵ھ میں اس وقت لکھا جا رہا ہے جب حضرت عثمانؓ کی خلافت پر گیارھواں سال چل رہا ہے۔ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال تو مکمل داخلی سکون کے گذرے اور پھر شورش کے ابتدائی برگ و بار نکلنے پر بھی عمّال کے احتساب کا کوئی سالانہ چکر نہیں چلا۔ یہ ارادہ تو انھوں نے اس وقت کیا جب فتنہ بالغ ہو چکا تھا۔ میاں صاحب کم سے کم اتنا ہی سوچ لیتے کہ ۳۵ھ سے قبل ہر سال تو کجا کسی ایک سال میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے عمّال کو موسمِ حج میں حاضری کا حکم دیا ہو اور پھر ان کے کاموں کی جانچ پڑتال کی ہو۔ پھر آخر وہ یہ صریح خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں ہر سال مواخذہ کرتا ہوں۔ اگر میاں صاحب

یہ سوچ لیتے تو بعید نہ تھا کہ ماضی اور مضارع کا فرق بھی انھیں نظر آجاتا۔

جہاں تک سلطنت اور ولیت کا تعلق ہے بے شک یہ صیغے ماضی کے ہیں کیونکہ تختِ خلافت پر بیٹھنے کا واقعہ ماضی ہی کا واقعہ تھا اور یہ بھی شک سے بالاتر ہے کہ آپ نے شروع ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف توجہ رکھی تھی۔ مگر ہر سال حج کے موقع پر کاربردازانِ حکومت سے مواخذے کا ارادہ اور اعلان تو آپ ۳۵ھ میں فرما رہے ہیں۔ پھر کیا کہیں گے ان بزرگ شیخ الحدیث کو جو مودودی دشمنی کے خروش میں علم اور عقل دونوں کے دشمن بن گئے اور جو بات بداہتہً خلافِ واقعہ تھی اسے حضرت عثمانؓ کے منہ میں ڈال دیا۔

نمونہ نمبر ۴

صفحہ ۸۵ و ۸۶ پر:

"ویحکم ما ھذہ الشکایۃ وما ھذہ الاذاعۃ انی واللہ لخائف ان تکونوا مصدوقا علیکم وما یعصب ھذا الا بی۔

یہ کیا شکایتیں پہنچ رہی ہیں۔ یہ کیا پروپگنڈا ہو رہا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ یہ شکایتیں صحیح ہوں اور تم پر ان کی ذمہ داری آتی ہو۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ لوگ مجھ پر نرغہ کر کے آئینگے۔"

نہ بھولیئے کہ میاں صاحب نے تحت اللفظ ترجمے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ یہ ترجمہ کہاں سے آگیا جس پر ہم نے خط کھینچا ہے۔ یہ ترجمہ نحوی اعتبار سے مضارع کی جمع غائب کا ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یعصب واحد غائب کا صیغہ ہے۔ پھر واحد کا ترجمہ جمع میں کیا معنی جب کہ دعویٰ "تحت اللفظ" کا کیا گیا۔ مزید یہ دیکھئے کہ ھذا بھی واحد ہی ہے۔ ترجمے میں اسے گول کر دیا گیا۔ اس کا کوئی مشار الیہ نظر نہیں آتا۔
پھر یہ پتہ نہیں چلتا کہ یعصب پر انھوں نے اعراب کیا سمجھا ہے۔ یہ لفظ یہاں تین طرح ہو سکتا ہے۔ یا اور صاد کے فتح سے (یَعصَبُ) یا کے فتح اور صاد کے کسرہ سے (یَعصِبُ) یا کے ضمہ اور صاد کے فتح سے (یُعصَبُ۔ مجہول) کسی بھی شکل میں وہ ترجمہ نہیں بنتا جو میاں صاحب نے کیا ہے۔

علاوہ ازیں مصدوقا علیکم کے ترجمے میں بھی موصوف دھوکا کھا گئے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت عثمانؓ نے شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کے گورنروں کو مشورے کے لئے بلایا ہے۔ حالات غیر معمولی ہیں۔ فضا میں ہلچل ہے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ ایسی بات نہیں فرما سکتے تھے جو ان حضرات کے لئے اشتعال انگیز حد تک سوءِ ظن پر مشتمل ہو۔ اگر میاں صاحب کا کیا ہوا ترجمہ صحیح ہے تو گویا حضرت عثمانؓ قسم کھا کر ان سے کہہ رہے ہیں کہ تم لوگوں کی جو شکایات سننے میں آرہی ہیں ان کے بارے میں میرا گمان ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہیں۔ یہ بعید از قیاس ہے۔ خصوصاً قسم کھانا تو اس محل میں بالکل ہی عجیب ہو جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مصدوقا علیکم تلمیح ہے۔ حضرت عثمانؓ کہہ یہ رہے ہیں کہ:-

"خدا کی قسم مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم ہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کا مصداق نہ ہو اور یہ فتنہ (یا یہ صورتِ حال) مجھے ہی اپنی لپیٹ (یا اپنے گھیرے) میں نہ لے لے۔"

مخفی نہیں کہ دورِ عثمانی اور ذاتِ عثمانی کے بارے میں حضورؐ کی متعدد پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ خود میاں صاحب نے اسی کتاب میں ان کا کچھ تذکرہ کیا ہے۔ کتبِ حدیث میں بھی وہ بکھری ہوئی ہیں اور شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخلفاء میں بھی ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ کا قسم کھانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی بہت ہی اہم بات کہنے جا رہے ہیں۔ حضورؐ کی پیشین گوئیوں کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ حضورؐ کی طرف اشارہ ہی ایک امر اہم ہے۔ اگر یہ اشارہ مقصود نہ ہوتا تو یہ بات قسم کھا کر کہنے کی نہیں تھی کہ مجھے خدشہ

ہے کہیں تم ہی لوگ مجرم نہ ہو۔ اگر حضرت عثمانؓ بدگمانی کا اظہار کرتے بھی تو دبے بھنچے لہجے میں مبہم الفاظ میں قسم کھانے اور زور دینے کی مناسبت اسی صورت میں ہے جب کہ بات ایک طرف بہت اہم ہو دوسری طرف اس سے یہ اندیشہ نہ ہو کہ مخاطبین برا مان جائیں گے۔ ظاہر ہے حضورؐ کا تلمیحی ذکر آجانے کے بعد برا ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

حضورؐ کی پیشین گوئیاں چونکہ اس باب میں کافی سخت تھیں۔ جنت کی بشارت کے ساتھ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا لہٰذا حضرت عثمانؓ نے اسی کی طرف اشارہ کیا کہ وما یعصب ھٰذا الذی۔

یہ ہم نے جو کچھ سمجھا اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تب بھی یہ تو طے ہے کہ اس فقرے کا جو ترجمہ میاں صاحب نے کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ "لوگ نرغہ کرکے آجائیں گے" اس فقرے کا تحت اللفظ ترجمہ کیسے ہو سکتا ہے جس میں فعل بھی واحد ہو اور اسم اشارہ بھی۔

نمونہ نمبر ۵

صفحہ ۱۲۴ پر:-

"فاما حبّی فانہ لم یمل معھم علی جور بل احمل الحقوق علیھم۔ مجھے اپنے خاندان والوں سے محبت ضرور ہے مگر یہ محبت کسی ظلم پر کبھی ان کے ساتھ نہیں جھکی۔ بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے۔"

دراصل حضرت عثمانؓ کہہ رہے ہیں کہ رشتہ داروں کی محبت نے مجھے کبھی اس روش پر مائل نہیں کیا کہ اگر وہ ظلم کریں تو میں ان کا ساتھ دوں۔ نہ میں نے کسی اور پر ظلم کرکے انھیں داد و دہش سے نوازا ہے۔ البتہ اس محبت کی بنا پر میں نے ان کے حقوق کا بوجھ اٹھایا ہے۔ یا یہ کہ ان کے حقوق میں فراخ دلی سے ادا کرتا ہوں۔

اہلِ زبان انصاف فرمائیں کہ کیا کوئی اچھا اردو داں اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کر سکتا ہے جن میں میاں صاحب نے کیا ہے۔ پیچھے آپ دیکھ چکے کہ جگہ جگہ وہ رعایتِ لفظی کو نظر انداز کرکے مفہوم ادا کر گئے ہیں۔ پھر یہاں کیا رکاوٹ تھی کہ ترجمہ صحیح اردو میں کرتے۔ مائل ہونا اور جھکنا بے شک بارہا ایک ہی مفہوم میں بولا جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں جہاں بھی مائل کا لفظ آئے وہاں جھکنے کا ترجمہ لازماً درست ہو۔ مثلاً زید کہتا ہے کہ آج میری طبیعت چاول کھانے کی طرف مائل ہے تو کیا اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کسی بھی اردو داں کا یوں کہنا ممکن ہوگا کہ "آج میری طبیعت چاول کے ساتھ جھکی ہوئی ہے۔" کھلی بات ہے کہ اہلِ زبان تو اس طرح بول نہیں سکتے صرف وہ لوگ بول سکتے ہیں جنکی مادری زبان اردو نہ ہو۔ اسی طرح دوسرے جملے کا معاملہ ہے۔ کوئی شخص کسی کے حقوق ادا کرے، کسی کو عطیے دے، کسی کو رعایتوں سے نوازے تو اردو میں اس واقعے کو یوں بیان نہیں کیا جائے گا کہ اس شخص نے فلاں آدمیوں پر حقوق کا بوجھ لاد دیا۔ حقوق اور فرائض کی اصطلاحیں اردو میں متقابل اصطلاحوں کی حیثیت سے مروج ہیں بوجھ لادنا فرائض کے سلسلے میں بولا جا سکتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی بہرحال مشقت طلب ہے مگر حقوق کے سلسلے میں اس طرح کی زبان استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ مجھ پر نعمتوں اور مسرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

ہر زبان کا اندازِ بیان ہوتا ہے۔ عربی میں بے شک احمل الحقوق کہنے کا ایک محل ہے لیکن اردو میں ایسا کہنا اناڑی پن ہوگا۔ پھر یہی نہیں کہ ترجمے میں میاں صاحب نے یہ گل کھلائے بلکہ آگے اپنی زبان میں فرماتے ہیں:-

"اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ کے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کی عمر تقریباً بیس سال کی (کمسن ہے پوری طرح داڑھی بھی نہ آئی ہو) کہ آپ ان پر فتح کابل کا بوجھ لاد دیتے ہیں" صفحہ ۱۲۴

بتائیے حضرت عثمانؓ کیا کہہ رہے ہیں اور میاں صاحب اس کی کیا اور کن لفظوں میں ترجمانی فرما رہے ہیں۔ ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی شخص کو جنگی ذمہ داریاں سونپنا فرائض کے قبیل سے ہے نہ کہ حقوق کے۔ لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض نہیں تھا کہ آپ نے فلاں ملک فلاں شخص کے ذریعے کیوں فتح کرا لیا بلکہ یہ اعتراض تھا کہ آپ نے فلاں رشتہ دار کو فلاں چیز عطا کر دی۔ اتنا روپیہ دیدیا وغیر ذٰلک۔ حضرت عثمانؓ اسی کی صفائی کر رہے ہیں کہ میں نے جو داد و دہش کی وہ کسی اور کی حق تلفی کر کے نہیں کی بلکہ حق والوں ہی کو ان کا حق دیا۔ انعام و اکرام ملنے کو "بوجھ" سے تعبیر کرنا اردو کی حد تک میاں صاحب کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر اردو ادب میں نہیں مل سکے گی۔

لطیفہ یہ ہے کہ آگے چل کر میاں صاحب کو خود بھی کچھ ہوش سا آگیا ہے اور ص ۱۶۲ پر اسی فقرے کو دہراتے ہوئے اس کے ترجمے میں بریکٹ دے کر یہ الفاظ لکھے ہیں:—

"ان پر فرائض عائد کرتا ہوں۔"

مگر بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ ابھی ان کی عربی قابلیت کا ایک پہلو اور قابلِ دید ہے۔ ابھی آپ نے پڑھا۔ انھوں نے بل احمل الحقوق علیہم کا ترجمہ فرمایا تھا:—

"بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے۔"

گویا احمل کو لام کے فتح کے ساتھ واحد مذکر غائب کا صیغہ قرار دیا (اَحْمَلَ) اور فاعل "محبت" کو بنایا۔ مگر آگے دوبارہ جب ترجمہ فرماتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ:—

"بلکہ میں ان کے اوپر حقوق لادتا ہوں۔" (۱۶۲)

گویا اب احمل بضمِ لام (اَحْمِلُ) ہو گیا۔ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع۔ اب اس کا فاعل حضرت عثمانؓ ٹھیرے نہ کہ "محبت" — اس سے ظاہر ہوا کہ میاں صاحب خود نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ صحیح لفظ ہے کیا۔ فرمایا جائے کہ اس قابلیت کے شیخ الحدیث چشمِ فلک نے کتنے دیکھے ہوں گے!

پھر یہ محض بے علمی ہی کا ثبوت نہیں بے عقلی کا بھی ہے۔ اگر موصوف میں سوجھ بوجھ ہوتی تو اپنی بے علمی کو اس طرح چھپا سکتے تھے کہ یہ عربی جملہ نقل ہی نہ کرتے بلکہ جس طرح سارے تراجم انھوں نے بغیر متن کے دیئے ہیں اسی طرح اس کا ترجمہ بھی دے ڈالتے۔ ظاہر ہے ترجمے پر کم سے کم یہ صیغے والا اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اگر متن دیا ہی تھا تو پھر دونوں جگہ یکساں ترجمہ کرتے لیکن یہاں تو خفتہ دماغی کا یہ عالم نظر آ رہا ہے کہ انھیں ہوش ہی نہیں میں ۳۸ صفحات پہلے کیا ترجمہ کر آیا ہوں۔

اگر ان کا کوئی وکیل یہ کہے کہ ایسی معمولی غلطیاں تو اچھوں اچھوں سے ہو جاتی ہیں۔ طبری میں زیر زبر تو ہے نہیں۔ روانی میں اَحْمَلَ پڑھ لیا تب کیا اور اَحْمِلُ پڑھ لیا تب کیا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ جناب ہمارے شیخ الحدیث کسی اسٹیج پر تقریر نہیں فرما رہے ہیں کہ ایک دفعہ جلدی میں فتح نکل گیا اور دوسری دفعہ ضمہ۔ بے شک تقریر میں ایسی چوک قابلِ معافی ہے۔ مگر یہ تو تصنیف ہے۔ تسوید، نظرِ ثانی اور پروف ریڈنگ کے مراحل سے گذری ہے۔ اگر میاں صاحب اپنی اس خوش فعلی کا ادراک کر لیتے تو یہ تماشا کتاب میں نظر ہی کیوں آتا اور وہ اس گڑبڑ کو دور کیوں نہ کر لیتے۔ المیہ تو یہی ہے کہ نہ تو لکھتے ہوئے اور نہ نظرِ ثانی فرماتے ہوئے وہ اس نقص کا احساس کر سکے اور چشمِ بد دور وہ شیخ الحدیث اور صدر مفتی پھر بھی ہیں۔

ہم کہتے ہیں یہاں اَحْمِلُ ہے۔ باب ضرب یضرب سے صیغہ واحد متکلم۔ حمل کے معنی لادنے کے نہیں لدنے کے آتے ہیں۔ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا کے معنی یہ ہیں کہ ایسا گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں (نہ کہ اس نے کسی اور پر لادی ہوں) حامل کے معنی بوجھ اٹھانے والا (نہ کہ دوسرے پر لادنے والا) یعنی جو خود لد جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت

عثمانؓ کے فرمودہ لفظ احمل کو پہلے مقام پر بصیغۂ واحد غائب لے کر جو غلط ترجمہ کیا گیا تھا اس کے علاوہ ترجمے کی یہ غلطی دونوں ہی مقامات پر موجود ہے کہ بجائے لدنے کے لادنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب حقوق کی کثرت اور بہتات کے پس منظر میں ادائگی حقوق کی بات کہی جاتی ہے تو عربی محاورے میں "حملِ حقوق" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی اشاراتی مراد یہ ہوتی ہے کہ ادا کرنے والے نے کافی بار اٹھایا ہے۔ وہی لدنے کا مفہوم نہ کہ لادنے کا۔ حضرت عثمانؓ جس بڑے پیمانے پر عزیز و اقربا کی صلہ رحمی کرتے تھے اس کی کمیت کی غمازی یہ جملہ کر رہا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی "زیر بار" اُن لوگوں کو نہیں کہا جائے گا جنھیں نعمتیں اور بخششیں مل رہی ہوں۔

نمونہ نمبر ۶

ص۱۲۶ پر:-

یاتیکم غلام خراج ولاج کویم الجدالات الخ۔ تمہارے یہاں ایک نوجوان آرہا ہے۔ نہایت ہوشیار نہایت چست......"

ہم کہتے ہیں "چست" کا لفظ یہاں نادرست ہے۔ خراج کے معنی ہیں بہت نکلنے والا اور ولاج کے بہت داخل ہونے والا۔ ان دونوں معانی میں بے شک "چستی" کا مفہوم داخل ہے لیکن جب خراج ولاج ایک ساتھ بولا جاتا ہے تو اصطلاحاً اس کا مفہوم ہوتا ہے بہت ہوشیار، بہانہ ساز، چالاک۔ یعنی ذہنی طراری اور بیدار مغزی کا حامل۔ نہ کہ جسمانی طور پر چست اور تیز۔ "چستی" جسمانی و عضویاتی صفت ہے۔ کاہلی اور سستی کی ضد۔ عین ممکن ہے کہ ایک شخص چست ہو مگر ذہین نہ ہو۔ اور عین ممکن ہے کہ ایک شخص ذہنی اعتبار سے بڑا طرار ہو لیکن جسمانی اعتبار سے کاہل اور سست۔ حضرت موسیٰ اشعری عبداللہ بن عامر کی ذہنی صلاحیتوں کا ذکر فرما رہے ہیں نہ کہ جسمانی طراری کا۔ کسی ذمہ دار عالم کو الفاظ کا ترجمہ ٹھیک ٹھیک کرنا چاہئے

نمونہ نمبر ۶

ص۱۲۴ پر:-

"عضوا ولی الغلفان بسیوفکم۔
ہاں بہادرو اپنی تلواروں سے ان غیر مختون نامردوں کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔"

غلفان اغلف کی جمع ہے۔ اغلف کے معنی صرف غیر مختون کے ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر غیر مختون بزدل اور نامرد ہی ہو۔ تحت اللفظ ترجمے کا دعویٰ کرنے والے کو یہ زیبا نہیں تھا کہ غیر مختون کیساتھ نامرد کا بھی اضافہ کردے۔ بات معمولی ہے مگر جس مقام بلند سے میاں صاحب کلام کر رہے ہیں اس کے لئے تو یہ معمولی بھی داغ سے کم نہیں۔

نمونہ نمبر ۷

ص۱۷۰ پر:-

لم یجتمع للروم مثلہ قط منذ کان الاسلام۔ جب سے مسلمانوں کے اقدام کا سلسلہ شروع ہوا تھا رومیوں کی اتنی بڑی فوج مقابلے پر نہیں آئی تھی۔"

تحت اللفظ ترجمے کا دعویٰ کرنے والے محترم سے ہم سوال کریں گے کہ ترجمے کا پہلا فقرہ کس فقرے کا ترجمہ ہے۔ منذ کان الاسلام میں "مسلمانوں کے اقدام" کی بات کہاں سے آگئی۔ اور یہ کہاں سے نکال لیا گیا کہ "اتنی بڑی فوج مقابلے پر نہیں آئی تھی"۔ تحت اللفظ ترجمہ یہ تھا کہ:-

"رومیوں کا ایسا لشکر آغاز اسلام سے اب تک جمع نہیں ہوا تھا۔"

مفہوم یقیناً میاں صاحب نے غلط ادا نہیں کیا ہے لیکن سوال تو دعوۂ تحت اللفظی کا ہے۔

نمونہ نمبر ۸

ص۲۰۱ پر:-

"فحمی الاحماء فاتوا القربی واستعمل

الغنی۔ اس شخص نے بہت سی زمینوں کو حمٰی
(سرکاری چراگاہ) بنادیا۔ اپنے رشتہ داروں
کو ترجیح دی۔ دولت مندی کا مظاہرہ کیا۔"

بہت سی زمینوں کو سرکاری چراگاہ بنادینے
کا مطلب تو یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بعض ایسی زمینوں
کو جو چراگاہ نہیں تھیں سرکاری چراگاہ بنادیا۔ حالانکہ
بات یوں نہیں ہے۔ بقیع کی چراگاہ پہلے سے چراگاہ ہی
تھی دوسری چراگاہوں کا بھی یہی حال تھا۔ اعتراض
معترض نے یہ کیا ہے کہ جو چراگاہیں عام تھیں انھیں
عثمانؓ نے اپنے لئے خاص کر لیا۔ اسی کی طرف اشارہ
ہے فحمی الاحماء سے۔ حمٰی باب ضرب یضرب سے
روک لینے اور بچانے کے معنی میں آتا ہے۔ احماء جمع
ہے حمٰی کی جس کے معنی ہیں چراگاہ۔ تحت اللفظ ترجمہ
یوں ہوگا:۔

"پس اپنے لئے مخصوص کر لیا (روک لیا)
چراگاہوں کو۔"

جو ترجمہ میاں صاحب نے کیا ہے وہ اس وقت درست
ہوتا جب حَمٰی کے معنی یہ ہوتے کہ اس نے چراگاہ
بنادیا اور حِمٰی کے معنی ہوتے زمین جس کی جمع ہے احماء
مگر یہ دونوں باتیں نہیں۔ حَمٰی جب ضرب یضرب سے
آتا ہے تو معنی وہی ہوتے ہیں جو ہم نے عرض کئے۔ سمع
یسمع سے آتا ہے تو تبدیلی صِلاۃ کے ساتھ معنی بدلتے
ہیں۔ حَمِیَ من السفر (سفر میں جانے سے ناک بھوں
چڑھائی) حَمِیَ علٰی زید (زید پر غصہ کیا) حَمِیَ
النارُ (آگ تیز ہوگئی) غرض چراگاہ بنادینے کے
معنی ہرگز نہیں آتے۔ نہ احماء کے معنی "زمینوں" کے
آتے ہیں۔

فآتوا القربیٰ میں فا ہمارے نزدیک طباعت
کی غلطی ہے۔ یہاں فا کا کوئی موقع نہیں۔ وآتوا القربیٰ
ہونا چاہئے۔

اب استعمل الغنی پر توجہ کیجئے۔ یہ لفظ غنی
ہماری ناقص رائے میں طباعت ہی کی غلطی ہے اور صحیح
لفظ یہاں الفتی ہے۔ حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات
کئے جاتے تھے ان کی فہرست تمام متعلقہ کتب میں موجود
ہے۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے تجربہ کار اور سن رسیدہ
صحابہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ نوجوانوں کو حاکم بنایا۔
چنانچہ ابھی آپ نمونہ ۵ کے ذیل میں میاں صاحب ہی
کے قلم سے عبداللہ ابن عامر کی مثال دیکھ چکے کہ انکی عمر
بیس سال ہے اور انھیں ابوموسیٰؓ کی جگہ لایا گیا ہے۔ یہی
اعتراض معترض نے دہرایا ہے۔ استعمل کے معنی حاکم
بنانے کے آتے ہیں۔ ترجمہ یوں ہوگا:۔

"اور عثمانؓ نے جوانوں کو حاکم بنایا۔"

لیکن میاں صاحب غنی کو طباعتی غلطی نہیں مانتے
اور اس کا ترجمہ کر رہے ہیں —— "دولت مندی کا مظاہرہ
کیا۔"

کیا مفہوم ہوا اس کا! —— دولتمندی کا مظاہرہ تو
اسے کہتے ہیں کہ آدمی کسی کام میں کھلے دھڑلے خوب پیسہ
خرچ کرے اور اس کا منشا یہ ہو کہ لوگ اسے دولت مند
سمجھیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے بارے میں ایسی کوئی بات
موجود نہیں نہ کسی مؤرخ نے ایسا اعتراض نقل کیا ہے۔
اقرباء کو غیر معمولی داد و دہش کا اعتراض تو یقیناً کیا گیا مگر
اس اعتراض کی تعبیر "دولتمندی کے مظاہرے" سے نہیں کی
جا سکتی۔ نہ کسی نے کی۔ پھر استعمل کے معنی مظاہرہ
کرنے کے کیسے ہوگئے۔ یہ تو عامل بنانے کے لئے مستعمل
ہے حتیٰ کہ اگر بصیغۂ مجہول اُستُعمِل فلانٌ کہا جائے
تب بھی معنی ہوتے ہیں کہ فلاں شخص کسی سرکاری کام پر
مقرر کیا گیا۔ بخاری ہی میں —— جسے شیخ الحدیث پڑھاتے
ہوں گے۔ شکیٰ اھلُ الکوفۃ سعداً الیٰ عُمَرَ
فعزلہٗ واستعمل علیہم عمّاراً (اہلِ کوفہ نے
حضرت عمر سے سعد کی شکایت کی تو انھوں نے سعد کو
معزول کر کے اہلِ کوفہ پر حضرت عمار کو حاکم بنادیا) بخاری
جلد اول۔ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم

فی الصلوٰۃ -

اور بخاری جلد اوّل - کتاب المناقب باب قول النبیؐ للانصار اصبروا حتیٰ تلقونی علی الحوض میں ہے - ان رجلاً من الانصار قال یارسول اللہ الا تستعملنی کما استعملت فلاناً (انصار میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسولؐ کیا آپ مجھے حاکم نہیں بنائیں گے جیسا کہ آپ نے فلاں شخص کو حاکم بنایا) فلاں سے اس شخص کا منشا حضرت عمرو بن العاصؓ تھا جنھیں حضورؐ نے عمان کا گورنر بنایا تھا۔

یہاں گذارش کرنے والے کا انداز استفہامیہ تھا آگے بخاری جلد ثانی کتاب الفتن - باب قول النبیؐ سترون بعدی امورًا تنکرونھا میں یہی بات شکایتی اسلوب میں کہی گئی ہے - یارسول اللہ استعملت فلاناً ولم تستعملنی (اے اللہ کے رسولؐ آپ نے فلاں کو تو حاکم بنا دیا اور مجھے نہیں بنایا)

"استعمال" کے یہ معنی عربی میں اتنے مشہور ہیں کہ ان کا ثبوت اور حوالہ دیتے ہوئے بھی کوفت ہو رہی ہے - ویسے کبھی کبھی اسے آلۂ کار بنانے کے مفہوم میں بھی بول لیتے ہیں (اس کا چلن اردو میں بھی ہے) یہ مفہوم یہاں بھی کسی حد تک قابلِ قبول ہو سکتا ہے - یعنی معترضین کا مطلب یہ لیا جائے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی پالیسیوں کو روبہ عمل لانے کے لئے نوجوانوں سے کام لیا - بہرحال مظاہرہ کرنے کے معنی تو ہم نے کہیں نہیں پڑھے نہ لغت میں یہ معنی ملے - نہ یہاں اس کا کوئی قابلِ فہم مطلب بنتا ہے -

نمونہ نمبر ۹

صـ ۲۰۳ پر:-

" ثم انھم رجعوا الیہ بکتاب لہ یزعمون انہ کتبہ فیھم یامر فیہ بقتلھم (پھر وہ دوبارہ آئے ان کی (حضرت عثمانؓ کی) ایک تحریر لیکر وہ یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ یہ تحریر ان کے بارے میں حضرت عثمانؓ نے لکھی ہے (رضی اللہ عنہ) اس تحریر میں ان کو قتل کرنے کا حکم تھا۔"

یہ حضرت عبد اللہ بن زبیر کا بیان ہے - اس کے ترجمے میں دو علمی غلطیاں کی گئی ہیں - ایک یہ کہ ثم انھم رجعوا الیہ بکتاب لہ کے فقرے میں یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ واقعی وہ حضرت عثمانؓ ہی کی تحریر لے کر آئے - حضرت ابن زبیرؓ تو یہ فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ ایک تحریر لیکر لوٹے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ یہ عثمانؓ کی ہے - مگر میاں صاحب نے اپنے ترجمے میں خود ابن زبیرؓ سے اعتراف کرا دیا ہے کہ وہ تحریر حضرت عثمانؓ کی تھی - ان لفظوں پر غور کیجئے :-

" پھر وہ دوبارہ آئے حضرت عثمانؓ کی ایک تحریر لے کر "

یہ ابن زبیرؓ ہی کا بیان ہے - حالانکہ عربی فقرے میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ ابن زبیرؓ نے بھی اس تحریر کو حضرت عثمانؓ ہی کی تحریر کہا تھا - یہ سراسر الزام ہے - حضرت ابن زبیرؓ نے نہ وہ تحریر دیکھی نہ وہ واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ غلط بات کہہ سکتے تھے کہ وہ عثمانؓ کی تحریر تھی - آگے خود انھی کا بیان موجود ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حلف کے ساتھ فرمایا کہ یہ میری تحریر نہیں ہے -

ہمیں احساس ہے کہ میاں صاحب نے ارادۃً یہاں غلط بیانی نہیں کی ہے - بلکہ اناڑی پن کی وجہ سے ترجمہ غلط کر گئے ہیں -

دوسری غلطی یہ ہے کہ متن میں مضارع کا صیغہ بولا گیا 'یامر فیہ' مگر میاں صاحب نے ماضی کا ترجمہ کیا :-

" اس تحریر میں ان کو قتل کرنے کا حکم تھا "

یہ ترجمہ اس وقت درست ہوتا جب کان فیہ امرٌ بقتلھم یا اُمِرَ فیہ بقتلھم جیسا کوئی جملہ ہوتا - جب یامر کہا گیا تو ضروری تھا کہ تحت اللفظی کا دعویٰ کرنے والے مترجم مضارع کا ترجمہ کرتے - اب جو ترجمہ انھوں نے کیا اس میں پھر وہی خرابی پیدا ہو گئی کہ یہ بات خود ابن زبیرؓ کا اعتراف بن گئی - حالانکہ فی الحقیقت یہ ان کا اعتراف

نہیں بلکہ وہ معترضین کا بیان دہرا رہے ہیں۔ صحیح ترجمہ یوں ہوتا:-

"پھر وہ لوٹے (یا دوبارہ آئے) ایک تحریر لے کر جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ وہ عثمانؓ نے لکھی ہے جس میں وہ ان کے قتل کا حکم دے رہے ہیں۔"

اس ترجمے میں یا مُرُ کی رعایت بھی ہو گئی اور یہ بھی صاف ہو گیا کہ اس تحریر میں ان کے قتل کا حکم موجود ہونا بھی معترضین ہی کا قول تھا نہ کہ ابن زبیرؓ کا۔

نمونہ نمبر ۱۰ اسی صفحہ پر:-

"فواللہ ما جاؤا ببینۃ ولا استحلفوہ ولوثبوا علیہ فقتلوہ (خدا کی قسم نہ انھوں نے کوئی ثبوت پیش کیا اور نہ حضرت عثمانؓ سے قسم لی (بلکہ) دفعتاً وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کود پڑے اور ان کو شہید کر دیا۔"

ہمیں تسلیم ہے کہ وثب یَثِبُ کودنے اور اٹھنے کے معنی میں آتا ہے لیکن جن بزرگوار کے بارے میں انشا پرداز ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو ان سے توقع یہی کی جا سکتی تھی کہ محاورات کا بھی خیال رکھیں گے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین اگر درست ہے تو یہ بھی درست ہونا چاہیئے کہ کسی اچھے انشا پرداز کا معیارِ اعلیٰ سے گر جانا عیب مانا جائے۔ یہاں "کود پڑے" کا موقع نہیں تھا۔ افصح ہوتا اگر مترجم یوں کہتے کہ "وہ حضرت عثمانؓ پر ٹوٹ پڑے اور انھیں قتل کر ڈالا۔" اردو میں کسی کے دفعتاً حملہ آور ہونے کو "ٹوٹ پڑنا" بولتے ہیں۔ یہ کوئی اہل زبان نہیں بولتا کہ زید فلاں پر کود پڑا۔

نمونہ نمبر ۱۱ اسی صفحہ پر:-

"وقد سمعت ما عبتہ بہ (اور میں نے ان الزامیوں کو سُنا جو تم نے ان پر لگائے ہیں۔"

مفہوم میاں صاحب نے یقیناً درست بیان کیا لیکن جب وہ تحت اللفظی کا دعویٰ کر رہے ہیں تو انھیں سوچنا چاہیئے تھا کہ "الزامیوں" جمع ہے اور بہ کی ضمیر واحد۔ ضمیر واحد کا مشارٌ الیہ جمع کیا معنی۔

عبتہُ کی ضمیر واحد کا ترجمہ "اُن" بلا شبہ درست ہے کیونکہ اس کا مرجع حضرت عثمان ہیں اور احتراماً واحد کے لئے بھی "اُن" ہی بولا جاتا ہے نہ کہ "اُس" مگر بہ کی ضمیر کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں ہوا۔ صحیح تحت اللفظ ترجمہ یوں ہوتا ـــــ "اور میں نے سن لیا جو الزام آرائی (یا عیب چینی) تم نے ان کے بارے میں کی ہے۔"

نمونہ نمبر ۱۲ صفحہ ۲۲۹ پر:-

"بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرن حتی کنت من القرن الذی کنت منہ (ابنائے آدم کے تمام ادوار میں سے سب بہتر دور میں میری بعثت ہوئی ہے خیر (روحانی کمالات اور مکارم اخلاق) ترقی پذیر رہے۔ اگلا دور پچھلے دور سے بہتر ہوتا رہا یہاں تک کہ میں اس دور میں مبعوث ہوا جس کا میں ہوں۔"

پہلا اعتراض تو ہم یہ کریں گے کہ اس حدیث میں قرنا فقرن نہیں ہے بلکہ قرناً فقرناً ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کتابت کی غلطی تصور کر لیا جاتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آگے صفحہ ۲۴۶ پر پھر اس روایت کو نقل کیا گیا ہے اور وہاں بھی فقرن ہی ہے (فقرناً نہیں) اگر دونوں جگہ کتابت کی غلطی ہوئی ہے تو شاباش ہے مصحح اور پروف ریڈر کو۔

دوسرا بڑا اور اصل اعتراض یہ ہے کہ میاں صاحب نے حدیث کو بالکل ہی نہیں سمجھا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آنحضرتؐ کی مشہور حدیث خیر القرون قرنی (سب سے بہتر میرا زمانہ ہے) میں جو بات کہی گئی ہے وہی یہاں بھی کہی گئی ہے چنانچہ مذکورہ ترجمہ ان کی اس غلط فہمی کا گواہ ہے اور آگے صفحہ ۲۴۶ اور ۲۴۷ پر تو اور زیادہ صراحت

اور تفصیل سے انھوں اسی مفہوم کو دہرایا ہے لیکن ہم کہیں گے کہ انھوں نے کبھی کسی استاد سے بخاری پڑھی ہے تو پھر وہ اسے بالکل بھول گئے ہیں اور چونکہ عربی نہیں آتی اسلئے عبارت پر غور کرکے صحیح مطلب اخذ کرنے سے بھی قاصر ہیں۔

طلبائے عربی اور محترم جج مولانا دریابادی نوٹ فرمائیں کہ جناب شیخ الحدیث کو مِن اور فی کا فرق بھی معلوم نہیں۔ اگر یہاں حضورؐ کا مقصودِ کلام یہی ہوتا کہ "میں سب سے بہتر دور میں مبعوث کیا گیا ہوں" تو بُعِثْتُ کے بعد مِن کا کیا موقعہ تھا۔ پھر تو یوں فرمایا جاتا کہ بُعِثْتُ فی خیر القرون ۔ اور بنی آدم کے الفاظ بھی کس لئے آتے ۔ مگر میاں صاحب چونکہ اپنے خیال میں مگن ہیں، اس لئے مِن کا ترجمہ بھی فی سا کرڈالا ۔ یہ ہے ترجمہ:۔

"سب سے بہتر دور میں میری بعثت ہوئی ہے"۔

اور قرناً فقرناً جو واضح طور پر یہاں منصوب علی الحال ہے ان کی سمجھ میں جب بالکل نہ آیا تو بریکٹ دیکر ایک غیر متعلقہ فقرہ ترجمے کے بیچ بڑھادیا۔ طلبائے عزیز کسی حقیقی شیخ الحدیث سے جاکر دریافت کریں کہ عامر عثمانی درست کہتا ہے یا بکواس کررہا ہے۔

اس حدیث میں حضورؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ خیر القرون قرنی سے مختلف ایک مضمون ہے ۔ قرن جہاں سو سال یا ستر سال یا اس سے بھی کم سالوں کی ایک محدود مدت کو کہتے ہیں وہیں گروہ اور طبقے اور خانوادے کو بھی کہتے ہیں (دیکھئے المنجد اور منتہی الارب وغیرہ) حرف مِن منھ سے بول رہا ہے کہ یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہیں اور بنی آدم کی طرف قرون کی اضافت اس پر دلیل قطعی ہے ۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ میرے خاندان کی ہر نسل اپنے زمانے کی بہترین نسل رہی ہے ۔ آدم سے لیکر مجھ تک کتنا ہی طویل سلسلۂ نسب ہو لیکن اس نسب نامے کا ہر خانوادہ اپنے دور کا معزز ترین خانوادہ تھا ۔ ایسا نہیں ہے کہ میرے نسب کی عظمت و فضیلت صرف آج ہی کے ہاشمی اور قریشی خانوادے تک محدود ہو اور ماضی کے کسی قرن میں میرا خانوادہ غیر معزز اور غیر ممتاز رہا ہو۔

اس حدیث کی تفصیل سمجھنی ہو تو حضرت واثلہ بن الاسقعؓ کی وہ روایت دیکھئے جو صحیح مسلم نے بایں طور روایت کی ہے حضورؐ نے فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ إِسْمٰعِيلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)	اللہ نے منتخب کرلیا کنانہ کو اولادِ اسمٰعیل میں سے اور منتخب کرلیا قریش کو کنانہ میں سے اور منتخب کرلیا قریش سے بنی ہاشم کو اور منتخب کرلیا مجھے بنی ہاشم سے۔

* * * * * *

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:۔ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وُلْدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمٰعِيلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وُلْدِ إِسْمٰعِيلَ بَنِي كِنَانَةَ ۔

مشکوٰۃ میں یہ دونوں روایتیں ٹھیک اسی حدیث کے بعد رکھی گئی ہیں جس کی گفتگو چل رہی ہے ۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا موضوع خاندان و نسب کا فضل و شرف ہے نہ کہ زمانوں کا فضل و شرف ۔ اللہ کے رسول اپنے مکمل سلسلۂ نسب کی ایک بیش بہا فضیلت بیان فرمارہے ہیں اور میاں صاحب نے سمجھ لیا کہ زمانوں کی فضیلت بیان ہورہی ہے۔

نمونہ نمبر ۱۳

صٓ ۲۵۰ پر:۔

"تھی حداثاء الاسنان سفہاء الاحلام ۔
(نوخیز و نوعمر اوچھی عقلوں والے جذباتی لوگوں کی بھیڑ ان کے ساتھ ہوگی"۔

خدا بہتر جانتا ہے میاں صاحب نے کیا لفظ لکھا ہوگا جس کا طباعت میں "تھی" بن گیا ۔ یہ کوئی لفظ نہیں ہے مگر ہم اندازہ نہیں کرسکتے کہ کس لفظ سے بگڑ کر یہ بنا۔

حدیث اس طرح پر ہے ۔ یاتی فی آخر الزمان قوم حداثاء الاسنان سفہاء الاحلام ۔ گویا جس جگہ

"تھی" چھپا ہے وہاں قوم کا لفظ تھا۔ اب یہ معمہ محترم جج صاحب ہی حل کریں کہ لفظ "قوم" اس شکل میں کیسے آگیا۔ بہرحال ہم طباعتی نقائص سے صرفِ نظر کرتے جا رہے ہیں۔ سوال ترجمے کا ہے۔ اول تو یہ کہ "اوچھی عقل" کیا شے ہوتی ہے۔ اُردو میں "عقلِ کوتاہ" ضرور بولتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ اس کا لفظی ترجمہ بھی شاملِ محاورہ ہو۔ دیکھئے بالغ نظری اُردو میں مستعمل ہے۔ نگاہِ رسا بھی بولتے ہیں۔ لیکن یوں نہیں کہتے کہ فلاں شخص "پہنچنے والی نظر" رکھتا ہے۔ اسی طرح "وسیع النظری" کا اُردو ترجمہ "پھیلی ہوئی نظر" خلافِ محاورہ ہے۔ اُردو میں "اوچھی باتیں" — "اوچھی حرکتیں" — "اوچھا وار" بولتے ہیں۔ لیکن اوچھی عقل، اوچھی نظر نہیں بولتے۔ اور بے شمار الفاظ ہیں جو دوسری زبانوں سے اُردو میں آگئے ہیں۔ انھیں جوں کا توں بولا جاتا ہے ہندی ترجمہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

دوئم یہ کہ "لوگوں کی بھیڑ ان کے ساتھ ہو گئی" کہاں سے آگیا۔ میاں صاحب لکھتے تو یہ ہیں کہ "صادق و مصدوق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی۔" پھر بجائے اس کے کہ حدیث کا کم سے کم ایک پورا جملہ تو نقل کر دیتے ناقص ٹکڑا نقل کرتے ہیں۔ کیا یہ بے سلیقگی نہیں۔ پھر ترجمہ ایسا کرتے ہیں جو اصل سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اصل فقرہ ابھی ہم نے نقل کیا۔ (دیکھئے بخاری جلد اوّل۔ کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام) اس کا ترجمہ یوں ہوگا:-

"حضور نے فرمایا آخر زمانے میں ایسے کم عمر بے وقوف ظہور میں آئیں گے جن کے اقوال۔۔۔ الخ"

مگر میاں صاحب نے ایسا ترجمہ کر دیا گویا حدیث میں ذکر تو کچھ اور لوگوں کا کیا گیا ہو اور ان کے ساتھ نوخیز حمقاء لگ گئے ہوں —

فافہم۔

نمونہ نمبر ۱۴

صفحہ ۲۵۳ پر:-

"واشھد ان علیاً قتلھم وانا معہ جیئ بالرجل علی النعت الذی نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (میں شہادت دیتا ہوں کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو قتل کیا۔ میں آپ کے ساتھ تھا (جنگ ختم ہوئی تو) ایک مقتول لایا گیا جس کا حلیہ وہی تھا جس کی پیشین گوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔"

یہاں ایک لطیف بات قابلِ غور یہ ہے کہ ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ "مقتول" کیا جائے صراحت کے بغیر جب جیئ بالرجل بولا جائے گا تو ترجمہ یہ ہوگا کہ ایک آدمی لایا گیا اور یہ ترجمہ زندہ آدمی کی طرف مشیر ہوگا۔ یہی حدیث بخاری میں دو اور مقامات پر بھی آئی ہے۔ (۱) جلد اوّل۔ کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (۲) جلد ثانی۔ کتاب الادب۔ باب ماجاء فی قول الرجل ویلک۔ صرف ثانی الذکر مقام پر یہ تصریح ہے کہ فَالتُمِسَ فِی الْقَتْلٰی فَاُتِیَ بِہٖ (مقتولین میں سے تلاش کر کے اس کی لاش لائی گئی) لہٰذا جو بزرگوار تحت اللفظ ترجمے کا داعیہ لیکر چلے ہیں انھیں تو چاہئے تھا کہ یہ مصرح روایت لیتے تاکہ لفظِ مقتول کی گنجائش نکلتی۔

نمونہ نمبر ۱۵

صفحہ ۲۶۰ پر:-

"قالوا ضعون الحدایث اصناف واعظمھم ضرراً قوم من المنسبین الی الزھد وضعوا الحدیث احتسابا فیما زعموا فتقبل الناس موضوعاتھم ثقۃ منھم لھم ورکنا الیھم ثم نھضت جھابذۃ الحدایث لکشف عوارھا ومحو عارھا (واضعین کی چند

قسمیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ضرر رساں وہ
لوگ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں (عابد و زاہد ہیں)
مگر ایسے سادہ کہ حدیث گھڑتی اور سمجھتے یہ ہیں کہ
اس میں ثواب ملے گا۔ لوگوں نے ان کی ظاہری
حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے
ہوئے ان کی موضوع روایتوں کو قبول کر لیا۔
پھر فنِ حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ اس
کمزوری کا پردہ چاک کریں اور اس کی خرابی کو
مٹا دیں۔"

مولانا مودودی کے بہتیرے معترضین کو دیکھا ہے کہ اگر مولانا کے مضمون میں کہیں کتابت و طباعت کی غلطی بھی نظر پڑ گئی تو انھوں نے پھٹ سے اسے بھی مولانا کی فہرست جرائم میں شامل کر دیا۔ مگر ہم یہ چھچھورا پن پسند نہیں کرتے اسی لئے بے شمار کتابتی اغلاط کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں اور یہاں بھی کرتے ہیں (صحیح لفظ دَسَّ کُو نا تھا جو دَرکو نا چھپا ہے)

ہمارا اعتراض یہ ہے کہ آخری فقرے کا ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا۔ مفہوم تو بہر حال وہی ہے جو میاں صاحب کے ترجمے سے ظاہر ہے لیکن سوال مفہوم کا نہیں عربی قابلیت کی جانچ کا ہے۔ خصوصاً جب مترجم نے دعویٰ تحت اللفظی کا کیا تو ترجمے سے خود بخود یہ اندازہ ہو جائے گا کہ عربی فقرے کے نحوی گوشوں اور لغوی پہلوؤں پر مترجم کی نظر ہے کہ نہیں۔

لکشف عوارِ ہا میں دُہری اضافت ہے مگر ترجمے سے ایک اضافت غائب ہے۔ "تاکہ اس کمزوری کا پردہ چاک کر دیں"۔ یہ ترجمہ اس وقت درست ہوتا جب عبارت یوں ہوتی کہ لِکَشْفِ ھٰذَا الضَّعْفِ۔ کمزوری کا مرادف عربی لفظ ضعف ہے نہ کہ عوار۔ عوار کے معنی عیب کے ہیں (المعجم الوسیط) مطلب تو بہر حال وہی رہتا خواہ مترجم عیب کا لفظ رکھتے یا کمزوری کا یا سقم کا یا خرابی کا۔ لیکن تحت اللفظی کا کھلا تقاضا یہ تھا کہ بجائے کمزوری کے عیب کا لفظ رکھا جاتا۔ تاہم اسے نظر انداز کر دیں تب بھی یہ طے ہے کہ انھوں نے جو ترجمہ فرمایا ہے وہ لِکَشْفِ ھٰذَا الْعَوَارِ کا ہے نہ کہ لِکَشْفِ عَوَارِھَا کا۔

مزید نقص یہ ہے کہ وہ ھا کا مرجع نہ سمجھ سکے۔ "اس کمزوری" میں "اس" کا اشارہ کس طرف ہے۔ کونسی کمزوری؟ — اگر جواب یہ دیا جائے کہ حدیث وضع کرنے والوں کے فعل و عمل کی طرف اشارہ ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ ضمیر مؤنث کے کیا معنی۔ پھر تو عوارہ اور عارہ کہنا چاہئے تھا اور اگر کہا جائے کہ اشارہ "حدیث" کی طرف ہے تو لفظ "حدیث" عربی میں مؤنث نہیں ہے۔ اگر بحیثیت اسم جنس اس کے لئے ضمیر تانیث لائیں گے تو اُردو ترجمے میں لازماً ضمیر جمع "اِن" استعمال کرنی ہوگی نہ کہ ضمیر واحد "اِس"۔

صحیح یہ ہے کہ ھا کا مرجع "موضوعات" ہے۔ مناسب تحت اللفظی ترجمہ یوں ہوتا۔

"پھر فنِ حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ ان
گھڑی ہوئی روایتوں کا عیب کھولدیں اور اُس
چیز کو مٹادیں جو باعثِ ننگ ہے۔"

اس ترجمے میں معنیً تمام اضافتوں کی رعایت ہے۔ ویسے ٹھیٹ تحت اللفظ ترجمہ کیجئے تو یوں ہوگا:۔

"پھر فنِ حدیث کے اعلیٰ ماہرین ان موضوعات
کے عیب کے کھولنے اور ان کے عار کے مٹانے کے
لئے اٹھے۔"

بہر حال میاں صاحب نے "اس" بدل کر غمازی کر دی کہ وہ ضمیر کا مرجع نہیں سمجھ پائے ہیں اور "اسکی کمزوری" کے بجائے "اس کمزوری" کہہ کر یہ بتا دیا کہ اضافت (عوارِھا) کا بھی انھیں ادراک نہیں ہوا۔ پھر عوار کا ترجمہ "کمزوری" کرنا لغت سے ناواقفیت کا پتہ دے گیا۔ (یہاں بات ذرا باریک ہو گئی۔ جو طلبائے عزیز اسے پوری طرح نہ سمجھ سکے ہوں وہ اپنے اساتذہ سے رجوع فرمائیں)

فارسی قابلیت

عربی قابلیت کے ذیل میں میاں صاحب کی اُردو قابلیت

پر بھی خاصی روشنی پڑ گئی۔ ایک دو نمونے فارسی کے بھی دیکھتے چلئے۔ آپ نے کہیں کہیں بطور زینتِ سخن فارسی اشعار استعمال کئے ہیں مشکل سے تین چار مگر ان کا بھی حلیہ بگاڑے بغیر نہ رہے۔ ملاحظہ ہو صد ۱۱۶ پر لکھتے ہیں:۔

چشمِ حسود کہ برکندہ باد　　عیب نمایدش ہنر در نظر

فارسی جاننے والے حضرات ذرا اپنی ہنسی روکے رکھیں تاکہ ہم عوام کے کانوں تک اپنی آواز پہنچا سکیں۔ جو لوگ فارسی نہیں جانتے مگر فنِ شعر سے مس رکھتے ہیں اتنا تو وہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ پہلے مصرعہ کی بحر غائب ہے۔ اصل مصرعہ میاں صاحب کو یاد نہ رہا تو جو الٹا سیدھا یاد تھا سپردِ قلم فرما دیا۔ بحر دوسرے مصرعہ کی بھی ندارد ہے۔ کیونکہ میاں صاحب کے بیمار حافظے نے اس سے دھینگا مشتی کی ہے۔ مصرعہ حقیقت میں یوں تھا۔

عیب نماید ہنرش در نظر

ان کے حافظے نے شین کو اس کی جگہ سے اکھیڑ کر نماید کے آگے لگا دیا اور انھیں ذرا احساس نہ ہوا کہ مصرعہ بہ اعتبار عروض خارج از بحر بھی ہو گیا۔

صد ۱۸۸ پر:۔ "بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا"۔

مشہور ترین مصرعہ ہے مگر میاں صاحب نے "راہ" میں الف بڑھا کر اسے بھی بحر سے گرا دیا۔ بحر "رہ" سے درست ہوتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ فارسی میں "رہ" (بغیر الف) خوب مستعمل ہے۔

صد ۹۸ پر:۔

پری نہفتہ رخ و دیو بکرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

دوسرا مصرعہ چونکہ بہت مشہور ہے اس لئے وہ تو میاں صاحب نے ٹھیک ہی لکھ دیا مگر پہلا مصرعہ پھر بھی ان کی نوکِ قلم سے مرغِ بسمل بن کر رہا۔ اہلِ نظر دیکھ سکتے ہیں کہ بحر بھی ندارد ہے اور مضمون بھی غارت ہو گیا۔

بد دیانتی یا آسیب زدگی؟

حضرت شیخ الحدیث کی خوش گفتاری، عربی دانی، اردو نوازی اور فارسی مہارت کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم ایک ایسی چیز پیش کرتے ہیں جس کے بارے میں ہم تو فیصلہ نہ کر سکے کہ اسے بد دیانتی کا عنوان دیں، افترا پردازی کہیں یا آسیبی خلل کے زمرے میں رکھیں۔ ہماری عقل اس باب میں دنگ ہے لہٰذا قارئین اور محترم جج ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا توجیہ اس کی ہو سکے گی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی ایک بہت ہی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ جنگِ اُحد میں جب آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں میں گھر گئے تھے تو یہ اپنی تیر اندازی سے اُن کا دفاع فرما رہے تھے۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا تھا ارم فداک ابی و امی۔ اے سعد! تم پر میرے باپ ماں قربان تیر چلائے جاؤ!

میاں صاحب نے صد ۲۸ پر اسی واقعے کو بیان کیا ہے اور پھر حضرت سعدؓ کی اُس تقریر کا خلاصہ دیا ہے جو انھوں نے دربارِ فاروقی میں شکایات کا جواب دیتے ہوئے کی تھی۔ یہ خلاصہ صد ۲۹ پر ختم ہوا ہے اور اس کے متصل بعد میاں صاحب لکھتے ہیں:۔

"مودودی صاحب تو شاید اس تقریر سے اثر نہ لیں کیونکہ آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ جو تیر چلایا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف تھا (ملاحظہ فرمائیے مودودی صاحب کی تفسیر و یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ)"

محترم جج اور تمام قارئین بتائیں کہ اس ارشاد کا کیا مطلب ہوا ——— یہی نا کہ جنگِ اُحد میں حضرت سعدؓ نے حضورؐ کے تحفظ میں جو تیر افگنی کی تھی مولانا مودودی اس قدر سیاہ قلب اور احمق ہیں کہ اس تیر افگنی کو انھوں نے حضورؐ کی منشا کے خلاف قرار دیا ہے۔ کہاں قرار دیا ہے۔ اس کا بھی حوالہ میاں صاحب نے پیش فرما دیا۔ معلوم ہے کہ "مودودی صاحب کی تفسیر" کا نام تفہیم القرآن ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ محولہ آیت قرآن میں دو جگہ

نہیں آئی ہے بلکہ ایک ہی جگہ آئی ہے۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۷۔ تفہیم القرآن ایسی چیز نہیں کہ ملنا دشوار ہو ہر جگہ آسانی سے مل سکتی ہے۔ جلد اوّل اٹھائیے اور دیکھئے اس آیت کے ترجمے پر ایک ہی تفسیری حاشیہ ہے پورے صفحے پر پھیلا ہوا۔ (صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ جماعتِ اسلامی ہند) ہم اس پورے حاشیہ کو یہاں نقل کئے دیتے ہیں تاکہ کسی کو گنجائشِ تاویل نہ رہے:۔

"۲۳۲ یہ بات ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ رجب ۲ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ نخلہ کی طرف بھیجا تھا (جو مکّے اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) اور اس کو ہدایت فرمائی تھی کہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے آئندہ ارادوں کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ جنگ کی کوئی اجازت آپ نے نہیں دی تھی۔ لیکن ان لوگوں کو راستے میں قریش کا ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا اور اس پر انھوں نے حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں کو ان کے مال سمیت گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ یہ کارروائی ایسے وقت ہوئی جب کہ رجب ختم اور شعبان شروع ہو رہا تھا اور یہ امر مشتبہ تھا کہ آیا حملہ رجب (یعنی ماہِ حرام) ہی میں ہوا ہے یا نہیں۔ لیکن قریش نے اور ان سے در پردہ ملے ہوئے یہودیوں اور منافقینِ مدینہ نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس واقعہ کو خوب شہرت دی اور سخت اعتراضات شروع کر دیئے کہ یہ لوگ چلے ہیں بڑے اللہ والے بن کر اور حال یہ ہے کہ ماہِ حرام تک میں خونریزی سے نہیں چوکتے۔ انھی اعتراضات کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ ماہِ حرام میں لڑنا بڑی بُری حرکت ہے مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کے مُنھ کو تو زیب نہیں دیتا جھوں نے تیرہ برس مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے۔ پھر ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ جلا وطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لئے مسجدِ حرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا حالانکہ مسجدِ حرام کسی کی مملوکہ جائداد نہیں ہے اور پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو۔ اب جن ظالموں کا نامۂ اعمال ان کرتوتوں سے سیاہ ہے ان کا کیا منھ ہے کہ ایک معمولی سی سرحدی جھڑپ پر اس قدر زور شور کے اعتراضات کریں، حالانکہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا ہے وہ نبیؐ کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اسلامی جماعت کے چند آدمیوں سے ایک غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہو گیا ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مالِ غنیمت لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپؐ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ میں نے تمکو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی۔ نیز آپؐ نے ان کے لائے ہوئے مالِ غنیمت میں سے بیت المال کا حصّہ لینے سے بھی انکار فرما دیا تھا جو اس بات کی علامت تھی کہ ان کی یہ لوٹ ناجائز ہے۔ عام مسلمانوں نے بھی اس فعل پر اپنے ان آدمیوں کو سخت ملامت کی تھی اور مدینے میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے انھیں اس پر داد دی ہو۔" (تفہیم القرآن کا اقتباس مکمل ہوا)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ پہلی ہی لائن میں رجب ۲ھ کا حوالہ موجود ہے۔ کون باخبر نہیں جانتا کہ غزوۂ احد تیسری

ہجری میں ہوا ہے لہٰذا ایسی کسی غلط فہمی کا امکان نہ تھا کہ پڑھنے والے کو یہاں غزوۂ اُحد کا تصور آتا — پھر جتنی تفصیل سے سارا واقعہ لکھا گیا ہے اس میں کسی ناسمجھ سے ناسمجھ کے لئے بھی التباس اور غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔ علاوہ یہ کہ یہاں نہ حضرت سعدؓ کا ذکر ہے نہ ان کی تیر افگنی کا۔ ہاں ضخیم تفاسیر میں یہ وضاحت ضرور ملتی ہے کہ ان آٹھ آدمیوں میں حضرت سعدؓ بھی شامل تھے۔ مثلاً روح المعانی میں ان کا نام لیا گیا ہے لیکن یہ بھی وہیں تصریح ہے کہ جس آدمی (عمرو بن الحضرمی) کو قتل کیا گیا اس کے قاتل واقدؓ بن عبداللہ السہمی تھے (نہ کہ حضرت سعدؓ) اور باقی سب وہی بیان کیا گیا ہے جو منقولہ بالا حاشیہ میں موجود ہے۔

ہم کہتے ہیں اگر اس موقعہ پر سعدؓ ہی کے تیر نے ابن الحضرمی کو ہلاک کیا ہوتا اور مولانا مودودی کی تفسیر میں اس کا ذکر بھی ہوتا تب بھی کیا فرق پڑتا تھا۔ سوال تو یہ ہے کہ میاں صاحب نے جو ہولناک الزام مولانا مودودی پر عائد کیا ہے اس کا سر پیر کہاں ہے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ حضرت شیخ الحدیث نعوذ باللہ شراب یا افیم وغیرہ سے شوق فرماتے ہیں۔ نہ ان کے پاگل پن کی کوئی خبر ہمارے کانوں تک پہنچی ہے پھر آخر اس کے سوا کیا سمجھیں کہ یا تو انھوں نے محض قسم کی افترا پردازی کی ہے یا پھر لکھتے لکھتے ان پر کسی قسم کا آسیبی دورہ پڑ گیا ہے جس نے ان کے ہوش و حواس بگاڑ دیئے ہیں لہٰذا تفہیم القرآن میں انھیں وہ بات نظر آئی ہے جس کی پرچھائیں تک وہاں موجود نہیں ہے۔

جج صاحب! آپ ہی کوئی تاویل ایسی بیان فرمائیں جس سے اس عقدے کی گرہ کشائی ہو یا پھر یہ فیصلہ دیں کہ ایسے "سفید قذف" کی سزا کیا ہے۔ غزوۂ اُحد کے واقعے اور مذکورہ واقعے میں تو کسی قسم کی مشابہت بھی نہیں ہے کہ میاں صاحب کی غلط فہمی کا جواز نکالا جاسکے۔ دہی پر دودھ کا دھوکا ہو سکتا ہے لیکن کیا دہی پر گلاب جامن کا یا کرسی پر ہاتھی کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے!

پھر کیا توجیہ ہے اس شرارت کی کہ میاں صاحب نے مودودی پر ایک ایسا مہیب الزام لگایا جو انھیں دائرۂ اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے۔ غضب ہے جس تیر افگنی پر اللہ کا رسولؐ یوں کہے کہ اے سعد! تجھ پر میرے باپ ماں قربان! اس تیر افگنی کو مودودی مرضیٔ رسولؐ کے خلاف قرار دے — یہ تو کھلی شیطنت ہے۔ اگر ایک شخص محض دل سے گھڑ کر ایسا جرم مودودی کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا مقام آپ ہی بتایئے مدرسہ امینیہ ہونا چاہیئے یا امراضِ دماغی کا شفاخانہ؟

آج اسلامی عدالتیں نہیں ہیں، ورنہ یہ حرکت ایسی نہیں تھی کہ میاں صاحب اپنے آپ کو حدِ قذف سے بچا لے جاتے۔

کسی دستاویز میں صرف ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ پوری کی پوری ناقابلِ اعتبار ہو جاتی ہے۔ بھری دیگ سے محض ایک لقمہ چکھنے کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ اس میں نمک کڑوا ہے یا زہر کی آمیزش ہے تو باقی دیگ کے بارے میں آپ سے آپ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وہ پھینک دینے کے لائق ہے۔ اس معروف قاعدے کے تحت ہمیں یہ کہنے کا حق تھا کہ میاں صاحب کی قابلیت اور ہوشمندی اور دیانت کے جو نمونے ہم نے پیش کئے ان کے بعد ضرورت ہی نہیں کہ ماباقی کتاب پر نقد کیا جائے۔ وہ تو آپ سے آپ ردّی قرار پائی۔

مگر ہم ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس سے بعض حضرات کو اس بدگمانی کا موقع ملے گا کہ کتاب کے کچھ نہ کچھ اعتراضات درست بھی ہوں گے اور عامر عثمانی نے ان سے جان چھڑانے کے لئے یہ خوردہ گیری کی ہے۔ ایسی بدگمانی کا دروازہ بند کرنے کے لئے ہم میاں صاحب کے ہر قابلِ ذکر

اعتراض اور الزام کا بھرپور جائزہ لیں گے اور وہ علمی مواد پیش کریں گے جو میاں صاحب کی نظر سے یا تو کبھی گذرا نہیں یا گذرا ہے تو طاقِ نسیان میں پہنچ چکا ہے۔

محترم جج مولانا دریابادی سے بھی التماس ہے کہ وہ ہماری بحث کو نہ صرف اس لئے توجہ سے پڑھیں کہ انھیں فیصلہ دینا ہے بلکہ اس لئے بھی پڑھیں کہ ممکن ہے یہ بندۂ ناچیز اللہ کی مدد اور توفیق سے علمائے سلف کے بعض ایسے ارشادات اور معارفِ علمیہ پیش کر سکے جن تک ممدوح کی نظر نہ پہنچی ہو یا کبھی پہنچی ہو تو اب وہ مستحضر نہ رہے ہوں واللہ المعین۔

ولید بن عقبہ رضؓ

کتاب کے ابتدائی چند صفحات میں میاں صاحب نے مودودی پر ردّ و قدح کرتے ہوئے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کچھ گل افشانیاں کی ہیں اور ایسے ایسے نوادرات ان کے قلم سے نکلے ہیں کہ چودہ سو سالوں کے کسی مستند عالمِ دین اور فقیہِ اسلام کو ان کا تصور بھی نہ آیا ہوگا۔ ہم اس موضوع پر بہت شرح و بسط سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس لئے اسے مؤخر کر کے ان اعتراضات کا جائزہ پہلے لے لیں جن سے میاں صاحب کے علم و فہم کا مکمل نقشہ اور دیانت و امانت کا سارا سرمایہ منظرِ عام پر آجائے۔

ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مودودی نے تو اپنے دل سے ایک نظریہ گھڑ کر تاریخی روایات اس کے مطابق ڈھونڈ لی ہیں اور میں نے یہ عمل کیا ہے کہ کتبِ تاریخ میں جو واقعات آئے ہیں انھیں بلا کم و کاست بیان کردوں اور نتیجہ وہ اخذ کروں جو خود یہ واقعات اپنی زبان سے بیان کریں۔ (ص۲۴)

اس دعوے کو خوب ذہن نشین کر لیجئے اور اب آئیے ولید بن عقبہ سے بحث کا آغاز کریں۔

ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ کے اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو جو اعتراضات تھے ان میں یہ اعتراض بھی شامل تھا کہ انھوں نے ولید بن عقبہ جیسے شخص کو آگے بڑھایا۔ عزت دی۔ حضرت سعدؓ جیسے صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید کو کوفے کا گورنر بنایا وغیرہ۔

مولانا مودودی نے یہ واضح کرنے کے لئے کہ ولید جیسے حضرات کو آگے بڑھانے پر لوگ خفا کیوں تھے درج ذیل عبارت لکھی ہے جسے ہم پورے کا پورا نقل کرتے ہیں (واضح رہے کہ ہم نے "خلافت و ملوکیت" کا پاکستانی نسخہ سامنے رکھا ہے کیونکہ میاں صاحب نے بھی حوالے اسی سے دیئے ہیں)۔

"مثال کے طور پر ولید بن عقبہ کے معاملے کو لیجئے۔ یہ صاحب بھی فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی المصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ مگر یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے اور ان لوگوں سے ملے بغیر مدینے واپس جا کر انھوں نے یہ رپورٹ دیدی کہ بنی المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے مار ڈالنے پر تُل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غضب ناک ہوئے اور آپؐ نے اُن کے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کر دی۔ قریب تھا کہ ایک سخت حادثہ پیش آجاتا، لیکن بنی المصطلق کے سرداروں کو بروقت علم ہو گیا اور انھوں نے مدینہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں، ہم تو منتظر ہی رہے کہ کوئی آکر ہم سے زکوٰۃ وصول کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمھارے پاس کوئی

فاسق آکر کوئی خبر دے تو تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ)۔ (الحجرات۔۶) اس کے چند سال بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ان کو پھر خدمت کا موقع دیا اور حضرت عمرؓ کے آخر زمانے میں وہ الجزیرہ کے عرب علاقے پر جہاں بنی تغلب رہتے تھے عامل مقرر کئے گئے[۹۹] ۲۵ھ میں اس چھوٹے سے منصب سے اٹھا کر حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی جگہ کوفہ جیسے بڑے اور اہم صوبے کا گورنر بنا دیا۔ وہاں یہ راز فاش ہوا کہ یہ شراب نوشی کے عادی ہیں، حتیٰ کہ ایک روز انھوں نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا "اور پڑھاؤں؟"[۱۰۰] اس واقعہ کی شکایات مدینے تک پہنچیں اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہونے لگا۔ آخر کار حضرت مِسْوَر بن مَخْرَمہ اور عبدالرحمٰن بن اَسْوَد نے حضرت عثمانؓ کے بھانجے عبیداللہ بن عَدِی بن خیار سے کہا کہ تم جا کر اپنے ماموں صاحب سے بات کرو اور انھیں بتاؤ کہ ان کے بھائی ولید بن عُقبہ کے معاملے میں لوگ ان کے طرزِ عمل پر بہت اعتراض کر رہے ہیں۔ انھوں نے جب اس معاملے کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ ولید پر حد جاری کرنا آپ کے لئے ضروری ہے تو حضرت عثمانؓ نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس معاملے میں انشاء اللہ حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صحابہؓ کے مجمع عام میں ولید پر مقدمہ قائم کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے اپنے آزاد کردہ غلام حُمران نے گواہی دی کہ ولید نے شراب پی تھی۔ ایک دوسرے گواہ صَعب بن جُثّامہ (یا جُثّامہ بن صَعب) نے شہادت دی کہ ولید نے ان کے سامنے شراب کی قے کی تھی۔ (ان کے علاوہ چار اور گواہ ابوزینب، ابومورّع، جُندُب بن زُہیر الازدی اور سعد بن مالک الاشعری بھی ابن حجر کے بیان کے مطابق پیش ہوئے تھے اور انھوں نے بھی جرم کی تصدیق کی تھی) تب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ولید پر حد قائم کریں۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفر کو اس کام پر مامور کیا اور انھوں نے ولید کو چالیس کوڑے لگائے[۱۰۱]۔"

یہ ہے وہ مکمل تحریر جو ولید بن عقبہ کے سلسلے میں لکھی گئی ہے۔ اب میاں صاحب کی تعریضات ملاحظہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

> "مودودی صاحب نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں زورِ قلم صرف کیا ہے۔" ص۳۵

"زورِ قلم صرف کرنا" اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جب مغز اور مواد تو کم ہو لفاظی اور حاشیہ آرائی زیادہ۔ گویا میاں صاحب دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ ولید کے سلسلے میں جو کچھ مودودی نے لکھا ہے اس میں واقعیت تو برائے نام ہے بس خامہ فرسائی، چرب زبانی اور منہ زوری سے عبارت کو طول دیا گیا ہے۔

اس کے بعد وہ ولید کی مدح کرتے ہوئے یہ مبالغہ آمیز دعویٰ فرماتے ہیں:۔

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے ان کو خدمات اسلام کے لئے خاص طور پر منتخب فرمالیا تھا۔" ص۳۵

اس دعوے کو مبالغہ آمیز ہم نے اس لئے کہا ہے کہ یہ صورت واقعہ کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے۔ انھوں نے حوالہ بھی کوئی نہیں دیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے وہی واقعہ ذکر کیا ہے جسے مودودی صاحب نے بیان کیا۔ یعنی ولید کے بنی مصطلق کی طرف بھیجے جانے اور غلط بیانی کرنے کا۔ مگر کس طرح :-

"......... ولید بن عقبہ قبیلے تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ بقول راوی کسی شیطان نے ان سے کہدیا کہ وہ لوگ آپ کے قتل کی تیاری کر رہے ہیں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو جو شبہ تھا اب اس نے یقین کا درجہ حاصل کر لیا اور یہ اس خبر کے سنتے ہی واپس ہو گئے۔ تحقیق کرنے کا موقع بھی نہیں تھا اور انھوں نے تحقیق کی کوشش بھی نہیں کی اور واپس پہنچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا کہ وہ لوگ تو قتل کی تیاری کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افسوس ہوا اور آپ نے اہل قبیلہ کے لئے تادیبی کارروائی کا ارادہ کر لیا۔" (طبرانی وبغوی بحوالہ تفسیر مظہری تفسیر سورہ حجرات)"

گویا میاں صاحب کے نزدیک صحیح اور قابل اعتماد بات یوں ہے کہ ولید نے آپ سے آپ یہ غلط بیانی نہیں کر دی تھی کہ قبیلے والے آمادۂ قتل ہیں بلکہ کسی اور شخص نے انھیں ورغلا دیا تھا۔

اب اس صورت میں الجھن یہ باقی رہ جاتی تھی کہ آخر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ولید کو فاسق کیوں کہا۔ تو اس کا بھی حل میاں صاحب نے حاشیے میں یہ پیش کیا :-

" اس طرح کے واقعات کے متعلق وحی الٰہی نے مسلمانوں کو تعلیم دی ان جاء کم فاسق بنبأ (سورۂ حجرات رکوع ۱) اگر کوئی فاسق ناقابل اعتماد شخص تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو پہلے تحقیق کر لو۔ بظاہر حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ بلا تحقیق ایسے شخص کی خبر سے متاثر ہو کر واپس چلے گئے تھے جس کو راوی نے شیطان کہا ہے۔" ص ۳۶۔

گویا قرآن میں یا ایھا الذین آمنوا الآیۃ کا روئے سخن خود ولید کی طرف ہے اور فاسق کہہ کر ولید کی نہیں بلکہ اس شخص کی مذمت کی گئی ہے جس نے ولید کو بہکا دیا تھا۔

ابھی مودودی کی گھڑنت اور میاں صاحب کی اپنی صداقت بیانی کا دعویٰ آپ پڑھ ہی چکے۔ اس کی رو سے صورتِ حال یوں ہونی چاہئے کہ جو کچھ مودودی نے ولید کے بارے میں صراحتیں کی ہیں وہ تو ان کی اپنی دماغی اختراع ہوں اور مستند کتابوں میں ان کی تائید و تصویب ہرگز موجود نہ ہو لیکن جو صراحت میاں صاحب نے فرمائی وہ مستند روایات سے صاف ثابت ہو رہی ہو اور مستند علماء اسی کے مؤید ہوں۔

لیکن افسوس ہے کہ معاملہ فی الواقع بالکل اُلٹا ہے اور ہم آپ کو دکھلاتے ہیں کہ میاں صاحب نے "الٹی گنگا بہانے" کا کتنا شاندار ریکارڈ قائم کیا ہے۔

سب سے پہلے اسی حوالے کا جائزہ لیجئے جو میاں صاحب نے حوالۂ قلم فرمایا ہے یعنی تفسیر مظہری۔ (عوام کو شاید غلط فہمی ہو کہ حوالہ تو طبرانی وبغوی کا بھی دیا گیا ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ طبرانی وبغوی کا حوالہ تو صاحب تفسیر مظہری نے دیا ہے اور میاں صاحب نے ان کا نام تفسیر مظہری کے حوالہ سے لے دیا ہے)۔

تفسیر مظہری جلد ۹ تفسیر سورۃ الحجرات۔ آیت اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ الآیہ ص ۴۵ کھولیئے۔ صاحب تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ صاحب پہلے وہی واقعہ بیان کرتے ہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی ولید راستے ہی سے لوٹ آئے اور آکر حضورؐ سے کہدیا کہ بنی مصطلق کے نمائندے حارث نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس کے بعد مذکورہ آیت دے کر فرمایا ہے کہ طبرانی نے مکمل سند کے ساتھ اور ابن جریر نے بھی مع سند ایسا ہی بیان کیا ہے۔ پھر وہ علامہ بغوی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ :-

إنَّ الآيةَ نَزَلَتْ فِي وليدِ بنِ عقبةَ بنِ أبي مُعيطٍ بَعَثَهُ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلى بني المُصطلقِ مُصدِّقًا وَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ عَدَاوَةٌ فِي الجاهليةِ فلما سَمِعَ القومُ تَلَقَّوْهُ تعظيمًا لأمرِ رسولِ اللهِ صلعم فحدَّثه الشيطانُ أنهم يريدون قتلَهُ فهابَهُمْ فرجعَ مِنَ الطريقِ إلى رسولِ اللهِ صلعم وقال إنَّ بني المصطلقِ قد مَنَعُوا صدقاتِهم وأرادوا قتلي۔۔۔۔

یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہؐ نے انھیں قبیلہ بنی مصطلق کی طرف صدقات وصول کرنے بھیجا اور صورتِ حال یہ تھی کہ ولید اور اس قبیلے کے مابین زمانۂ جاہلیت میں دشمنی پائی جاتی تھی۔ پس قبیلے والوں نے جب سُنا کہ ولید آ رہے ہیں تو وہ ان کے استقبال کو نکلے کیونکہ ولید پیغمبر کے فرستادہ تھے۔ ولید نے جو دور سے انھیں دیکھا تو خوف زدہ ہوگئے۔ شیطان نے ان کے دل میں یہ گمان ڈالا کہ یہ لوگ تجھے قتل کرنے آ رہے ہیں۔ بس یہ گمان پیدا ہوتے ہی وہ راستے سے لوٹ گئے اور حضورؐ سے آکر بیان کیا کہ بنی مصطلق نے تو صدقات کی ادائگی سے انکار کر دیا ہے اور وہ تو میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔

علماء و فضلاء نہیں بلکہ ہدایت النحو اور کافیہ پڑھنے والے طلباء ہی ملاحظہ فرمالیں کہ جس فقرے پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے یعنی فحدّثہ الشیطان دنیا میں کون عربی کی شُد بُد رکھنے والے اس کا یہ مطلب لے سکتا کہ "ان سے کسی شیطان نے کہہ دیا" ــــــ "کسی" کا اضافہ کرکے میاں صاحب نے شیطان کو "آدم زاد" میں تبدیل کرنے کا جو آرٹ دکھلایا ہے خدا کے لئے ارباب علم بتائیں کہ اسے جہالت کہا جائے، حماقت کہا جائے یا صریح بددیانتی سے تعبیر کیا جائے۔ دور نہ جائیے قرآن اور بخاری و مسلم میں بے شمار ایسی نصوص موجود ہیں جن میں تحدیث شیطانی کا ذکر آیا ہے۔ کیا وہاں کوئی "آدم زاد" مراد ہے۔

حضورؐ فرمایا کرتے تھے اَلتَّثَبُّتُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ (استقلال و تحمل اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے) کیا اس سے مراد آدم زاد ہوا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فتویٰ دیتے ہوئے کہا کرتے تھے إن أخطأتُ فمِنَ الشيطانِ (اگر میں غلطی کر جاؤں تو اسے شیطان کی طرف سے سمجھو) کیا ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ میرا جو فتویٰ مبنی بر خطا ہو اسے میرا نہیں بلکہ ایک اور شخص کا سمجھو جو بہت شیطان ہے!

طلبائے عزیز! آپ مدرسوں میں تفسیر جلالین تو پڑھتے ہی ہیں۔ بعید نہیں اس تفسیر کے مشہور حواشی بھی آپ کی نظر سے گذرے ہوں۔ الجمل اور الرادی دونوں میں یہ روایت اور فحدّثہ الشیطان کے الفاظ موجود ہیں۔ اپنے اساتذہ سے پوچھئے کیا اس کا ترجمہ کسی بھی قاعدے سے "کسی شیطان" ہو سکتا ہے۔ یہ تو بدترین جہالت یا پھر شرارت کے سوا کچھ نہیں۔

اُردو میں ہی آئے دن ہم آپ بولتے ہیں کہ فلاں شخص شیطان کے بہکائے میں آگیا۔ اس کا مطلب ظاہر و باہر ہے۔ اگر شیطان کا لفظ بطور استعارہ بولا جائے تو لازماً اس کے ساتھ ایسا کوئی لفظ آتا ہے جو معنیٔ مجازی کا قرینہ بن جائے۔ مثلاً زید کو ایک شیطان آدمی نے بہکا دیا۔

پھر اسی تفسیر مظہری کی وضاحت کو ذرا آگے بھی تو دیکھئے۔ قاضی صاحب علامہ بغوی کی زبان میں یہی ولید والا واقعہ بیان کرکے کہتے ہیں "فانزل اللّٰه تعالىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ يعني الوليد" (پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ اے اہلِ ایمان جب تمھارے پاس کوئی فاسق آئے یعنی ولید)

گویا علامہ بغوی نے صریح طور پر قرآن کے لفظ فاسق کا مصداق ولید کو قرار دیا اور قاضی صاحب نے بھی تائیداً اسے نقل کیا۔ میاں صاحب کھلی آنکھوں سے تفسیر مظہری دیکھ رہے ہیں لیکن یہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اگر ولید کو کسی اور جھوٹے نے بہکایا ہوتا تو فاسق ولید

کہ کیوں کہا جاتا۔ ہمارا خیال ہے سمجھ میں تو آرہا ہے مگر وہ چونکہ مودودی دشمنی میں بے ایمانی اور حق پوشی کو کارِ ثواب خیال کئے ہوئے ہیں اس لئے جان بوجھ کر غلط ترجمہ اور غلط تفسیر فرما رہے ہیں۔

محترم جج اور قارئینِ کرام یہ نہ سمجھیں کہ بات صرف تفسیر طبری تک رہ گئی۔ ابھی تو ہم بیسیوں حوالے دیں گے اور دکھائیں گے کہ مودودی نے جو کچھ ولید بن عقبہ کے بارے میں لکھا اس میں زورِ قلم کی کوئی آمیزش نہیں، بلکہ اس کی سطر سطر ایسی روایات پر مبنی ہے جنھیں کثیر علمائے سلف وخلف نے معتبر قرار دیا ہے۔ البتہ خود میاں صاحب جو گھڑنت فرما رہے ہیں وہ ایسی ہے کہ اس کی تائید میں ایک بھی حوالہ وہ پیش نہیں کرسکتے اور آیت کے شانِ نزول میں جو جدت طرازی انھوں نے فرمائی ہے وہ تحریف اور زندقہ کے دائرے کی چیز ہے کیونکہ تمام مستند مفسرین اس کے خلاف قول کر رہے ہیں۔

تفسیر ابن جریر الطبری

میاں صاحب نے اپنی کتاب میں جو روایات بیان فرمائی ہیں وہ کم وبیش نوّے فیصدی طبری کے حوالے سے بیان فرمائی ہیں۔ مگر ان بزرگوار کو اتنی توفیق نہیں ہوسکی کہ طبری کی تفسیر تو اٹھا کر دیکھ لیں۔ اہلِ علم کو معلوم ہے کہ طبری کی تفسیر بہترین تفاسیر میں گنی جاتی ہے۔ کسی معتبر شہادۃ کی ضرورت ہو تو علامہ سیوطیؒ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیے کہ:۔

"امام ابو جعفر بن جریر طبری کی تفسیر بہت مستند ہے جس کے بارے میں علما متفق ہیں کہ فنِ تفسیر میں اس جیسی مرتب ومنظم تفسیر کوئی نہیں۔ امام نوویؒ نے اپنی کتاب "تہذیب" میں کہا ہے کہ ابن جریرؒ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ کسی نے بھی اس کے مانند کتاب تصنیف نہیں کی۔"

(الاتقان فی علوم القرآن للسیوطیؒ۔ جلد دوم۔ نوع ۸۰ الطبقات المفسرین۔ طبع بالمطبعۃ الازہریہ بمصر۔ الطبعۃ الثانیہ

ہمارے سامنے تفسیر ابن جریر کا المطبعۃ المیمنۃ (مصر) کا شائع کردہ نسخہ ہے۔ علامہ طبریؒ اسی واقعے کو پانچ مختلف سندوں سے بیان فرماتے ہیں اور وہاں خبر سے حدثہ الشیطان کا لفظ بھی نہیں ہے جس سے میاں صاحب دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے تو یہی کہا ہے کہ ولید ڈر گئے اور راستے سے لوٹ آئے پھر حضورؐ سے دروغ گوئی کی۔

شانِ نزول کے سلسلے میں بھی ان کے الفاظ کتنے صاف ہیں۔ ان جاءکم فاسقٌ بنباءٍ حتّی بلغ بجھالۃ وھو ابن ابی معیط الولید بن عقبہ (اگر آئے تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر ۔۔۔ اور وہ ابن ابی معیط ولید بن عقبہ ہے)۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ اسناد منقطع نہیں ہیں بلکہ صحابی سے ان کا سلسلہ جا ملتا ہے۔ مثلاً پہلی ہی سند ہے۔ حدثنی محمد بن سعد قال حدثنی ابی قال حدثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباسؓ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ ہے چنانچہ آگے ہم تفسیر ابن عباسؓ کا بھی متن پیش کریں گے۔

تفسیر حقّانی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید عربی آخذ کھنگالنے سے قبل چند اردو تفاسیر کی شہادتیں پیش کردیں تاکہ عربی نہ جاننے والے قارئین مکمل طور پر مطمئن ہوجائیں کہ عربی تراجم ٹھیک کئے جارہے ہیں میاں صاحب جیسا گھپلا نہیں کیا جارہا ہے۔

فخر المفسرین علامہ ابو محمد عبد الحق حقّانیؒ کی مشہور تفسیر عام طور پر دستیاب ہے اسے کھولئے۔ پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات۔ یاایھا الذین آمنوان جاءکم فاسقٌ کے ذیل میں کہا گیا:۔

"امام احمدؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حارث بن ضرارؓ خزاعی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ پر متعین کرکے اس کی قوم میں بھیجا آبان نے اس میں خلل اندازی کردی تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید

بن عقبہ کو وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے آکر جھوٹ موٹ کہدیا کہ حارث مقابلے میں آیا اور مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہوگیا۔"

(تفسیر حقانی۔ پارہ ۲۶۔ صفحہ ۴۵۔ شائع کردہ :۔ کتب خانہ نعیمیہ۔ دیوبند)

تفسیر بیان القرآن

مولانا اشرف علیؒ کی یہ تفسیر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حکیم الامتؒ آیت مذکورہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہوئے یہی ولید والا قصہ لکھتے ہیں :۔

"ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ بارادہ قتل آئے ہیں واپس جاکر اپنے خیال کے موافق کہدیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہوگئے۔" (بیان القرآن۔ شائع کردہ :۔ ادارہ ہادی۔ دیوبند)۔

یعنی دونوں تفسیروں میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے میاں صاحب کے اس من گھڑت افسانے کی تائید ہوسکے کہ ولید کو کسی اور نے بہکا دیا تھا اور "اسی" اور "کو فاسق کہا گیا ہے۔

ویسے یہ بات ہم نہیں چھپائیں گے کہ آیت کو ولید ہی کے بارے میں مانتے ہوئے بھی حکیم الامتؒ نے یہ فرمایا ہے کہ

"باوجودیکہ وہ محکوم علیہ بالفسق نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کی۔"

یعنی حضرت حکیم الامتؒ پسند نہیں کرتے کہ ایک صحابی کو "فاسق" کہا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ مولانا مودودی نے بھی براہِ راست ولید کے لئے فاسق کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ لہذا یہ بحث ہی غیر متعلق ہے کہ ولید پر فاسق کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔ ویسے یہ آپ دیکھ ہی چکے کہ علامہ بغویؒ اور بعض اور علماء نے "فاسق" کی تفسیر میں "یعنی الولید" ہی لکھا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ جب ولید کے بارے میں اس آیت کا نزول متفق علیہ ہے تو کوئی راہِ فرار اس سے نہیں ہے کہ کم سے کم اس واقعے کی حد تک ولید کو فاسق مان لیا جائے ورنہ مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی اصلاح دے رہے ہیں۔

دراصل حکیم الامتؒ نے لفظ فاسق کے عام اردو استعمال کا لحاظ کرکے یہ بات کہی کہ ولید محکوم بالفسق نہیں ہے۔ اردو میں فاسق بہت ہی گھناؤنے مفہوم میں بولا جانے لگا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں چند مقامات کو چھوڑ کر باقی سب جگہ یہ لفظ "جھوٹے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم متعدد آیات پیش کرتے لیکن طول سے بچنے کے لئے صرف ایک شہادہ علامہ سیوطیؒ کی حوالۂ قلم کرتے ہیں۔

الاتقان فی علوم القرآن جلد اوّل میں ابوزریہ کے حوالے سے کہا گیا ہے :۔

"کل شیئ فی القرآن فاسق فھو کاذب اِلّا قلیلاً (معدودے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جتنی جگہ لفظ فاسق قرآن میں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے "کاذب" (یعنی جھوٹا)

(النوع التاسع والثلاثون فی معرفۃ الوجوہ والنظائر۔ مطبع مجوّلہ سابقہ)۔

امام راغبؒ نے — جو لغات قرآنیہ کے امام سمجھے جاتے ہیں، فرمایا ہے :۔

"والفسق اعم من الکفر ویقع بالقلیل من الذنوب وبالکثیر ولکن تعورف فیما کانت کثیرۃ۔ (اور لفظ فسق لفظ کفر سے زیادہ عام ہے۔ اس کا اطلاق کم گناہوں پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ گناہوں پر بھی لیکن شہرت اس کی زیادہ ہی گناہوں کے لئے ہوگئی ہے۔"

(تفسیر روح المعانی۔ پارہ ۲۶)

خلاصہ یہ نکلا کہ فاسق چونکہ اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ "کاذب" کے ہم معنی بولا ہے اس لئے اس آیت میں ولید بن عقبہ کو فاسق کہنا غیر معمولی بات نہیں کیونکہ انکا کذب تو بہر حال متفق علیہ ہے۔ لغتہً بھی یہ گنجائش امام راغبؒ کی تصریح نے دیدی کہ اس آیت کی حد تک ولید کو محکوم بالفسق مان لیا جائے خصوصاً جب ولید کا یہ جھوٹ اپنے

ممکنہ نتائج کے لحاظ سے انتہائی خطرناک تھا تو کمّی لحاظ سے ذنبِ قلیل ہونے کے باوجود کیفاً اور حکماً ذنبِ کثیر سے کم نہیں۔ پھر ذنبِ قلیل ہی مان لیجئے تو امام راغب بتا ہی رہے ہیں کہ ذنبِ قلیل پر بھی فسق کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

تفسیر روح المعانی

علامہ آلوسیؒ کی یہ تفسیر مشہور و متداول ہے۔ اس میں بھی یہ کہنے کے بعد کہ :-

"الولید ابن عقبہ بن ابی معیط وھو اخو عثمان رضی اللہ عنہ لأمّہ" (ولید جو حضرت عثمان کا ماں شریک بھائی تھا)۔

وہی مسلّمہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ولید نے محض اپنے گمان کی بنا پر غلط بیانی کی۔

(ہمارے سامنے روح المعانی کا جو نسخہ ہے اس کی لوح پھٹ چکی ہے۔ مطبع کا پتہ نہیں چلتا کسی بھی مطبع کے کوئی سے بھی ایڈیشن سے ہماری نقل کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ پارہ ۲۶۔ تفسیر سورۂ حجرات)

تفسیر ابن عباسؓ

علامہ سیوطی کی تفسیر الدر المنثور کے حاشیے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں ٹھیک وہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کا ذکر چل رہا ہے۔ ولید کے بارے میں ان کے الفاظ یہ ہیں :-

"فرجع من الطریق وجاء بخبر قبیح وقال انّھم ارادوا قتلی فاراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ ان یغزوھم فنھاھم اللہ عن ذٰلک فقال (یا ایّھا الّذین آمنوا) محمد علیہ السلام والقرآن (ان جاءکم فاسق) منافق الولید بن عقبۃ (بنبإ)" (پس ولید راستے ہی سے لوٹ آیا اور ایک قبیح خبر ساتھ لایا یعنی حضورؐ سے کہا کہ وہ لوگ تو مجھے قتل کر دینا چاہتے تھے۔ پس حضورؐ اور ان کے ساتھیوں نے بنی مصطلق سے لڑائی کا ارادہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کہکر روکا کہ اے وہ لوگو جو محمد اور قرآن پر ایمان لائے ہو اگر تمہارے پاس فاسق، منافق ولید بن عقبہ خبر لے کر آئے الخ)۔

دیکھا آپ نے ابن عباسؓ نے فاسق کے ساتھ منافق بھی کہہ ڈالا۔ عام اصطلاحی اعتبار سے نہ سہی لیکن لغوی اعتبار سے ولید کی یہ غلط گوئی نفاق ہی کے مرادف تھی۔

تفسیر ابن کثیر

معلوم ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ کی یہ تفسیر دنیا کی معروف ترین تفسیروں میں ہے۔ ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے جسے تفسیر فتح البیان کے حاشیے پر چھاپا گیا ہے۔ (الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الکبریٰ المیریۃ ببولاق مصر المحمیۃ سنہ ۱۳۰۱ھ)

ابن کثیر نے اکثر مفسرین کے حوالے سے وہی واقعہ بیان کیا۔ پھر طبرانی کے حوالے سے یہ وضاحت کی کہ ولید ڈر گئے تھے ڈر کی بنا پر حضورؐ سے غلط بیانی کی اور قریب تھا کہ نتائج خراب نکلیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اِن جاءکم فاسق۔ مزید وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ ولید ہی کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا قتادہ، ابن ابی لیلیٰ، یزید بن رومان، ضحاک، مقاتل بن حیان وغیرہ کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

تفسیر فتح البیان

صدیق بن حسن القنوجی البخاری کی یہ تفسیر بھی غیر معروف نہیں (اس کے ایڈیشن کا پورا حوالہ ابھی ہم نے تفسیر ابن کثیر کے ذیل میں دیا)۔ فرمایا گیا :-

"قال المفسرون ان ھذہ الآیۃ نزلت فی الولید بن عقبۃ بن ابی معیط (مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے)۔"

پھر وہ کہتے ہیں:—

"اخرجہ احمد وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مندویہ وابن مردویہ والسیوطی بسند جید (اس روایت کی تخریج کی ہے احمد اور ابن ابی حاتم اور طبرانی اور ابن مندویہ اور ابن مردویہ اور سیوطی نے عمدہ سند کے ساتھ)"

پھر تصریح کرتے ہیں کہ ——" قال ابن کثیر ھذا من احسن ما رُوِیَ بسببِ نزولِ الآیۃ وقد رُوِیَت رِوایاتٌ کثیرۃٌ متفقۃٌ علٰی انّہ سببُ نزولِ الآیۃِ (ابن کثیر نے کہا ہے کہ آیت اذا جاءکم فاسق کی شانِ نزول کے سلسلے میں جو کچھ روایت ہوا ہے اس میں یہی روایت سب سے بہتر ہے اور ایسی بہت روایتیں بیان ہوئی ہیں جو اس مضمون پر متفق ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب ولید کی دروغ گوئی تھی)۔

تفسیر کبیر

امام رازیؒ کی اس شہرۂ آفاق تفسیر کا وہ نسخہ ہمارے سامنے ہے جو المطبعۃ العامرۃ الشرفیہ نے سنہ ۱۳۲۴ھ میں چھاپا تھا۔

امام رازیؒ بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں کہ آیت ولید کے بارے میں نازل ہوئی البتہ وہ ولید کی صفائی میں یہ ضرور کہتے ہیں کہ انھوں نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ انھیں غلط فہمی ہوئی۔ (یہ گھڑنت وہ بھی نہیں کرتے کہ ولید کو کسی "شیطان" نے بہکا دیا تھا اور آیت میں اسی شیطان کو فاسق کہا گیا ہے نہ کہ ولید کو) ہم کہتے ہیں کہ مولانا مودودی نے بھی تو یہ نہیں کہا کہ انھوں نے بلا وجہ فتنہ پردازی کے ارادے سے جھوٹ بول دیا تھا بلکہ جملہ روایاتِ صحیحہ کے مطابق یہی کہا کہ وہ ڈر گئے تھے ظاہر ہے اس کا مطلب غلط فہمی ہی ہوا۔ صحیح طور پر وہ صورتِ حال کو سمجھ لیتے تو ڈرتے ہی کیوں نبی مصطفےٰ والے توان کے استقبال واکرام کو آئے تھے نہ کہ بُرے ارادے سے۔

لیکن یہ آپ کے سامنے ہی ہے کہ غلط فہمی کی بنا پر ایک رپورٹ پیش کر دینے کو اللہ نے "فسق" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولید اگر حضورؐ سے یہ ظاہر کر دیتے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے گمان اور اندازے سے کہہ رہا ہوں تب اس پر غلط بیانی کا اطلاق نہ ہوتا لیکن انھوں نے تو پورے وثوق کے ساتھ کہہ دیا کہ وہ لوگ تو مرتد ہو گئے۔ زکوٰۃ نہیں دیتے مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ تھا۔ اسی کی تصدیق آیت کے لفظ "فاسق" نے کر دی۔ اب کیا ہم اللہ سے زیادہ منصف بننے کی کوشش کریں گے۔

تفسیر ابن السّعود

اسی تفسیر کبیر کے حاشیے پر علامہ ابن السعودؒ کی بھی تفسیر ہے۔ وہ بھی اسی روایت کی تائید کرتے ہیں

تفسیر خازن

آٹھویں صدی ہجری کی یہ تفسیر جلیل القدر تفاسیر میں سمجھی گئی ہے۔ یہ بھی یہی سب کہتی ہے اس میں جوں کے توں وہی الفاظ ملتے ہیں جو امام بغویؒ نے سپردِ قلم کئے ہیں۔

تفسیر فتح القدیر

نیل الاوطار کے شہرۂ آفاق مصنف علامہ شوکانیؒ کی اس تفسیر میں بھی دوسروں سے مختلف کوئی بات نہیں ملتی — ان کی روایت میں ولید کے الفاظ یہ ہیں۔ ان الحارث منعنی الزکوٰۃ واراد قتلی (حارث نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا اور مجھے مار ڈالنا چاہا)۔

تفسیر بیضاوی

یہ تو ہمارے موجودہ مدارس عربیہ میں داخل نصاب بھی ہے۔ اٹھا کر دیکھ لیجئے وہی واقعہ۔ وہی شانِ نزول۔ اس میں ولید کا قول یوں ہے۔ قد ارتدوا ومنعوا الزکوٰۃ (وہ لوگ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ کی ادائگی سے انکار کیا)۔

حاشیۃ الصاوی علی الجلالین

وہی حدثنا الشیطان والی روایت یہاں بھی ہے لیکن جو مضحکہ خیز معنی میاں صاحب نے اس کے نکالے ہیں ان کی تردید بھی موجود ہے۔ اس طرح کہ انھوں نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ ولید تو ایک صحابی تھے پھر ان کو فاسق اللہ نے کیوں کہا۔ جواب یہ ہے۔ وقع من الولید توھم وظن فترتب علیہ الخطاء وانما سماہ اللہ فسقاً تنفیراً عن ھذا الفعل وزجراً علیہ (ولید وہم و گمان کا شکار ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں ان سے قصور ہوا اور اسی قصور کا نام اللہ نے نفرت دلانے اور تنبیہ کرنے کی خاطر "فسق" رکھا)۔

یہاں ایک بار پھر ہماری وہ معروضات دیکھ لی جائیں جو ہم نے حکیم الامۃ مولانا اشرف علی رح کے ارشادات کے تعلق سے پیش کی تھیں۔ شیخ احمد الصاوی بھی یہی فرما رہے ہیں کہ "فاسق" ہر حال میں اسے ہی کہا جانا ضروری نہیں جو کبائر میں مبتلا ہو بلکہ تنبیہ و تنفیر کے لئے کسی ایک خطاء کے مرتکب کو بھی کہا جا سکتا ہے جب کہ وہ خطا اپنے مضمرات و عواقب کے اعتبار سے بہت خطرناک ہو۔

اب فیصلہ فرمایئے کہ اگر حدثنا الشیطان کا مطلب وہی ہوتا جو میاں صاحب نے گھڑا ہے تو شیخ احمد اس جواب دہی کے جھنجھٹ میں کیوں پڑتے۔ وہ تو میاں صاحب ہی کی طرح کہہ دیتے کہ فاسق تو اس شیطان کو کہا گیا ہے جس نے ولید کو بہکا دیا تھا نہ کہ ولید کو!

حاشیۃ الجمل علی الجلالین

آیت کے بارے میں یہ فرما کر کہ نزل فی الولید بن عقبۃ انھوں نے بھی وہی قصہ بیان کیا۔ پھر شیخ سلیمان الجمل کے اس حاشیہ پر شیخ عبد الرحمٰن الجزیری کی تعلیقات بھی ہیں۔ وہ بھی اس سے اختلاف نہیں کرتے۔ کریں کیسے واقعہ تو معلوم و ثابت ہے۔

فی ظلال القرآن

ناصر علیہا علیہ کے قتیل ستم سید قطب شہید کی یہ تفسیر دورِ حاضر کی عظیم تفسیروں کی صف میں ہے۔ دار العربیۃ۔ بیروت (لبنان) کا شائع کردہ چوتھا ایڈیشن ہمارے سامنے ہے۔ شہید علیہ الرحمہ کے الفاظ ہیں:۔ وقد ذکر کثیر من المفسرین ان ھذہ الآیۃ نزلت فی الولید بن عقبہ بن ابی معیط (مفسرین کی کثیر تعداد نے بیان کیا ہے کہ یہ (فاسق والی) آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں اتری ہے)

یہ کہنے کے بعد مرحوم وہی روایت دیتے ہیں جس کا ذکر چل رہا ہے۔ اتنا اضافہ اور ہے کہ مجاہد نے تو ولید کا قول یہ نقل کیا ہے ـــــ "اے اللہ کے رسول! بنی مصطلق والے تو آپ سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں"۔ اور قتادہ نے مزید یہ بیان کیا کہ ـــــ "اور وہ لوگ اسلام سے پھر گئے ہیں"۔

پھر مرحوم متعدد علمائے سلف کے نام گنواتے ہیں، جنھوں نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ آیت ولید کے بارے میں نازل ہوئی ہے مثلاً ابن ابی لیلیٰ۔ یزید ابن رومان۔ ضحاک۔ مقاتل۔ ابن حبان۔ کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ یہ جملہ حضرات اہل علم میں اعاظم رجال شمار ہوتے ہیں۔

تفسیر جامع البیان

ٹھیک وہی تفصیل جسے اہل علم و تحقیق کا انبوہ کثیر دہراتا چلا آ رہا ہے اس میں بھی دہرائی گئی ہے۔ فرجع من الطریق لخوف منھم للعداوۃ التی بینہ وبینھم فی الجاھلیۃ وقال انھم منعوا الصدقۃ وھموا بقتلی (ولید راستے ہی سے ڈر کر لوٹ آئے۔ ڈر کی وجہ وہ عداوت تھی جو ان کے اور بنی المصطلق کے مابین زمانہ جاہلیہ میں پائی جاتی تھی۔ حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کے درپے ہو گئے)۔

اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

عظیم و جلیل مفسرین کی شہادتوں کے بعد بعض اُن بزرگوں کی شہادتیں بھی سُن لیجئے جو فن اسماء الرجال کے ائمہ سمجھے جاتے ہیں اور جن کی کتابیں فن روایت کی بلند عمارت کا ستون ہیں۔

تاریخ ابن اثیر کو آفاق گیر شہرت نصیب ہوئی۔ "شواہد تقدس" میں بھی اس کے حوالے موجود ہیں۔ اس کے مدوّن ابوالحسن علی المعروف بہ ابن الاثیر کی اُسد الغابہ بھی شہرۂ زمانہ ہے۔ سنئے انھوں نے کیا فرمایا:-

لا خلاف بین اھل العلم بتأویل القرآن فیما عُلِمتُ انّ قولہٗ عزّ وجل اِن جاءکم فاسقٌ بنباءٍ اُنزلت فی الولید بن عقبۃ وذٰلک انّ رسول اللّٰہ بعثہٗ مصدقاً الیٰ بنی مصطلق الخ۔	تاویلِ قرآن کے علم سے واقف حضرات کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو معلوم ہو چکی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان جاءکم فاسقٌ الآیۃ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوا۔ رسول اللہؐ نے انھیں صدقات وصول کرنے بنی مصطلق کی طرف بھیجا تھا الخ

٭ ٭ ٭ ٭

آگے وہی تفصیل جو آپ سنتے آرہے ہیں۔ (اسد الغابہ مطبوعہ مصر۔ تجلی و ل)

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

اس کتابِ جلیل کے مُدوّن ابن عبد البر کا درجہ اہلِ علم میں بہت اونچا ہے۔ سلف و خلف میں انھیں معتمد سمجھا گیا ہے۔ وہی اطلاع جو ابھی اسد الغابہ سے آپ کو ملی (یعنی متذکرہ شانِ نزول پر اہلِ علم کا متفق ہونا) اس میں بھی موجود ہے پھر چند الفاظ کے فرق سے وہی تفصیل بھی جوں کی توں۔ فرق بس اتنا ہے کہ ابن اثیر کے الفاظ ہیں اخبرعنھم انھم ارتدوا ومنعوا الصدقۃ (ولید نے خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے اور صدقات کی ادائگی سے انکار کر دیا) اور ابن عبد البر کے الفاظ ہیں۔ انھم ارتدوا وابوا من اداء الصدقۃ (منعوا اور ابوا میں ایسا ہی فرق ہے جیسا تیغ اور تلوار میں)

اس کے بعد ابن عبد البر یہ بھی فرماتے ہیں ولہ اخبار فیھا نکارۃ وشناعۃ تقطع علیٰ سوء حالہ وقبح افعالہ غفر اللّٰہ لنا ولہ (ولید کے کردار سے متعلق متعدد ایسی اطلاعات ہیں جن میں کراہت اور برائی ہے وہ دلالت کرتی ہیں ولید کی بری حالت اور قبیح افعال پر اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی مغفرت کرے)۔

الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ

یہ ہیں امام الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی جن کی فتح الباری شرح بخاری علمائے حدیث کا سرمایۂ جاں ہے اور اسماء رجال کے فن میں جنھیں خاتم کا درجہ حاصل ہے (ہمارے سامنے مصر کے المطبعۃ الشرفیۃ کا وہ نسخہ ہے جو ۱۳۲۵ھ میں چھپا ہے۔ اس میں طباعتی فروگذاشت یہ ہے کہ و۔ ل کا عنوان چھوٹ گیا ہے اور ولید کا تعارف و۔ ث میں کرا دیا گیا ہے)

حافظ ابن حجرؒ بھی وہی ابن عبد البرؒ اور ابن اثیرؒ والی بات دہراتے ہیں اور مزید فرماتے ہیں — قُلتُ ھٰذہ القصۃ اخرجھا عبد الرزاق فی تفسیرہٖ عن معمر عن قتادۃؓ قال بعث رسول اللّٰہ الولید الخ (میں کہتا ہوں اس قصہ کی تخریج عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں معمر کے حوالے سے اور معمر نے صحابی رسولؐ حضرت قتادہؓ کے حوالے سے کی ہے حضرت قتادہؓ نے بیان کیا کہ بھیجا رسول اللہؐ نے ولید کو الیٰ آخرہ)

شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ

شارح بخاری علامہ قسطلانی کی المواھب اللدنیہ بھی شہرۂ آفاق کتب میں ہے۔ اور شیخ محمد ابن عبد الباقی الزرقانی ان گرامی قدر علماء میں ہیں جن کے ارشادات بڑے بڑے علماء اپنی علمی بحثوں میں بطور استناد پیش کرتے ہیں۔ ان کی شرح موطا امام مالک (الزرقانی علی الموطاء) اپنی نظیر آپ ہے اور المواھب اللدنیہ کو ان کی شرح سے چار چاند لگے ہیں۔ لطف دیکھئے کہ

مولانا محمد میاں صاحب نے جس فقرے حماقۃ الشیطان کا مُثلہ کیا ہے وہ علامہ قسطلانی نے بھی نقل کیا ہے مگر علامہ زرقانی نے ہاتھوں ہاتھ یہ بھی بتا دیا کہ ولید کے دل میں شیطانی وسوسہ کیوں آیا۔ عبارت ذرا طویل ہے اس لئے صرف ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ جسے شبہ ہو کہ ہم نے ترجمہ درست کیا یا نہیں اس کے لئے مفصّل حوالہ حاضر ہے — جلد ثالث صفحہ ۵۳۔

"ولید بن عقبہ بنی مصطلق کی طرف بھیجے گئے تاکہ زکوٰۃ وصول کریں اور حال یہ تھا کہ قبول اسلام سے قبل ولید اور بنی مصطلق کے درمیان عداوت چلتی رہی تھی۔ اب بنی مصطلق اسلام قبول کر چکے تھے اور انھوں نے مسجدیں بھی تعمیر کر لی تھیں جب انھوں نے سنا کہ رسول اللہؐ کے فرستادہ ولید قریب آگئے ہیں تو ان میں کے دس آدمی زکوٰۃ کے حصّے کی بکریاں اور جنس وغیرہ ساتھ لے کر خوش خوش نکلے تاکہ ادا کر دیں۔ نکلنے کے پیچھے اللہ اور رسولؐ کی تعظیم کا جذبہ تھا۔ (اور ابن عبد البر نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ وہ مسلح بھی تھے۔ زرقانی) ولید نے جو دور سے انھیں دیکھا تو ان کے دل میں شیطانی وسوسہ پیدا ہوا کہ معلوم ہوتا ہے یہ میرے قتل کا ارادہ کر کے نکلے ہیں (ایسا وسوسہ شیطانی ان کے دل میں ہتھیار دیکھ کر آیا حالانکہ ہتھیار ان لوگوں نے عسکری رسم و عادت کے مطابق محض شان و شکوہ کے اظہار میں لگائے تھے جس سے ولید خوف زدہ ہوگئے۔ زرقانی) بس پھر ان لوگوں سے ملے بغیر راستے ہی سے لوٹ گئے اور اٹکل پچّو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا سنایا کہ وہ لوگ تو لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب قریب تھا کہ حضورؐ اور صحابہؓ شدید غصّے میں بنی مصطلق پر حملہ آور ہو جائیں کہ اللہ کی طرف سے یہ آیت اتری یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسقٌ بنباءٍ الآیہ۔"

المنتقیٰ من منہاج الاعتدال

امام ابن تیمیہؒ کے علم و تبحر سے کون صاحبِ علم بے خبر ہے۔ انھیں اکثر حنفی علماء بھی شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ ان کی تالیف منہاج السنّۃ رفض و اعتزال کے رد میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کا اختصار ان کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ان کے مشہور شاگرد حافظ ذہبیؒ نے المنتقیٰ کے نام سے کیا۔ وہی ہمارے پیش نظر ہے[1]۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا موقف اس تالیف میں یہ ہے کہ روافض وغیرہ جتنے بھی اعتراضات صحابہؓ پر کرتے ہیں سب کا حتی الوسع رد فرمائیں۔ گویا وہ اہلِ سنت کی طرف سے صفائی کے وکیل بنے ہوئے ہیں کھلی بات ہے کہ ایسی پوزیشن میں وہ کسی بھی اعتراض اور طعن کو ہرگز قبول کرنے والے نہیں اگر ذرا بھی گنجائش اس کے رد کی مل سکے۔ تابقدرِ امکان انھوں نے ہر ہر طعن کا دفاع کیا ہے۔

مگر یہ آیت ان جاءکم فاسق کے شانِ نزول والا اعتراض انھیں بھی تسلیم کرنا ہی پڑا کیوں کہ علم و تحقیق کے رُخ سے کوئی ادنیٰ گنجائش اس سے انکار کی نہیں پا سکے تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:-

انہ استعمل الولید بن عقبۃ حتیٰ نزلت اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ الیٰ آخر الاٰیۃ (المنتقیٰ صفحہ ۳۸۲)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو عامل بنایا یہاں تک کہ یہ ان جاءکم والی آیت نازل ہوئی۔

✣ ✣ ✣ ✣

یعنی اللہ کے رسولؐ نے بے شک ولید بن عقبہ سے سرکاری کام لئے ہیں مگر اسی وقت تک جب تک یہ آیت نازل نہ ہوئی۔ آیت نازل ہونے کے بعد آپ نے ان سے رخ پھیر لیا اور کوئی کام نہ لیا۔

[1] المطبعۃ السلفیہ۔ بالروضۃ۔

یہاں غور فرمائیے کہ مکہ حضور کے ہاتھ پر رمضان ۸ھ میں فتح ہوا ہے۔ ولید اس کے بعد ایمان لائے پھر بنی مصطلق کی طرف بھیجے جانے اور آیت نازل ہونے کا واقعہ چند ہی ماہ بعد ۹ھ میں پیش آیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضور نے جو بھی تھوڑا سا سرکاری کام ان سے لیا بس ان چند ماہ میں لیا۔ خود میاں صاحب نے اسے ص۳۶ پر تسلیم فرمایا ہے۔ اس کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے ان کو خدماتِ اسلام کے لئے خاص طور پر منتخب فرمالیا تھا"

مبالغہ اور سخن سازی نہیں تو اور کیا ہے۔ مودودی کے تعصب نے انھیں بالکل ہی غیر سنجیدہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

تفسیر موضح القرآن

یہ حوالہ اردو تفاسیر کے ضمن میں آنا چاہیئے تھا لیکن اس وقت ہمیں موضح القرآن میسر نہ تھی ہمیں یاد تھا کہ صاحب موضح القرآن حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے بھی آیت کی شانِ نزول یہی تحریر فرمائی ہے لیکن ثبوت کے بغیر ہم کیسے ان کا حوالہ دیتے۔ اللہ کو منظور تھا کہ ان کا بھی حوالہ آئے۔ یہاں تک کتابت ہو چکی تھی کہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب موصوف کے ترجمہ و تفسیر والی وہ حمائل ہمیں بھیجدی جسے تاج کمپنی پاکستان نے چھاپا ہے اور اس کی نقلیں ہندوستان میں بھی چھپی ہیں۔

شاہ صاحب کو قرآن کے اردو ترجمے کا بانی و مبانی کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ ان کی عظمتِ شان اور بزرگی بھی اہل سنت والجماعت میں شاملِ مسلمات ہے۔ وہ زیر تذکرہ صورت کی تفسیر میں وہی روایت درست سمجھتے ہیں جس کا ذکر چل رہا ہے۔ انھوں نے تحریر فرمایا:۔

"...... یہ ڈرا کہ مجھ کو مارنے کو نکلے۔ اُلٹا پھر آ کر مدینے میں مشہور کر دیا کہ فلانی قوم مرتد ہوئی۔ حضرت اس پر فوج بھیجتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہادت فاسق کی قبول نہیں۔ فاسق جس پر بے شرع کام عیاں ہوں" (صفحہ ۵۵۸ حمائل مطبوعہ تاج کمپنی)۔

گویا جن علمائے سلف کو میاں صاحب نے مودودی کی آڑ لیکر کشتۂ طعن اور ہدفِ ملامت بنایا ہے ان میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی بھی شامل ہو گئے۔ پھر بھی گستاخ ہے مودودی اور ادب و سعادت کا تمام سرمایہ وقف ہے میاں صاحب کے لئے!

معاف کیجئے گا

ہمیں احساس ہے کہ ایک ہی واقعے کے لئے اتنے حوالوں کی بھیڑ بھاڑ آپ کے لئے کوفت کا باعث بن گئی ہوگی۔ اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں لیکن اس نکتہ کو نہ بھولیے کہ ایک اہم مقدمہ درپیش ہے جس میں یہ فیصلہ ہونا ہے کہ علم و تحقیق کی آبروریزی مودودی نے کی ہے یا مولانا محمد میاں نے۔ مجرم مودودی صاحب ہیں یا مولانا محمد میاں صاحب۔ دل سے گھڑنت کرنے کا فعلِ قبیح ان سے سرزد ہوا ہے یا اِن سے۔ ہم نے علمائے سلف کا پورا انبوہ لطور گواہ پیش کر دیا ہے۔ یہ سب بالاتفاق یہ کہہ رہے ہیں کہ ولید کو کسی "آدم زاد" نے بہکایا نہیں تھا بلکہ ازراہِ خوف انھوں نے ایک غلط خیال قائم کر لیا اور اس خیال کو امرِ واقعہ کے طور پر حضور سے بیان کر دیا۔ اسی پر وہ اللہ کی طرف سے کاذب قرار دیئے گئے اور اہلِ ایمان کو ہدایت کی گئی کہ اس طرح کے لوگ جب کوئی خبر دیں تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اب مولانا محمد میاں صاحب یا ان کے کوئی وکیل اتنے نہ سہی ان سے آدھے بلکہ آدھے سے آدھے گواہ پیش فرمائیں جو یہ بیان دے سکیں کہ واقعہ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہے جس طرح میاں صاحب نے بیان فرمایا ہے۔ آدھے سے آدھے نہ سہی فقط دو سہی ــــ جی ہاں فقط دو مستند اور معروف عالم اگر وہ اپنی تائید میں لا سکیں تو ہم جھک کر سلام کریں گے۔ راضی تو ہم ایک پر بھی ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ہر معاملے میں کم سے کم دو عادل گواہوں کی شرط لگادی ہے

اس لئے اس کے حکم سے سرتابی کیسے ہو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ میاں صاحب کو علم نہ ہوگا کہ تمام اہلِ علم ایسا کہہ رہے ہیں اس لئے چوک ہوگئی، لہٰذا بھول چوک تو معاف ہے۔

ہم کہیں گے کہ یہ بھی غلط۔ "خلافت وملوکیت" کے جس مقام پر انھوں نے مولانا مودودی کے "زورِ قلم" کا مشاہدہ کیا ہے وہیں مودودی صاحب نے ذیل کا حاشیہ بھی دیا ہے:۔

"مفسرین بالعموم اس آیت کی شانِ نزول اسی واقعے کو بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابنِ کثیر، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ولاخلاف بین اھل العلم بتاویل القرآن فیما علمت ان قولہ عزوجل ان جاءکم فاسق بنباءٍ نزلت فی الولید بن عُقبۃ (الاستیعاب ج ۲ ص ۶۰۳) ابن تیمیہؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ آیت ولید ہی کے معاملے میں نازل ہوئی تھی (منہاج السنۃ النبویہ، ج ۳-ص ۱۷۶- مطبعۂ امیریہ، مصر ۱۳۲۲ھ) (خلافت وملوکیت ص ۱۱۱ و ص ۱۱۲)

اب فرمائیے۔ اس حوالے کو نظر انداز کر کے ایک روایت گھڑنا اور آیت کی شانِ نزول کا رُخ پھیرنا کیا یہ نہیں بتاتا کہ میاں صاحب کے قلب میں علمائے سلف کا کوئی مقام نہیں۔ اگر ہوتا تو وہ ابن عبدالبر جیسے رفیع الشان عالم سے یہ سن کر بھی کہ "علمائے تفسیر کے مابین آیت کی اس شانِ نزول میں کوئی اختلاف نہیں ہے" ایک ایسی روایت کیوں گھڑتے جو سبھی علماء کی تکذیب کر رہی ہے اور مودودی پر "زورِ قلم" کی پھبتی کیوں کستے۔

یہ معاملہ اجتہادی ونظری بھی نہیں کہ میاں صاحب یہ فرما سکیں کہ بندہ خود مجتہد ہے ضروری نہیں کہ علمائے سلف کی تقلید کرے۔ یہ معاملہ تو روایت اور خبر کا ہے۔ اس سے انکار علمائے سلف کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے جبکہ میاں صاحب کوئی مضبوط شہادت پیش نہیں فرماتے۔

ولید پر شراب نوشی کی حد

ولید کے متعلق خلافت و ملوکیت کی وہ عبارت ایک بار پھر دیکھ لی جائے جسے ہم نقل کر آئے ہیں۔ اس کا ایک جزو تو یہی تھا جس پر ابتک گفتگو ہوئی۔ دوسرا جزو ولید کی شراب نوشی اور سزا کی تفصیل کا تھا۔ اس کے بارے میں بھی ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کی ایک لائن بھی "زورِ قلم" کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ مودودی صاحب نے بے کم وکاست وہی بیان کیا ہے جو علمائے سلف کی کتابوں میں موجود ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب اس سے تو انکار نہ کر سکے کہ ولید پر شراب نوشی کی حد جاری کی گئی مگر ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ حد جھوٹی شہادتوں کی بنا پر جاری کی گئی۔ اس دعوے کی کیا دلیل ہے ـــ اس کا حال نہ پوچھئے۔ انھوں نے کئی صفحے یہ دکھانے پر صرف کئے ہیں کہ شہر کے لوگ ولید کے خلاف پروپیگنڈے کی مہم چلائے ہوئے تھے۔ نیز طبری سے ایک ایسی روایت نقل فرمائی ہے جس سے فقط یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر لوگوں نے ایک طشت کو سامانِ بادہ نوشی میں گمان کر لیا تھا مگر خود ولید کے بیان کے مطابق یہ طشت انگوروں کے خوشوں کی تھی۔ (دیکھئے "شواہد تقدس" صفحہ ۱۴۸)

اب اس سے قبل کہ ہم علمی وتحقیقی مواد پیش کریں تھوڑی سی عقلی بحث بھی ہو جائے۔

ہمیں تسلیم کہ بعض لوگوں کو ولید سے عداوت تھی اور وہ ان کے خلاف پروپیگنڈہ بھی کرتے تھے لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ولید سے کوئی جرم ہی سرزد نہ ہوا ہو اور جس جرم کو اکابر صحابہؓ نے جرم مان کر اس پر سزا بھی دے ڈالی تھی اسے محض پروپیگنڈے اور افترا کے خانے میں رکھ لیا جائے؟ ـــ میاں صاحب تیرہ سو سال بعد پروپیگنڈے کا غلغلہ بلند کر رہے ہیں تو ظاہر ہے خود صحابۂ کرامؓ اس پروپیگنڈے سے بے خبر نہ رہے ہوں گے۔ لیکن انھوں نے یعنی حضرت علیؓ اور حضرت

عثمان رضؓ جیسے رفیع الشان صحابہ نے دیگر صحابہؓ کی موجودگی میں ولید پر حدِ شراب نوشی جاری کردی تو اس سے آپ ثابت ہو جاتا ہے کہ شراب نوشی کے الزام کو انھوں نے امرِ واقعہ ہی قرار دیا تھا اور وہ گواہ ان کے نزدیک قابلِ اعتماد تھے جن کی گواہیوں پر سزا کا فیصلہ کیا گیا۔ اب یہ اہلِ عقل سوچیں کہ گواہیوں کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے بارے میں خود اس زمانے کے اہلِ ایمان صحابہؓ کا اندازہ و خیال زیادہ وزنی ہے یا سوا تیرہ سو سال بعد مولانا محمد میاں صاحب کا قیاس و اجتہاد!

مزید یہ غور فرمایا جائے کہ اگر مولانا مودودی طبری سے کوئی ایسی روایت لے لیتے ہیں جس کی تائید دوسرے بہت سے علمائے سلف کر رہے ہوں تو میاں صاحب شور مچاتے ہیں کہ ان کتابوں میں موضوع و منکر روایات بھری پڑی ہیں اور ان کا کوئی اعتبار نہیں لیکن خود صرف اور صرف طبری سے جو روایت چاہے اٹھا لیتے اور فخریہ اعلان فرماتے ہیں کہ دیکھئے صرف میں نے تاریخ کو من و عن بیان کیا ہے۔ ان کی کتاب پڑھنے والا کوئی بھی ہوشمند قاری اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس وقت مولانا مودودی طبری سے کوئی روایت لیں تو یہ کتاب بالکل ردّی ہے خواہ اس سے لی ہوئی روایت بہتیرے اہلِ علم نے معتبر قرار دی ہو مگر جب میاں صاحب کوئی روایت لیں تو یہی طبری قرآن کے مثل بن جاتی ہے چاہے کوئی بھی دوسرا مؤرخ اور عالم اس روایت کو درست نہ مانتا ہو مگر یہ مثل وحی کے اٹل۔

میاں صاحب کی جرأت دیکھئے کہ ولید کے بارے میں بادہ نوشی کی شہادت دینے والے گواہوں میں سے ایک کے بارے میں انھیں یہ بھی اعتراف ہے کہ صورۃً اور ظاہراً وہ قابلِ اعتماد تھا۔ ان کے الفاظ ہیں:-

"ایک ثقہ صورت نے گواہی دی کہ میں نے ولید کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے..." ص۲۱۴

لیکن اسی کے ساتھ وہ غالباً "علمِ غیب" کے تحت قطعی فیصلہ دیتے ہیں کہ فی الاصل یہ گواہ جھوٹا تھا!۔ اب اگر دلیل طلب کیجئے تو وہی بات کہ ولید سے لوگوں کو حسد تھا وہ اس کے درپئے آزار تھے لہذا جھوٹی گواہیاں دیکر کوڑوں سے پٹوا دیا۔ کاش میاں صاحب نے سوچا ہوتا کہ ان کی اس "خوش فکری" کے مضمرات و عواقب کیا ہیں۔ وہ ایک طرف تو مودودی کے رد میں صحابہؓ کا ایک ایسا من گھڑت تصور پیش کرتے ہیں جس کے معیار پر انبیاء تک پورے نہیں اترتے (اس پر آگے ہم شرح و بسط سے کلام کریں گے۔ انشاء اللہ) لیکن دوسری طرف حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے خلفائے راشدین پر یہ الزام لگانے میں بھی انھیں باک نہیں کہ انھیں گواہوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا بھی شعور نہ تھا۔ انھیں یہ بھی پروا نہ تھی کہ حدِ شرعی جاری کرنے کے معاملے میں کتنی احتیاط برتنی چاہئیے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ولید کے دشمن انھیں زک دینے کی فکر میں ہیں پھر بھی انھوں نے گواہوں کو سچا مان لیا حالانکہ ان گواہوں کا جھوٹا ہونا تو اتنا ظاہر و باہر تھا کہ سوا تیرہ سو سال بعد مولانا محمد میاں صاحب اپنے گھر کے کمرے میں بیٹھ کر صاف بتائے دے رہے ہیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

اللہ اکبر۔ کیا جسارت ہے۔ کیا منطق ہے۔ کیا اکرامِ صحابہؓ ہے۔ کیا علم کلام ہے۔

آئیے اب حوالوں کی طرف چلتے ہیں کہ تاریخ اور فنِ روایت میں حوالے ہی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہی دیکھئے کہ خود مولانا مودودی نے اس مقام پر کیا حوالے دیئے ہیں۔ شراب نوشی اور حالتِ سُکر میں غلط نماز پڑھانے کے سلسلے میں دو حاشیے ہیں۔ دونوں خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۱۱۲-۱۱۳ و ۱۱۴ سے پورے کے پورے نقل کئے جاتے ہیں:-

۱۵ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۱۵۵- الاستیعاب ج ۲، ص ۶۰۴- ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ولید کا

نشے کی حالت میں نماز پڑھانا اور پھر ازید کم کہنا مشہورٌ من روایۃ الثقات من نقل اهل الحدیث والاخبار۔

۱۱ه بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفّان۔ و باب ہجرۃ الحبشہ۔ مسلم، کتاب الحدود، باب حد الخمر۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب حد الخمر۔ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے محدثین و فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے وہ درج ذیل ہے:-

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:- "لوگ جس وجہ سے ولید کے معاملے میں کثرت سے اعتراضات کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ اس پر حد قائم نہیں کر رہے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سعدؓ بن ابی وقاص کو معزول کرکے ان کی جگہ ولید کو مقرر کرنا لوگوں کو ناپسند تھا کیونکہ حضرت سعدؓ عشرہ مبشرہ اور اہلِ شوریٰ میں سے تھے اور ان کے اندر علم و فضل اور دین داری اور سبقت الی الاسلام کی وہ صفات مجتمع تھیں جن میں سے کوئی چیز ولید بن عقبہ میں نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ولید کو اس لئے ولایت کوفہ پر مقرر کیا تھا کہ اس کی قابلیت ان پر ظاہر ہوئی تھی اور وہ رشتہ داری کا حق بھی ادا کرنا چاہتے تھے پھر جب اس کی سیرت کی خرابی ان پر ظاہر ہوئی تو انھوں نے اسے معزول کر دیا۔ اس پر حد قائم کرنے میں انھوں نے تاخیر اس لئے کی تھی کہ اس کے خلاف جو لوگ شہادت دے رہے تھے ان کا حال اچھی طرح معلوم ہو جائے پھر جب حقیقتِ حال واضح ہو گئی تو انھوں نے اس پر حد قائم کرنے کا حکم دے دیا" (فتح الباری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمانؓ)

ایک دوسرے مقام پر ابن حجر لکھتے ہیں: "طحاوی نے مسلم کی روایت کو اس بنا پر کمزور قرار دیا ہے کہ اس کا راوی عبداللہ الداناج ضعیف تھا۔ مگر بیہقی نے ان کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے جسے مسانید اور سنن میں لیا گیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کے متعلق امام بخاریؒ سے پوچھا تو انھوں نے اسے قوی قرار دیا اور مسلم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ معتبر ہے۔ عبداللہ الداناج کو ابوزرعہ اور نسائی نے ثقہ قرار دیا ہے۔" (فتح الباری، کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید والنعال)۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: "لوگ ولید کے معاملے میں اس حرکت کی وجہ سے بکثرت اعتراض کر رہے تھے جو اس سے صادر ہوئی تھی یعنی اس نے اہلِ کوفہ کو صبح کی نماز نشہ کی حالت میں چار رکعت پڑھائی، پھر پلٹ کر کہا "اور پڑھاؤں؟" اعتراض اس بات پر بھی ہو رہا تھا کہ یہ خبر حضرت عثمانؓ کو پہنچ چکی تھی مگر انھوں نے اس پر حد قائم نہ کی۔ نیز یہ بات بھی لوگوں کو ناپسند تھی کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو معزول کرکے ولید کو مقرر کیا گیا تھا" (عمدۃ القاری، کتاب مناقب عثمانؓ)

امام نوویؒ لکھتے ہیں: "مسلم کی یہ حدیث امام مالکؒ اور ان کے ہم خیال فقہاء کے اِس مسلک کی دلیل ہے کہ جو شخص شراب کی قے کرے اس پر شراب نوشی کی حد جاری کی جائیگی۔ امام مالکؒ کی دلیل اس معاملے میں بہت مضبوط ہے، کیونکہ صحابہؓ نے بالاتفاق ولید بن عقبہ کو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا تھا" (شرح مسلم،

کتاب الحدود، باب حد الخمر)۔

ابن قدامہ کہتے ہیں "مسلم کی روایت کے مطابق جب ایک گواہ نے یہ شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ شراب پئے بغیر وہ اس کی قے کیسے کر سکتا تھا۔ اسی بنا پر انھوں نے حضرت علیؓ کو اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور یہ فیصلہ چونکہ علماء صحابہؓ اور اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں ہوا تھا اس لئے اس پر اجماع ہے" (المغنی والشرح الکبیر ج ۱۰، ص ۳۳۲۔ مطبعۃ المنار، مصر ۱۳۴۸ھ)۔

اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ وہ سب گواہ غیر معتبر تھے۔ جنھوں نے ولید کے خلاف گواہی دی تھی تو گویا وہ حضرت عثمانؓ ہی پر نہیں بلکہ صحابہؓ کے مجمع عام پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ انھوں نے ناقابلِ اعتبار شہادتوں کی بنا پر ایک مسلمان کو سزا دے ڈالی۔ ایک صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت حسنؓ اس فیصلے سے ناراض تھے۔ مگر امام نووی نے شرح مسلم میں اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اس سے اس جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ کا غصہ ولید پر تھا نہ کہ اس کے خلاف فیصلہ کرنے والوں پر" (خلافت و ملوکیت)

ہم سمجھتے ہیں کہ یہی حواشی میاں صاحب کی آشفتہ بیانی کا مکمل جواب ہیں لیکن ابھی ہم اپنے طور پر بھی کچھ شواہد پیش کریں گے تاکہ میاں صاحب کے علم و خبر کا پورا جغرافیہ آپ کے سامنے آجائے۔

عمدۃ القاری شرح البخاری — حافظ ابن حجر کی شرح

بخاری کا تفصیلی حوالہ آپ نے مولانا مودودی کے حاشیے میں دیکھا۔ وہیں انھوں نے علامہ بدرالدین عینیؒ حنفی کی شرح بخاری سے بھی کچھ تفصیل دی ہے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ساری ہی تفصیل اصل عبارت کے ساتھ سامنے آجائے تاکہ علمائے احناف کے لئے سُرمۂ بصیرت بنے۔

لوگ ولید کی کس حرکت کی بنا پر ان کے خلاف بکثرت اعتراض اور چہ میگوئیاں کر رہے تھے اسے علامہ عینی الحنفیؒ کی زبانی سنیئے:۔

كان قد صلّى باهل الكوفة صلوٰة الصبح اربع ركعات ثم التفت اليهم فقال أزيدكم وكان سكرانًا وبلغ الخبر بذالك الى عثمان وترك اقامة الحد عليه فتكلموا بذالك فيه وانكروا ايضا على عثمان عزله سعد بن وقاص مع كونه احد العشرة ومن اهل الشورى واجتمع له من الفضل والسنّ والعلم والدين والسّبق الى الاسلام ما لم يتفق منه شيئ للوليد بن عقبه ثم لما ظهر لعثمان سوء سيرته عزله لكن اخّر اقامة الحد عليه ليكشف عن حال من يشهد عليه بذالك فلما ظهر له الامر آمَرَ باقامة الحد عليه كما نذكره وروى المدائني من طريق الشعبي ان عثمان لما شهدوا عنده على الوليد حبسه.....

ولید نے اہل کوفہ کو صبح کی چار رکعات پڑھا دیں اور پھر ان کی طرف رُخ کر کے کہا کہ میں نے تمھارے لئے اضافہ کر دیا ہے۔ حالت یہ تھی کہ وہ نشہ میں تھے۔ یہ خبر عثمانؓ تک پہنچی اور انھوں نے فوراً حد جاری نہیں کی تو ان کے خلاف لوگوں نے بہت کچھ اظہارِ ناراضگی کیا۔ نیز (لوگوں کا اعتراض یہ تھا کہ) عثمان نے سعد بن وقاص کو معزول کیا، باوجودیکہ سعد عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو مشاورت کے اہل سمجھے جاتے ہیں اور ان کی بزرگی، ان کی سن رسیدگی، ان کا علم، ان کا دین اور ان کا اسلام قبول کرنے میں پیش دست ہونا ایسے اوصاف تھے جن میں سے کوئی بھی وصف ولید بن عقبہ میں موجود نہیں تھا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ پر ولید کی خرابی کردار کا حال کھلا تو انھوں نے ولید کو معزول کیا لیکن حد قائم کرنے میں تاخیر اس وجہ سے کی تاکہ جو بھی شخص

شراب نوشی کی گواہی دے رہا ہے اس کے سچ جھوٹ کی تحقیق ہو جائے۔ بس جب تحقیق ہوگئی کہ گواہی غلط نہیں تو عثمانؓ نے حد جاری کرنے کا فیصلہ کیا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اور مدائنی نے شعبی کے طریق سے روایت کی ہے کہ جب عثمانؓ کی بارگاہ میں لوگوں نے ولید کے خلاف گواہیاں دیں تو انھوں نے ولید کو روک لیا۔۔۔۔ (یعنی کہاں جاتے ہو۔ کوڑے کھا کر جانا)۔

(ترجمہ ختم ہوا)

یہیں علامہ عینی نے سزا کی تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ دو آدمیوں نے غلط نماز پڑھانے والے قضیے کی بھی گواہی دی تھی۔ پھر وہ کہتے ہیں:-

احدهما حمران یعنی مولی عثمان بن عفان انه قد شرب بالخمر فقال عثمان قم یا علی فاجلده	گواہوں میں ایک عثمانؓ کا آزاد کردہ غلام حمران تھا جس نے کہا کہ ولید نے شراب پی ہے۔ عثمانؓ نے فرمایا کہ اے علیؓ اٹھیے اور ولید کے کوڑے لگائیے

* * * *

اب سوال دوسرے گواہ کے نام وغیرہ کا رہ گیا تھا تو وہ فرماتے ہیں:-

فان قلت من الشاهد الآخر الذی لم یسم فی هذه الروایة قلت قیل هو الصعب بن جثامة الصحابی المشهور رواه یعقوب بن سفیان فی تاریخه (عمدة القاری۔ جلد ۷۔ صفحہ ۶۱)	اگر تم یہ کہو کہ اس روایت میں دوسرے گواہ کا نام تو بتایا نہیں گیا تو میں کہوں گا کہ اس کا نام صعب بن جثامہ بتایا گیا ہے جو مشہور صحابی ہیں۔ ان سے یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں۔

کیا ان فرمودات پر کسی تبصرے کی بھی ضرورت ہے!

الاصابة فی تمییز الصحابة — حافظ ابن حجر

عسقلانی کی فتح الباری کے مندرجات مودودی صاحب کے حاشیے میں آئے۔ ذرا الاصابہ میں بھی ان کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں:-

وصلاته بالناس الصبح اربعاً وهو سکران مشهورة مخرجة وقصة عزله بعد ان ثبت علیه شرب الخمر مشهورة ایضاً مخرجة فی الصحیحین وعزله عثمان بعد جلده عن الکوفة (اصابہ کے مطبع وغیرہ کا حوالہ ہم پیچھے دے آئے ہیں)	نشہ کی حالت میں ولید کا چار رکعات نماز فجر پڑھانا مشہور واقعہ ہے محدثین نے بیان کیا ہے اور ولید کی بادہ نوشی ثابت ہو جانے پر ان کا معزول کیا جانا بھی مشہور رہے جسے بخاری و مسلم میں بھی درج کیا گیا ہے۔ اور عثمان نے انھیں کوڑے لگوانے کے بعد ہی کوفہ کی گورنری سے ہٹایا تھا۔

تهذیب التهذیب

یہی حافظ ابن حجر اپنی کتاب تہذیب التہذیب کی گیارھویں جلد میں شراب نوشی کے سلسلے میں مسلم شریف کا حوالہ دینے کے بعد یہ الفاظ حوالۂ قلم کرتے ہیں:-

وله ذنوب امرها الی الله تعالیٰ (المطبعة الاولیٰ	اور ولید کی فرد عمل میں متعدد گناہ ہیں جن کا معاملہ اللہ کے سپرد۔

بمطبعة مجلس دائرة المعارف النظامیة الکائنة فی الهند بمحروسة حیدرآباد دکن)

الاستیعاب فی معرفة الاصحاب — ابن عبدالبر کی

اس کتاب سے ہم چند فقرے پہلے بھی نقل کر آئے ہیں مگر وہاں ایڈیشن کا حوالہ رہ گیا۔ اب نوٹ کیجئے تاکہ جس کا جی چاہے ہماری نقل کو اصل سے ملا کر دیکھے۔ (مکتبہ نهضة مصر ومطبعتها الفجالة مصر۔ القسم الرابع۔ ترجمة الولید بن عقبة)

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:-

کان الاصمعی وابوعبیدة	اصمعی، ابوعبیدہ اور ابن الکلبی

وابن الکلبی وغیرھم یقولون کان الولید بن عقبۃ فاسقاً شریب الخمر وکان شاعراً کریماً (تجاوز اللہ عنہ)

وغیرہ ہم کہتے ہیں کہ ولید بن عقبہ فاسق تھا، شراب نوش تھا اور اچھا شاعر تھا۔ (اللہ اسے معاف کرے)

قال ابو عمر:- اخبارہ فی شرب الخمر ومنادمتہ ابا زبید الطائی مشھورۃ کثیرۃ۔

ابو عمر نے فرمایا۔ ولید کی بادہ خواری اور ابو زبید طائی سے اسکے یارانے کی خبریں مشہور رہیں کثیر ہیں۔ (ابو زبید ایک نومسلم عیسائی تھا جسکی شراب نوشی معلوم ومعروف تھی)

حدثنا ضمرۃ بن ربیعہ عن ابن شوذب قال صلی الولید (بن عقبۃ) باھل الکوفۃ صلوۃ الصبح اربع رکعات ثم التفت الیھم فقال ازیدکم۔

ہم سے ضمرہ بن ربیعہ نے اور ان سے ابن شوذب نے بیان کیا کہ ولید نے اہل کوفہ کو صبح کی نماز چار رکعات پڑھا دی پھر انکی طرف رخ کرکے بولا کہ میں نے تمھارے لئے اضافہ کر دیا ہے۔

* * * *

وخبر صلوتہ بھم وھو سکران وقولہ ازیدکم بعد ان صلی الصبح اربعاً مشھور من روایۃ الثقات من نقل اھل الحدیث واھل الاخبار۔

نشہ کی حالت میں صبح کی چار رکعات پڑھا کر اس کا یہ کہنا کہ میں نے تمھارے لیے اضافہ کر دیا ہے مشہور چیز ہے کیونکہ اسے اہل حدیث اور اہل اخبار نے قابل اعتماد راویوں سے نقل کیا ہے۔

طبری

جس طبری سے پروپیگنڈے وغیرہ کی روایات لے کر میاں صاحب نے شراب نوشی کی گواہی کو جھوٹا قرار دینا چاہا ہے اسی کی ایک روایت ملاحظہ کی جائے۔

میاں صاحب کو خود تسلیم ہے کہ طبری اور دوسری تاریخی کتب میں مختلف اور متناقض روایتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا رویہ یہ ہے کہ طبری سے جو بھی روایت انھوں نے منتخب فرمالی اس کے بارے میں بلا تکلف فرما دیا کہ دیکھئے یہ ہے صحیح صورتِ واقعہ حالانکہ جب انھیں خود تناقض تسلیم ہے تو علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی منتخب کردہ روایات کی صحت پر دلیل لاتے اور رد کردہ روایات کے نادرست ہونے کی وجہ بیان کرتے۔ مگر انھوں نے دلیل وشہادت کا جھنجٹ ہی نہیں پالا ہے بلکہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جو روایت ہم اٹھالیں وہ تو مثل وحی درست ہے چاہے مستند اہلِ علم اسے ردّی اور غیر معتبر کہے چلے جا رہے ہوں

بہرحال طبری نے ایک روایت بیان کی ہے کہ بعض اہلِ کوفہ ولید سے تعصب رکھتے تھے۔ اور انھوں نے ازراہِ بغض وحسد جھوٹی گواہیاں دلاکر ان پر حد جاری کرادی۔ اسی ذیل میں یہ قصّہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عثمانؓ نے ولید سے کہا تھا۔ یا اخی اصبر فان اللہ یاجرک ویبوء القوم باثمک (اے میرے بھائی صبر کر واللہ تمھیں اجر دے گا اور تمھارا گناہ قوم سمیٹے گی) گویا جو کوڑے شراب نوشی کی سزا میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے باتفاقِ رائے صحابہؓ کے سامنے ولید کو لگوائے وہ اس روایت کی رو سے ظلماً لگوائے۔ خود حضرت عثمانؓ کو یقین تھا کہ گواہیاں جھوٹی ہیں۔ ولید شراب نہیں پیتے۔

اور یہ نکتہ بھی اہلِ علم ملحوظ رکھیں کہ وَیَبوءُ القومُ باثمک کے الفاظ ایک تلمیحی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ قرآن (سورۂ مائدہ) میں ہابیل وقابیل کا قصہ بیان ہوا ہے جس میں ہابیل حق پر ہے اور قابیل باطل پر۔ ہابیل کی نیاز اللہ قبول کرلیتا ہے تو قابیل اسے دھمکی دیتا ہے کہ تجھے مار ڈالوں گا۔ ہابیل کہتا ہے کہ اے بھائی میں تو پروردگارِ عالم سے ڈرتا ہوں۔ تو مجھ پر ہاتھ اٹھائے تو اٹھائے میں تجھ پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ اسی موقعہ پر ہابیل نے یہ بھی کہا۔ انّی اُرِیدُ ان تبوءَ باثمی وَاِثمِکَ فتکُونَ مِنْ اَصْحٰبِ النّارِ وَذٰلکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِین (میں چاہتا ہوں کہ (میں گناہ نہ سمیٹوں بلکہ) میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹے پس ہو جائے دوزخیوں میں سے اور یہی سزا ہے ظالموں کی۔ آیت ۲۹) اب دیکھئے وہی فقرہ جو ہابیل کی زبان سے نکلا تھا اس روایت نے حضرت عثمانؓ کی زبان سے معمولی فرق کے ساتھ نکلوایا ہے۔

گویا جس طرح ہابیل کا شہیدِ مظلوم ہونا اور قابیل کا ظالم ہونا امرِ قطعی تھا اسی طرح حضرت عثمانؓ کے نزدیک ولید کا مظلوم ہونا اور انھیں سزا دینے والوں کا ظالم ہونا امرِ قطعی تھا۔

فرمائیے کیا یہ روایت معتبر ہو سکتی ہے جب کہ سزا دینے والا خلیفہ خود عثمانؓ ہے۔ کیا یہ گناہ معمولی گناہ ہوگا کہ ایک شخص کو بے گناہ جانتے ہوئے بھی سزا دے ڈالی جائے۔ عین ممکن ہے کہ یہ تلمیح والا نکتہ ہمارے دماغ کی اُپج ہو اور روایت وضع کرنے والوں کا خیال اس طرف نہ گیا ہو پھر بھی صورتِ واقعہ اور اس کے مضمرات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آئیے اہلِ علم کی رائے بھی اس روایت کے بارے میں دیکھیں۔

ابن عبد البر استیعاب میں اسی مقام پر فرماتے ہیں:۔

"خبریں نقل کرنے والوں کی یہ خبر محدثین کے نزدیک درست نہیں ہے نہ اہلِ علم کے نزدیک اس کی کوئی جڑ بنیاد ہے۔ اور صحیح محدثین اور اہلِ علم کے نزدیک وہ روایت ہے جسے عبد العزیز بن المختار اور سعید بن عروہ نے عبد اللہ الداناج سے اور انھوں نے حصین بن المنذر ابی ساسان سے روایت کیا ہے کہ ابی ساسان حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں ولید کے احوال سنائے اور حضرت عثمانؓ کے سامنے دو آدمی پیش ہوئے جنھوں نے ولید کی بادہ نوشی کی شہادت دی اور یہ بھی شہادت دی کہ انھوں نے کوفہ میں صبح کی نماز چار رکعات پڑھا دی تھی اور پھر نمازیوں سے کہا تھا کہ میں نے تمھارے لئے اضافہ کر دیا ہے۔ گواہوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے ولید کو شراب پیتے دیکھا ہے اور دوسرے نے کہا میں نے انھیں شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر عثمانؓ نے فرمایا کہ آدمی شراب پیئے بغیر تو اس کی قے نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر وہ علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے علی! ولید پر حد قائم کرو۔ حضرت علیؓ نے یہ سنکر اپنے بھتیجے عبد اللہ بن جعفرؓ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگاؤ۔ ابن جعفرؓ نے کوڑا اٹھایا اور مارنا شروع کر دیا۔ حضرت عثمان گنتی کرتے جارہے تھے حتی کہ چالیس کوڑے لگ لئے۔ اب حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ بس رک جاؤ۔ رسول اللہؐ نے شراب نوشی کی سزا میں چالیس ہی کوڑے لگوائے تھے اور ابو بکرؓ نے بھی چالیس ہی اور عمرؓ نے اسّی۔ یہ سب ہی سنت ہیں۔"

پتہ یہ چلا کہ صرف ابن عبد البر ہی نہیں بلکہ محدثین اور اہلِ علم کا سوادِ اعظم ولید کی شراب نوشی کو امرِ واقعہ خیال کرتا ہے اور اس قصے کو درست نہیں سمجھتا جسے ہم درایتاً بھی رد کر آئے۔

تفسیر روح البیان شیخ اسمٰعیل حقی (المتوفی ۱۱۳۷ھ) اپنی اس تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

ان الولید بن عقبۃ بن ابی معیط اخا عثمان لامہ وھو الذی ولاہ عثمان کوفۃ بعد سعد بن ابی وقاص فصلّی بالناس وھو سکران صلاۃ الفجر اربعاً ثم قال ھل ازیدکم؟ فعزلہ عثمان عنھم (تفسیر سورۃ الحجرات)	ولید بن عقبہ بن ابی معیط عثمانؓ کے ماں جائے ہیں اور وہی ہیں جنھیں عثمانؓ نے سعد ابن ابی وقاصؓ کے بعد کوفہ کا گورنر بنایا تھا پھر ان سے یہ فعل سرزد ہوا کہ نشہ کی حالت میں لوگوں کو صبح کی چار رکعتیں پڑھا دیں۔ اور پھر پوچھا کہ کیا اور پڑھاؤں؟ پس آخر کار عثمانؓ نے انھیں اہلِ کوفہ کی سیادت سے معزول کر دیا۔

÷ ÷ ÷ ÷ ÷

÷ ÷ ÷ ÷ ÷

اس کے بعد انھوں نے وہی روایت بیان کی ہے کہ ولید نے حضورؐ سے جھوٹ بولا تو ان جاءکم فاسق

والی آیت نازل ہوئی۔

تحفہ اثنا عشریہ

شاہ ولی اللہ رحؒ کے فرزند سعید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی اس شہرۂ آفاق کتاب سے ایک حوالہ ہم شروع میں دے چکے ہیں اور یہ تفصیل بھی بتا چکے ہیں کہ ہمارے سامنے فلاں عربی نسخہ ہے۔

یہ کتاب شیعوں کے رد میں لکھی گئی ہے اور جو اعتراضات صحابہؓ وغیرہ پر اہل تشیع کرتے آئے ہیں ان کا حتی الوسع جواب دیا ہے۔ ظاہر کسی بھی صحابی کے جرم و گناہ کو شاہ صاحب مغفور اُس وقت تک تسلیم نہیں کر سکتے تھے جبتک ذرا سی بھی گنجائش تاویل یا انکار کی نکل سکے۔

اب دیکھئے۔ باب الثامن میں اُن مطاعن کے ذیل میں جن کا نشانہ حضرت عثمانؓ کو بنایا گیا وہ رقمطراز ہیں:-

فمنھا انّ عثمان ولّی وامّر من صدر منہ الظلم والخیانۃ وارتکاب الامور الشنیعۃ کالولید ابن عقبۃ الذی شرب الخمر وامّ الناس فی الصلوٰۃ وھو سکران وصلی الصبح اربع رکعات ثم قال ھل ازیدکم۔	ان مطاعن میں سے ایک یہ ہے کہ عثمانؓ نے ایسے لوگوں کو والی و امیر بنایا جن سے ظلم و خیانت کا صدور اور حرکاتِ مذمومہ کا ارتکاب ہوا تھا جیسے ولید بن عقبہ کہ جس نے بادہ نوشی کی اور نشہ کی حالت میں لوگوں کا امام صلوٰۃ بنا اور نماز فجر چار رکعات پڑھا کر کہنے لگا کہ کیا اور پڑھاؤں؟

اس کے بعد دوسرے مطاعن کا ذکر فرمایا ہے پھر نمبروار سب کا مفصل جواب دیئے گئے ہیں۔ جواب کے آغاز میں انھوں نے تمہیداً فرمایا ہے کہ خلیفہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ حضرت عثمانؓ بھی عالم الغیب نہیں تھے انھوں نے بظاہر جس شخص کو جس منصب کے لائق سمجھا اس پر مقرر کر دیا۔ اب اگر بعد میں ان عاملوں سے کچھ کام برے صادر ہو جائیں تو عثمانؓ کا اس میں کیا قصور۔ انھوں نے اس پر سکوت تو نہ کیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان عاملوں پر جو الزامات لگتے تھے انھیں آپ بغیر مناسب تحقیق کے فوراً درست نہیں مان لیتے تھے کہ ایسی جلد بازی سے ملک و سلطنت میں خرابی پڑتی ہے۔ البتہ ثبوت و تحقیق کے بعد جب الزام درست ثابت ہو جاتا تو سزا دینے سے بھی گریز نہ کرتے چنانچہ:-

وقد عزل بعض من تحقق لدیہ بعد ذلک سوء حالہ کما عزل الولید (ص۲۵۹)	جن بعض حضرات کی بدکرداری ان کی تحقیق میں آگئی انھیں انھوں نے معزول کر دیا جیسے کہ ولید کو معزول کیا۔

* * * *

اس کے بعد کوئی حرف شاہ صاحب نے ولید کی صفائی میں نہیں کہا بلکہ دوسرے مطاعن پر متوجہ ہو گئے۔ اس کا مطلب قطعی طور پر یہی تو ہوا کہ ولید کا شراب پینا اور نشہ کی حالت میں صبح کی چار رکعتیں پڑھا کر نمازیوں سے پوچھنا کہ اور پڑھاؤں؟ ایسے واقعات ہیں جنھیں شاہ صاحب کے نزدیک جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ فن حدیث و روایت میں ممدوح کا پایہ شاید مولانا محمد میاں صاحب مدظلہ سے نیچا تو نہ ہو (یہ خود میاں صاحب سے دریافت کر لیا جائے) مگر وہ کوئی راہ نہیں پاتے کہ دیانتداری اور علمی صداقت کو محفوظ رکھتے ہوئے ان روایات کی تردید یا تاویل کر سکیں جنھیں میاں صاحب جھٹلائے چلے جا رہے ہیں۔

پھر یہ پہلو بھی شاہ صاحب کے ارشاد کا نظر انداز نہ کیجئے کہ حضرت عثمانؓ سزا بعد تحقیق و تفتیش ہی دیتے تھے میاں صاحب نے موقف یہ اختیار فرمایا ہے کہ چونکہ دو شہادتیں گذر جانے کی بنا پر قانون کی خانہ پُری ہو گئی اس لئے حد جاری ہونا لازمی تھا لیکن حقیقت میں یہ گواہیاں جھوٹی تھیں (ص۲۴۲) مگر شاہ صاحب یہ فرما رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اس حد تک تحقیق و تفتیش کے عادی تھے کہ لوگوں کو یہ بدگمانی ہونے لگتی تھی کہ مجرموں کو بروقت سزا نہیں دیتے۔ اس بدگمانی کے باوجود انھوں نے اپنی احتیاط نہیں چھوڑی اور ولید کو اسی وقت سزا دی جب پوری طرح تحقیق ہو گئی کہ الزامِ بادہ نوشی درست ہے۔

فرقِ الفاظ

آپ دیکھ رہے ہیں کہ کہیں تو ھل ازیدکم ہے اور کہیں صرف ازیدکم

یہ کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے بلکہ ہوا یہ ہے کہ بعض راویوں نے ھل کا لفظ یا تو سنا نہیں یا سنا تو حافظے میں محفوظ نہ رہ سکا۔ انھوں نے نقطہ (انما یا) کم روایت کر دیا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے تمھارے لئے نمازِ فجر میں رکعات بڑھا دی ہیں ـــ ظاہر ہے یہ نشہ کی ترنگ میں فرمایا گیا تھا۔ مگر جن لوگوں نے ھل کو محفوظ رکھا ان کا فقرہ استفہامیہ بن جاتا ہے ـــ یعنی مخمور امام نمازیوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا اور بڑھاؤں یا بس؟

ایک دلچسپ روایت جن حضرات نے یہ باور کرانے کی سعی کی ہے کہ ولید پر شراب نوشی کا الزام جھوٹا تھا انکی ایک دلچسپ روایت میاں صاحب نے نقل کی ہے تاکہ وہ بتا سکیں کہ دیکھئے کس طرح بے چارے ولید کو پھانسا گیا۔

"ایک روز (ولید کے دشمن۔ تجلی) ولید کے یہاں پہنچے، ولید سو رہے تھے ان کی انگلی میں سے انگوٹھی نکال لی اور اس کو بھی مدینے بھیجدیا تاکہ شراب نوشی اور بدمستی کے ثبوت میں پیش ہوسکے۔" (ص ۲۴۲)

لیکن اس روایت کو باور کرانے کے لئے میاں صاحب کو کئی کام کرنے چاہئیں تھے جو انھوں نے نہیں کئے۔ ایک تو یہ کہ کوفے کے گورنر ولید کی رہائش گاہ کا کوئی نقشہ انھیں ایسا کھینچنا چاہئے تھا جس سے یہ انوکھی بات قابلِ فہم ہوجاتی کہ جس کا جی چاہے گورنر کی خواب گاہ میں گھسا چلا آرہا ہے اور کوئی اسے نہیں روکتا۔ دوسرے یہ کہ ولید کو ایسا لاپروا اور مغفل ثابت کرنا چاہئے تھا کہ سوتے میں لوگ ان کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی اُتار لیتے ہیں جس سے فرامین پر مہریں لگتی ہیں مگر انھیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ مگر میاں صاحب نے انھیں بیدار مغز اور بڑا ہوشمند باور کرایا ہے (جس سے ہمیں اور مودودی صاحب کو انکار بھی نہیں ہے) تیسرے یہ کہ ولید کے وہ دشمن گوشت کا نہیں لوہے کا دل رکھتے تھے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ گورنر کے گھر میں گھس کر اسکی انگلی سے انگوٹھی اُتارنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے بلا تکلف گئے اور انگوٹھی اُتار لائے۔

معلوم ہوتا ہے گھڑنے والوں کو خود اس گھڑنت کی مضحکہ خیزی کا اندازہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ روایت میں تھوڑا سا تغیر کیا گیا اور پھر یوں ہوگئی کہ ایک شخص نے ولید کے حضور پہنچکر قصہ گوئی شروع کی۔ اتنی میں کافی رات گذر گئی اور ولید کو نیند آگئی اس شخص نے موقعہ غنیمت جانا اور ولید کے ہاتھ سے انگوٹھی اُتار لی۔ لیکن اس تغیر سے بھی کام کچھ نہیں چلتا۔ آجتک نہ سنا گیا ہوگا کہ کسی رئیس کے یہاں داستاں سرائی کی محفل جمی ہو اور وہ داستان سنتے سنتے ہی سو گئے ہوں۔ ایسے خوش باشوں کا حال تو یہ رہا ہے کہ ذرا طبیعت آرام کی طرف مائل ہوئی اور انھوں نے آرڈر دیا کہ محفل برخواست۔

اگر واقعی ولید کی انگوٹھی بارگاہِ خلافت میں پیش کی گئی تھی تو کوئی تاویل اس سے زیادہ قرین قیاس نہیں کہ محفل بادہ و جام ہی گرم رہی ہو اور ولید مدہوش ہوگئے ہوں (ویسے ہمارا خیال یہ ہے کہ انگوٹھی کا قصہ ہی یکسر من گھڑت ہے اسی لئے اسے کوئی اہمیت علمائے روایت نے نہیں دی ہے)۔

آخری جزو آپ نے دیکھ لیا کہ مودودی صاحب کی زیرِ بحث عبارت میں آدھی سطر بھی ایسی نہیں جس پر "زورِ قلم" کا اطلاق کیا جاسکے یا جس میں کوئی من گھڑت بات کہی گئی ہو۔ بس ایک بات رہ گئی ہے جس پر ذرا سی گفتگو اور ہوتی ہے۔ مودودی صاحب نے ولید کے بارے میں لکھا تھا

"حضرت عمرؓ کے آخر زمانے میں وہ الجزیرہ کے عرب علاقے پر جہاں بنی تغلب رہتے تھے عامل مقرر کئے گئے۔ ۲۵ھ میں اس چھوٹے سے منصب سے اٹھا کر حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی جگہ کوفہ جیسے بڑے اور اہم صوبے کا گورنر بنادیا۔"

اس پر میاں صاحب کی تعریض یہ ہے :-

"مودودی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی - اس طرح کی غلطی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی جب حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو قادسیہ جیسے سخت ترین محاذ پر افواج اسلام کا قائدِ اعظم اور آج کل کے محاورے میں فیلڈ مارشل بنا دیا تھا - حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو بنی ہوازن کے صدقات وصول کرنے پر مقرر کر رکھا تھا - ولید بن عقبہ کی طرح ان کا منصب بھی چھوٹا سا تھا - حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا اس چھوٹے سے منصب سے اٹھا کر قادسیہ میں افواج اسلام کا سالار اعظم بنا دیا تھا - ملاحظہ فرمائیے تاریخ طبری صفحہ ۸۴ ج ۴" (شواہد تقدس صفحہ ۴۶)

یہاں ایک باریک علمی نقص (جسے تدلیس کہہ سکتے ہیں) یہ ہے کہ میاں صاحب نے اپنے پورے کلام کے لئے طبری کا حوالہ دیدیا جس کا مطلب قاری یہ بھی لے سکتا ہے کہ میاں صاحب کی طرح طبری نے بھی یہ سب حضرت عثمانؓ کے اس فعل کی تصویب و حمایت میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت سعدؓ کی جگہ ولید کو کوفے کا گورنر بنا دیا تھا حالانکہ یہ سراسر غلط ہے - طبری کے پیش نظر وہ منطق ہرگز نہیں جسے بطورِ استدلال میاں صاحب پیش فرما رہے ہیں بلکہ طبری میں تو صرف واقعات ہیں اور یہ کوشش قطعاً نہیں کی گئی ہے کہ ولید سے متعلق حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل کو مناسب ثابت کرنے کے لئے سعد سے متعلق حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کو نظیر بنایا جائے - یہ انوکھا استدلال تو خود میاں صاحب کا ہے جس میں انھوں نے خواہ مخواہ طبری کو شریک کرنا چاہا ہے - جس کا جی چاہے طبری کا محوّلہ مقام کھول کر دیکھ لے -

اب نفسِ استدلال کا تجزیہ کیجئے -

حضرت سعدؓ کون ہیں ——— ان دس صحابہ میں سے ایک جنھیں اللہ کے سچے رسول ﷺ نے جنت کی بشارت دی - ان بدریین میں سے ایک جنھیں قرآن نے السابقون الاولون کا لقب عطا فرمایا - ان مجاہدینِ اُحد میں سے ایک جن کی رفعت و جلالت قرآن و حدیث سے ثابت - اور اس امتیازِ خاص میں تو ان کا کوئی سہیم و شریک ہی نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا تھا اے سعد تیر چلائے جا تجھ پر میرے باپ ماں قربان ! ——— اور یہ فخر بھی انھیں حاصل ہے کہ ایک بار اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا - یہ ہمارے ماموں ہیں - کوئی اپنا ایسا ماموں دکھائے تو ہم جانیں (بروایت حضرت جابرؓ - اُسدُ الغابہ) حالانکہ وہ حضور ﷺ کے حقیقی ماموں نہیں تھے مگر صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کا تعلق قبیلۂ زہرہ سے تھا اور سعد بھی اسی قبیلے سے متعلق تھے حضور کی والدہ ان کی چچا زاد بہن لگتی تھیں - بس اس رعایت سے حضور ﷺ نے انھیں اپنا ماموں کہا اور تحدیث و انبساط کے سیاق میں کہا -

اب یہ بھی دیکھئے کہ وہ قادسیہ کے محاذ پر سالار کیسے بنتے ہیں - حالات خطرناک ہیں - عام لوگ حضرت عمرؓ سے کہہ رہے ہیں کہ اب تو آپ ہی کی سالاری میں مہم سر ہو سکے گی - لیکن بڑے بڑے صحابہؓ اس سے متفق نہیں انھیں اندیشہ ہے کہ اگر اس معرکے میں شکست ہو گئی تو اسلام ہی کا خاتمہ ہے (بلاذری) مشکل یہ ہے حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ شام کے معرکوں میں گھرے ہوئے ہیں - درخواست حضرت علیؓ سے کی جاتی ہے مگر وہ بھی قبول نہیں کرتے - اتنے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اٹھتے ہیں (جو خود بھی عشرہ مبشرہ میں ہیں) اور حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کا نام پیش کر دیتے ہیں - یہ نام سامنے آنا تھا کہ جملہ حاضرین نے تائید کی اور حضرت عمرؓ نے منظور فرما لیا -

اب دوسری طرف ولید کا معاملہ لیجئے :-

وہ نہ مہاجر ہیں نہ انصاری - مکہ فتح ہو گیا اور سرزمین حجاز میں کفر و شرک کے لئے عزت و اقتدار کے تمام

امکانات کا دروازہ بند ہو گیا تو اس وقت جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں انھی میں ولید بن عقبہ بھی ہیں۔ پھر دورِ عثمانی کے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہی وہ صاحب ہیں جنھوں نے بنی مصطلق کے بارے میں اللہ کے رسولؐ سے غلط بیانی کی تھی اور اللہ نے اس پر انھیں فاسق قرار دیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حربی اور انتظامی دائروں میں ان کی کچھ خدمات بھی تھیں۔ ان خدمات کو کوئی کتنا ہی سجا بنا کر پیش کرے لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ خلافتِ اقدس کا دور وہ دور تھا جب بنیادی حیثیت دین و اخلاق کو حاصل تھی نہ کہ دنیاوی کارناموں کو۔ سنجیدہ اور ذمہ دار لوگ ایمان و اسلام کی خصوصیات کو اولیں اہمیت دیتے تھے نہ کہ ان کارناموں کو جو ایک غیر مسلم سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے ولید بن عقبہ کی خدمات ان کے قلوب و اذہان سے ولید کی اُس تصویر کو نہیں مٹا سکتی تھیں جو دین و اخلاق کے راویوں نے بنائی تھی۔ تدابیراً اسی لئے حضرت عمرؓ نے ولید کو ایک نصرانی قبیلے (بنی تغلب) کا تحصیلدار بنانا تو گوارا کیا لیکن گورنر جیسا کوئی عہدہ دینا پسند فرمایا۔

اور یہ بھی یاد رکھیے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ماں جائے (اخیافی بھائی) تھے اور یہ بھی نہ بھولئے کہ انھیں گورنر حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو معزول کر کے بنایا گیا تھا۔ اور یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ انھیں گورنر بنانا حضرت عثمانؓ کی صرف اپنی صوابدید تک محدود تھا جبکہ سعدؓ کی سالاری صحابہؓ کی فرمائش اور خواہش کے نتیجے میں قبول کی گئی تھی۔ "بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا"

اب طلبائے عزیز اور محترم جج اور جملہ انصاف پسند خود فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں شخصیتوں اور دونوں قصوں کو باہم نظیر بنانا دھاندلی اور کج بحثی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ بحث حضرت عثمانؓ کے گناہ و ثواب کی نہیں ہے بلکہ مودودی صاحب صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ جیسے حضرات کو معزول کر کے ولید جیسے لوگوں کو اونچے عہدے دینے کا اثر عوام کی نفسیات اور خیالات پر کیا پڑا۔ حضرت عثمان کا یہ عزل و نصب شرعاً اپنی جگہ اعتراض سے بالاتر ــــ اس کا نہ صرف اعتراف بلکہ اس پر اصرار مولانا مودودی نے بار بار کیا ہے (جس کا جی چاہے "خلافت و ملوکیت" دیکھ لے) لیکن شرعاً کسی فعل کا مباح ہونا یہ معنی تو نہیں رکھتا کہ اس کے طبعی اور منطقی اثرات و ثمرات کا بھی دروازہ بند ہو جائے۔

ایک خاص بات اور دیکھ لینی چاہیے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت سعدؓ کو جس وجہ سے معزول کیا تھا وہ وجہ ایسی نہ تھی کہ عوام بلا تکلف اسے ایک مناسب اور برحق وجہ تصور کر لیتے (تفصیل آگے آ رہی ہے) خود میاں صاحب نے اُس بنیاد کو جس کے پیشِ نظر معزولی ہوئی ایک "تاریخی معمہ" قرار دیا ہے (شواہد تقدس صـ۳۳ سطر ۲۰) جب صورتِ حال یوں ہو تو اور زیادہ قرینہ اس بات کا پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگوں نے سعدؓ کی معزولی اور ولید کی تقرری کو حضرت عثمانؓ کے جذبۂ اقربا پروری کا شاخسانہ سمجھا۔ اور کوئی پسندیدہ توجیہ ان کی سمجھ میں ولید اور عبداللہؓ بن سعد جیسے حضرات کے والی بنائے جانے کی نہ آئی ــــ

خلاصۂ بحث

ہم نے طے کیا ہے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ کے بارے میں مبسوط بحث کرنے سے قبل ان دیگر شخصیات کی بحث ختم کر لیں گے جن کے تعلق سے میاں صاحب نے مودودی صاحب کو ہدفِ طعن بنایا ہے۔ الحمد للہ ولید بن عقبہ کی بحث پوری ہوئی۔ اب اس بحث کو سمیٹ کر خلاصۂ بحث مستحضر کر لیا جائے تو اچھا ہے۔

ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ ولید بن عقبہ کے بارے میں مولانا مودودی نے جو کچھ لکھا وہ ٹھیک وہی ہے جو بڑے بڑے اساطین اور علماء و مشائخ لکھتے آ رہے ہیں اور "زورِ قلم" کا جو طعنہ میاں صاحب نے دیا تھا وہ سراسر افترا ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ میاں صاحب نے ولید کی توصیف میں غلو کا کمال اس حد تک دکھایا کہ سارے ہی مفسرین و محدثین کو جھٹلا دیا۔ انھوں نے تعصب اور طباعی کا جوڑ ملا کر

ایک "آدم زاد" کو جنم دیا جو ولید کو بہکاتا ہے اور یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسقؓ کا روئے خطاب بجائے حضورؐ اور ان کے اصحاب کے ولید کی سمت موڑ دیا حالانکہ تیرہ سو سالوں کے کسی مفسر نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے اُس شخص کی تکریم ہوتی ہے جسے اللہ "فاسق" کہہ کر مطعون کر رہا ہے۔

تیسری بات یہ کہ وہ تولنے کے دو باٹ رکھتے ہیں۔ مودودی صاحب جب کوئی روایت طبری سے بیان کریں تو وہ اس دلیل سے ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے کہ کتب تاریخ میں تو غلط سلط روایات بھری پڑی ہیں — خواہ طبری کے علاوہ مودودی نے اور متعدد حوالے دیئے ہوں لیکن جب میاں صاحب اسی طبری سے کوئی روایت اٹھاتے ہیں تو چاہے کوئی اور مورخ اور محدّث اس کی تائید نہ کر رہا ہو' لیکن وہ امرِ واقعہ اور شک سے بالاتر بن جاتی ہے اور اس کی کوئی احتیاج باقی نہیں رہتی کہ موصوف اس کی ثقاہت پر دلیل پیش کریں۔

چوتھی بات یہ کہ علمائے سلف اور محققین و محدثین کا کوئی احترام میاں صاحب کے قلب میں نہیں۔ انھیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ مودودی کو جھٹلاتے ہوئے میں نے کن کن بزرگوں کو جھٹلا دیا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ وہ تعصّب کا اس بری طرح شکار ہیں کہ خود اپنی ہی گل افشانیوں کے مضمرات' عواقب اور منطقی نتائج کا ادراک نہیں کر پاتے' چنانچہ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ ولید کے مقدمے میں گواہوں کے ناقابل اعتبار ہونے کا فیصلہ دے کر انھوں نے خود کو حضرت عثمانؓ و علیؓ سے زیادہ دُور اندیش' ژرف نگاہ' معاملہ فہم اور زیرک باور کرانا چاہا اور یہ اندازہ نہیں کر سکے کہ یہ کتنی بڑی اہانت ہے جو انھوں نے ان دونوں صحابہؓ کی اور ضمناً دوسرے صحابہؓ کی کی ہے۔ آخر کیا عثمانؓ و علیؓ کو حضورؐ کی یہ بنیادی ہدایت معلوم نہیں تھی کہ حدود کو شبہات کے ذریعے دفع کرو۔ کیا وہ گواہوں کے قابلِ اطمینان نہ ہوتے ہوئے بھی اتنی بے تکلفی سے حد جاری کر سکتے تھے۔ حالانکہ شبہ کی موجودگی میں حد کا اجرا گناہِ کبیرہ ہے۔

اور بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ انشاء اللہ آگے آپ دیکھیں گے کہ علم و استدلال کی تابڑ توڑ غلطیوں کے علاوہ انھوں نے ازراہِ نادانی مزید توہین بھی صحابہؓ کی کی ہے۔ حالانکہ ابتدائے کتاب میں مودودی کی ضد پر صحابہؓ کے بارے میں وہ ایک ایسا تصور پیش فرما آئے ہیں جو تجزیہ و تحلیل کے بعد انبیاء علیہم السلام تک پر فٹ نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابہؓ پر اس پر ہم سیر حاصل بحث کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق وہو المستعان۔

بے سرو پا اور بچکانہ باتیں

ورق ورق پر میاں صاحب کس قسم کی مزید اوٹ پٹانگ باتیں کرتے گئے ہیں کہیں کہیں اس پر بھی نظر ڈالتے چلیں گے تاکہ قارئین کو تھوڑی سی تفریح بھی حاصل ہوتی رہے۔ اب مثلاً ولید ہی کی بحث میں سنئے۔ وہ صفحہ ۷۴ پر فرماتے ہیں :-

> "مودودی صاحب جہاں چاہتے ہیں جملہ مورخین کا لفظ تحریر فرما کر مرعوب فرماتے ہیں لیکن ان کی دیانت داری نے اجازت نہیں دی وہ جملہ مورخین کے اس بیان کو بھی تحریر فرما دیتے کہ ولید کوفہ کے گورنر ہوئے تو وہی کوفہ والے جنھوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف طوفان کھڑا کیا تھا ولید کے ایسے گرویدہ تھے کہ ولید کو اپنے تحفظ کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ پھاٹک پر کوئی دربان ہی مقرر کرتے اور جب ان کو معزول کیا گیا تو کوفہ کی باندیاں تک غمگین تھیں۔ لڑکیاں ماتمی لباس پہن کر اشعار پڑھتی تھیں۔"

دیکھ رہے ہیں آپ ؟ مودودی اگر اپنی روایات کے بارے میں یہ دکھلاتے چلے گئے ہیں کہ میں نے گہری پڑی

یا مردود و موضوع روایات نہیں لی ہیں بلکہ ان ثقہ روایات پر بھروسہ کیا ہے جن پر تمام مؤرخین اور اہلِ علم بھروسہ کرتے ہیں تو میاں صاحب اس پر رعب ڈالنے کا طنز فرماتے ہیں۔ اسی کے لئے شاعر نے کہا ہے:-

ہنر بچشمِ حسوداں بزرگ تر عیبست

خیر طنز سر آنکھوں پر! سوال یہ ہے کہ کیا مودودی صاحب ولید کی سوانح حیات لکھ رہے تھے جو اس اعتراض کا کوئی موقعہ ہو کہ انھوں نے ولید کی فلاں بات تو لکھ دی اور فلاں نہیں لکھی۔ اور کیا میاں صاحب مودودی کو بھی اپنا جیسا فضول نگار گمان کرتے ہیں کہ بے محل طول نگاری کرتے چلے جائیں۔ خلافت و ملوکیت میں جہاں ولید کا ذکر آیا ہے وہاں اس کی بحث ہی نہیں کہ گورنری کے بعد ولید کا کیا کردار رہا۔ لوگ اسکے گرویدہ ہوئے یا اس سے کبیدہ۔ اس نے اچھی خدمات انجام دیں یا بری۔ وہاں صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ جیسے صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ جس شخص کو دی وہ ان کا ماں شریک بھائی تھا اور وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے بارے میں سب لوگ جانتے تھے کہ اسے قرآن نے فاسق کہا ہے۔ گویا دین و تقویٰ کے رُخ پر اس کا کوئی مقام نہ تھا۔ پھر جب ثبوتِ جرم کے بعد اسے بادہ نوشی کی سزا دے کر معزول کیا گیا تو لوگوں کے اس خیال کی تصدیق ہوگئی کہ رسول اللہؐ سے جھوٹ بولنے والا اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والا یہ آدمی وہ خصوصیات بہرحال نہیں رکھتا جو صحابیت کی شان کے مطابق اور جاہلیت کے اثرات و میلانات سے پاک ہوں۔

کوئی بتائے اس موقع پر مودودی صاحب کے لئے اس تفصیل میں جانے کا کیا موقع تھا کہ دورانِ گورنری میں اہلِ کوفہ ولید سے خوش رہے یا ناراض۔ خوش رہے ہوں جب اور ناراض رہے ہوں جب۔ اس فرق سے آخر ان حقائق میں کیا فرق واقع ہوتا ہے جو اس موقع پر مودودی صاحب کا موضوعِ کلام ہیں۔ وہ یہ دعویٰ لیکر نہیں چلے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمّال نالائق تھے۔ اگر یہ دعویٰ لے کر چلتے تو بے شک اُن روایات کو نظر انداز کرنا بددیانتی کہلاتا جن سے ان عمّال کی لیاقت ظاہر ہوتی ہو۔ مگر ان کا یہ دعویٰ ہے ہی نہیں۔ وہ تو اس کے برعکس خود یہ کہتے ہیں کہ:-

"اپنے خاندان کے جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیئے انھوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا۔"

ان کے اس اعتراف کو میاں صاحب نے اسی جگہ نقل بھی کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ ولید یا کسی بھی عثمانی عامل کی فی الواقعی صلاحیتوں کا انکار وہ ہرگز نہیں کرتے لیکن ان کا دعویٰ اور محورِ گفتگو تو فقط یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عزیزوں کو مناصب دینے میں فیاضی برتی۔ پھر کیا موقع تھا کہ وہ اُس تفصیل میں جاتے جس کا حوالہ دے کر میاں صاحب بددیانتی کا الزام لگا رہے ہیں۔

یہ تو الزام آرائی کا جواب ہوا۔ اب یہ بھی دیکھئے کہ میاں صاحب جس بات کو "جملہ مؤرخین کا بیان" فرما رہے ہیں وہ بجائے خود کس حد تک درست ہے۔ کوفے میں ولید کی گورنری کا عرصہ پانچ سال سے زیادہ نہیں۔ اگر کوفے کے سیاسی و معاشری حالات کو تاریخوں سے یکجا کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خواص اور دیندار حضرات کا ایک بڑا حلقہ پہلے ہی دن سے ولید کی تقرری کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ حلقہ وسیع تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اکثر اشراف اور تمام یمنی (جو کوفے کی آبادی میں اکثریت رکھتے تھے) اور اکثر مضری (جو اگرچہ تھوڑے تھے مگر تھے) مخالفین کی صفوں میں شامل ہوتے گئے۔ ہم ان حقائق کے لئے حوالوں کے ڈھیر لگا سکتے ہیں لیکن طول سے بچنے کے لئے صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ خود میاں صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ حقائق کتنے واضح ہوگئے ہیں۔ جس صفحے سے ہم نے اوپر کی عبارت نقل کی اس سے چند ہی صفحات قبل میاں صاحب محض یہ باور کرانے کے لئے کہ ولید کو سزا غلط دی گئی

شراب نوشی کے گواہ جھوٹے تھے۔ یہ رقم فرمایا ہے کہ ولید کے خلاف :—

"پروپیگنڈے کا وہ عالم تھا کہ نہ صرف کوفہ بلکہ مدینے کی فضا بھی ان کے پروپیگنڈے سے گونج اٹھی اور یہ عام سوال پیدا کر دیا گیا کہ آخر ولید کو سزا کیوں نہیں دی جاتی۔" (شواہد تقدس ص۴۲)

اب اگر ہم میاں صاحب کو عالم الغیب مان کر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ پروپیگنڈہ سو فیصدی جھوٹا تھا اور اس کی پشت پر ولید کے کچھ حقیقی عیوب نہیں پائے جاتے تھے تب بھی یہ حقیقت تو بہرحال مصرح ہو کر رہی کہ میاں صاحب نے جن صفحے بعد جو نقشہ ولید کی بے پناہ مقبولیت کا کھینچا ہے وہ محض افسانہ ہے۔ اس میں ایسا غلو ہے جس کی واضح تردید خود میاں صاحب کی یہ سطور کر رہی ہیں۔ اگر ایک حاکم کے بارے میں یہ سوال جملہ عوام کی زبانوں پر آ جائے کہ اسے سزا کیوں نہیں دی جاتی تو کیا عین اسی کا نام نامقبولیت نہیں ہے ۔۔۔ کیا پھر بھی اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگ اس کے گرویدہ ہیں۔ اور دیکھئے اسی جگہ میاں صاحب بخاری کی یہ روایت بھی پیش فرماتے ہیں :—

"عبیداللہ بن عدی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسور بن مخرمہؓ اور عبدالرحمانؓ بن الاسود بن عبد یغوث نے مجھ سے فرمایا۔ حضرت عثمانؓ تمہارے ماموں ہیں تمہیں کیا رکاوٹ ہے تم ان سے ان کے بھائی ولید کے بارے میں بات کیوں نہیں کرتے۔ حضرت عثمانؓ جو ان کے معاملے میں ڈھیل دے رہے ہیں اس سے لوگوں میں بہت چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔" (ص۴۲)

کیا مطلب ہوا اسکا؟ یہی نا کہ ولید کی بدعنوانیوں اور نامناسب حرکتوں سے بیزاری عام ہو گئی ہے حتیٰ کہ دو صحابی حضرت عثمانؓ کے بھانجے عبیداللہؓ سے فرمائش کرتے ہیں کہ اپنے ماموں کی توجہ اس مسئلے کی طرف مبذول کراؤ۔ ان سے کہو کہ سب ولید سے بدظن ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسے یہاں سے ہٹا دیا جائے یا کم سے کم اس کی اصلاح کی جائے۔

اے اہلِ انصاف! انصاف کیجئے کیا کوئی ایسا شخص جسے مسائل و معاملات کا کچھ بھی فہم و شعور ہو یہ روایات اپنے ہی قلم سے نقل کرنے کے بعد اگلے سانس میں یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ولید ایسے گورنر تھے جس پر تمام کوفہ جان چھڑکتا تھا۔

بے شک باندیوں اور لڑکیوں کی بات میاں صاحب نے ٹھیک کہی ۔۔۔ مگر یہ ولید کی تعریف ہے یا تنقیص؟ اگر تعریف ہے تو پھر مان لیجئے کہ وہ تو اس معاملے میں چاروں خلفاء راشدین سے بھی بازی لے گیا۔ تاریخوں میں آپ کہیں نہیں پائیں گے کہ چاروں خلفاء میں کسی بھی خلیفہ کی وفات پر باندیوں اور لڑکیوں نے خصوصی ماتم کیا ہو۔

افسوس ہے کہ میاں صاحب نے "باندیوں اور لڑکیوں" کا خصوصی ذکر ایک ایسے شخص کے پیش نظر میں کیا جسے بادہ خواری کی سزا دی گئی۔ ہم ایک صحابی کے بارے میں ایسی کوئی بدظنی نہیں کر سکتے جس کا ثبوت تاریخ میں موجود نہ ہو لیکن ہمارے جنس زدہ سماج کے وہ عوام جو میاں صاحب کی کتاب پڑھیں گے کیا اس خصوصی ذکر سے "شراب اور عورت" کے معروف تعلق کا گندہ تصور اپنے ذہنوں میں نہ لائیں گے۔ انھیں کیا معلوم پس منظر کیا تھا۔ کیوں کوفے کی لونڈیاں ولید کے عزل پر ماتم کناں تھیں۔ عقلِ سلیم خدا نے دی ہوتی تو میاں صاحب یہ تذکرہ ہی نہ چھیڑتے اور چھیڑا تھا تو اسے مجمل نہ چھوڑتے۔

ہم بتلاتے ہیں کہ لونڈی غلاموں کو خصوصی رنج ولید کی معزولی پر کیوں ہوا تھا۔ ولید چاہتے تھے کہ عام مخالفت اور بیزاری کا توڑ ان لونڈی غلاموں کے ذریعے کریں جن کی یہاں کثرت تھی۔ ان کے لئے انھوں نے ماہانہ وظیفے مقرر کئے اور مالِ غنیمت سے بھی انھیں نوازا تاکہ ضرورت پڑے تو اشراف کے مقابلے میں انھیں استعمال کریں۔ یہ ایک سیاسی طریق کار تھا۔ ڈپلومیسی تھی۔ آپ چاہیں اسے خلوص یا انسانی ہمدردی پر مبنی قرار دے لیں۔

مگر اس کا یہ نتیجہ بہر حال ہوا کہ اشراف اور زیادہ بگڑ گئے۔ بھلا کون یہ گوارا کرے گا کہ اس کے غلاموں اور لونڈیوں کو مال کے ذریعہ بد دماغ بنایا جائے اور خرمن ہی میں ایسی بجلیوں کی پرورش کی جائے جو کسی بھی وقت خرمن کو پھونک کر رکھ دیں۔ ظاہر ہے کہ جس مخصوص طبقے کو ایک حاکم سے مالی منفعت پہنچ رہی ہوگی وہ لازماً اس کے عزل پر ملول ہوگا' چنانچہ تاریخ میں لونڈیوں کے مرثیے محفوظ ہیں جن میں سے دو شعر بطور تفریح آپ بھی سن لیں۔

یا ویلتا قد عُزِلَ الولید — وجاءنا مجوّعاً سعید

ینقص فی الصاع ولا یزید — فجوّع الاماء والعبید

(سخت افسوس ہے کہ ولید معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہ بھوکا رکھنے والا سعید آیا ہے جو ناپ تول میں اضافے کی بجائے کمی کرتا ہے پس لونڈی غلام خالی پیٹ ہیں)۔

اچھا میاں صاحب کی خاطر چند منٹ کے لئے مان ہی لیجئے کہ ولید کوفے کا ہردلعزیز گورنر تھا مگر جب آپ تاریخ کا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دورِ ولید کے کوفے میں کثرت اب اُن لوگوں کی نہیں ہے جو دینی اصول و اقدار کے غیر معمولی حامی اور اسلامی طرزِ عدل کے مشتاق ہوں۔ جن کی نظر میں دنیا مؤخر ہو اور آخرت مقدم۔ جو حاکموں کی ہر دوسری صلاحیت سے زیادہ ان کے دین و اخلاق اور پرہیزگاری پر نظر رکھتے ہوں۔ بلکہ ایسے لوگوں کی ہے جن کی قدریں اور معیار تبدیلی کی طرف مائل ہیں جنھیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے وافر محبت ہے۔ جو معاملات کو تقویٰ اور شریعت کے محتاط زاویوں سے دیکھنے کے بجائے دنیاوی مفادات اور مادّی اغراض کے زاویوں سے دیکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اگر ایسے کوفے میں کسی حاکم کو ہردلعزیزی اور گرویدگی حاصل ہو بھی تو یہ اسے عادل' پرہیزگار' صاحب کردار اور مردِ مومن ثابت نہیں کرتی بلکہ اُلٹا یہ تاثر دیتی ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ یہاں ہردلعزیزی کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ڈھیل ڈال دی گئی ہے۔ ان بندشوں کے حلقے کشادہ کر دیئے گئے ہیں' جنھیں حضرت عمرؓ نے اس لئے عائد کیا تھا کہ فتوحات اور دولت اور عجمی تہذیب و تمدن کے اثرات خدا پرستوں کو خدا فراموش نہ بنادیں اور جاہلیت پھر سے ان کے اندر اپنا حلقہ نہ بنالے۔ ظاہر ہے کہ ایرانی نومسلم اور لونڈی غلام اس سے تو خوش نہ ہوسکتے تھے کہ قدم قدم پر ان سے نئے دین کی پابندی اور اسلامی آداب و اخلاق اور شرعی معیارِ عفت و حیا کے مطالبات کئے جائیں بلکہ وہ تو یقیناً اسی میں خوش رہ سکتے تھے کہ انھیں اپنی جاہلی عادتوں اور پسند و ناپسند کے قدیمی معیاروں کے سلسلے میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور انعام و اکرام سے ان کی تواضع کی جائے۔

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاصؓ

ولید بن عقبہ کے فوراً بعد حضرت سعدؓ جیسے صحابی جلیل کو موضوعِ گفتگو بنانا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہی ہیں جنھیں معزول کر کے ولید کو گورنر بنایا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ضروری ہے کہ عزل و نصب کا یہ واقعہ کیوں اور کیسے پیش آیا۔

لیکن اس سے قبل "شواہد تقدس" میں سے ایک ایسا نمونہ آپ دیکھتے چلیں جس سے مولانا محمد میاں صاحب کی یہ پوزیشن آپ پر واضح ہو جائے کہ ذائقہ تو خود ان کے منھ کا اندرونی بخار نے بگاڑ رکھا ہے مگر وہ خفا ہو رہے ہیں کھانا پکانے والے پر کہ تو نے سالن بدمزا بنایا۔

شواہد تقدس کے صفحہ 115 پر وہ لکھتے ہیں:۔

"مودودی صاحب کا یہ فقرہ کتنا مغالطہ انگیز اور تلبیس آمیز بلکہ توہین آمیز ہے"۔

کونسا فقرہ؟ ـــــ یہ کہ:۔

"حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو معزول کر کے انھوں نے کوفے کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک عزیز سعیدؓ بن عاص کو دیدیا۔" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۰۷)

اسے کہتے ہیں کیڑے ڈالنا اور بے پر کا کبوتر بنانا۔

جن واقعات کا اس فقرے میں ذکر ہے ان میں سے کونسا واقعہ ہے جو مسلّمات میں داخل نہ ہو یا خود میاں صاحب اس سے منکر ہوں۔ (۱) حضرت سعدؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول کیا (۲) ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر فرمایا۔ (۳) ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ کے ماں شریک بھائی تھے (۴) انھیں ہٹایا تو ان کی جگہ سعیدؓ بن عاص کو مقرر کیا۔ (۵) سعیدؓ بن عاص حضرت عثمان کے عزیز تھے۔

قارئین بتائیں کیا ان پانچ اجزاء کے سوا بھی مولانا مودودی کے فقرے میں کوئی بات کہی گئی ہے۔ کوئی طعن کوئی گالی کوئی عبارت آرائی؟

اور یہ پانچوں اجزا ناقابل انکار ہیں۔ صرف پانچویں جز کے بارے میں میاں صاحب نے آگے ذرا سی نکوچ نکالی ہے مگر انکار پھر بھی نہیں کر سکے ہیں۔ تب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس فقرے کے بارے میں اتنے شاندار سے بین الزامات بڑے برے لہجے میں صادر کرنا اگر مزاج کا بگاڑ اور دماغ کا عدم توازن نہیں تو پھر کیا ہے۔ اللہ اکبر مغالطہ آمیز، تلبیس آمیز بلکہ توہین آمیز!۔۔۔

جو نکوچ نکالی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیجئے ۔۔۔ صفحہ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں:۔

"حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اتنا تعلق ضرور تھا کہ وہ آپ کے ہم جد تھے مگر سعید بن العاص کو پروان چڑھانے والے سیدنا عمر بن الخطاب تھے۔"

تو کیا مودودی نے انھیں عثمانؓ کا سگا بھائی یا بھتیجا یا بھانجا بتادیا تھا؟ ۔۔۔ کیا "ہم جد" ہونے اور "عزیز" ہونے میں کوئی تناقض ہے جو یہ کنّی کاٹی جا رہی ہے۔ "خلافت و ملوکیت" پڑھ کر جس کا جی چاہے دیکھ لے مودودی صاحب یہ تذکرہ فرما رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا کثرت سے اپنے اہل خاندان کو عہدے دینا اضطراب کا باعث بن گیا تھا۔ ۔۔۔ اس موضوع پر مفصّل گفتگو تو ہم "حضرت عثمانؓ" کے عنوان سے کریں گے۔ یہاں اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ حضرت سعیدؓ اموی تھے قریشی تھے اور مزید یہ کہ خلیفہ ہونے سے پہلے حضرت عثمانؓ ہی نے انھیں پالا تھا۔ میاں صاحب نے یہ جو فرمایا کہ انھیں پروان چڑھانے والے حضرت عمرؓ تھے اسے کہتے ہیں مغالطہ انگیزی۔ اس کا مطلب ایک عام قاری یہی تو لے سکتا ہے کہ بچپن میں ان کی پرورش حضرت عمرؓ نے کی تھی ۔۔۔ خیر سے میاں صاحب نے صفحہ ۵۸ پر بھی طبری کے حوالے سے یہ فرمایا ہے کہ "ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پروان چڑھایا تھا" ۔۔۔ مگر ہم بتائیں کہ جو کچھ طبری نے کہا وہ یا تو اسے سمجھے نہیں ہیں یا قصداً مغالطہ دے رہے ہیں۔ واقعہ صحیح یوں ہے کہ انھیں حضرت عثمان ہی نے اپنے خلیفہ ہونے سے قبل پالا پوسا تھا۔ پھر وہ شام حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے تھے۔ یہ تو بعد کی بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب قریشیوں کی تلاش کی تو ان کے بارے میں پتہ چلا کہ شام میں ہیں اور مریض ہیں۔ انھوں نے معاویہؓ کو لکھا کہ انھیں میرے پاس بھیجدو۔ وہ مدینے پہنچتے ہی صحت مند ہو گئے۔ اس کے بعد بے شک حضرت عمرؓ نے انھیں اپنے ساتھ رکھا۔ شفقت کی۔ پھر ان کی شادی بھی کرادی۔ مگر جس طرح دونوں جگہ میاں صاحب نے عبارت آرائی فرمائی ہے کیا اس میں یہ چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی کہ بچپن میں سعیدؓ کو عثمانؓ ہی نے پالا تھا۔

اور چلئے اسے چھوڑیئے۔ ہم کہتے ہیں حضرت عمرؓ کا انھیں پالنا کیا اُن کی اُس عزیزداری کو ختم کر دیتا ہے جو حضرت عثمانؓ سے ان کی تھی ۔۔۔ کیا یہ پرورش انھیں خاندانِ عمرؓ میں شامل کر گئی اور لوگ بھول گئے کہ وہ بنو امیہ میں سے ہیں۔ عثمان کے ددھیالی عزیز ہیں۔

آگے اپنے موقع پر ہم بتائیں گے کہ حضرت عمرؓ نے

جو تنبیہ کی تھی وہ یہی تھی کہ اے علیؓ اے عثمانؓ اے سعدؓ بن ابی وقاص تم میں سے جو بھی خلیفہ بنے خبردار اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگوں کو عوام کے سروں پر مسلط نہ کر دینا۔ یہ تنبیہ جہاں حضرت عثمانؓ کے ماں جائے ولید کو محیط ہے وہیں ان کے ہم جد ہم قبیلہ ہم خاندان سعیدؓ کو بھی محیط ہے۔

میاں صاحب نے کسی نے اور سیکھتڑ وکیل کی طرح اس موقع پر حضرت سعیدؓ کے کارناموں کا ذکر چھیڑ دیا ہے۔ گویا سعید کا مستقبل میں اچھے کارنامے کرنا کوئی ایسی دلیل ہو جس سے حضرت سعیدؓ اور حضرت عثمانؓ کی رشتہ داری کا قصہ تمام ہو جاتا ہو!

بہرحال مودودی کی عبارت کے پانچوں اجزا آپ نے دیکھ لئے کہ مسلمات کے قبیل سے ہیں اور انھیں بیان کرتے ہوئے مودودی نے کوئی حرف تحقیر، تضحیک، طنز اور تمسخر کا نہیں کہا ہے۔ پھر بھی میاں صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ تلبیس ہے۔ مغالطہ انگیزی ہے۔ اہانت ہے! —— بتائیے پھر ہم نے کیا غلط کہا کہ کڑواہٹ کھانے میں نہیں ہے بلکہ کھانے والا ہی شدید بخار میں مبتلا ہے۔

اب چلیے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف چلتے ہیں۔

وہ کیوں معزول ہوئے۔ اس کی وجہ کا تذکرہ میاں صاحب ان الفاظ میں شروع کرتے ہیں:—

> "سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں رکوفے میں۔ تجلی) قطب الارشاد کی حیثیت سے قیام فرما تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہاں مامور فرمایا تھا۔ درس قرآن، علمی مذاکرات (درس حدیث) افتاء و قضا اور احتساب (عوام کے اخلاق کی نگرانی) آپ کے فرائض تھے۔ ان کے علاوہ بیت المال کے امین اور نگراں بھی آپ ہی تھے۔" صہ ۳۳

ذرا ٹھیر جائیے۔ اس عبارت کو پڑھ کر عام قاری کیا اس کے سوا بھی کچھ سمجھے گا کہ حضرت عمرؓ نے انھیں کوفے میں تعلیم و تبلیغ اور بیت المال کی نگرانی کے لئے مامور فرمایا تھا۔ مگر تعجب کیجئے کہ واقعہ یوں نہیں ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے تو آپ کو صرف تعلیم و ارشاد ہی کیلئے مامور کیا تھا اور بیت المال پر ان کا تقرر حضرت عثمانؓ نے اس وقت کیا ہے جب سعدؓ بن ابی وقاص وہاں کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں کوفے کے بیت المال سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اس تجزیئے سے گو کہ نفس بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن ہم دکھلانا یہ چاہتے ہیں کہ "خلافت و ملوکیت" جیسی کتاب پر جس کا ایک ایک لفظ کسی اعلیٰ درجے کی مشین کے پرزوں کی طرح اپنی جگہ فٹ ہے تنقید کرنے وہ بزرگوار چلے ہیں جنھیں اپنا ما فی الضمیر ادا کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ پھر مزا یہ ہے کہ محترم مولانا عبدالماجد دریابادی انھیں انشا پرداز بھی مانتے ہیں؟

دوسرا لطیفہ یہاں اور سن لیجئے۔ "قطب الارشاد" تصوف کی اصطلاح ہے۔ جیسے ابدال اور مجذوب وغیرہ۔ میاں صاحب اس اصطلاح کے ذریعہ دانستہ یا نادانستہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ کو اس تصوف سے وابستہ کر رہے ہیں جس کی پرچھائیں تک ان کے یہاں نہیں ملتی اور جو بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سیدھی سادی بات اہل کوفہ کو لکھی تھی کہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے دین کی تعلیم حاصل کرو۔ یہ اس درجے کے آدمی ہیں کہ خود مجھے ان کی ضرورت تھی مگر اپنی ضرورت پر تمھاری فلاح و صلاح کو ترجیح دے رہا ہوں۔ میاں صاحب نے اس بات کو تاریخی صداقت بیانی کا خون کرتے ہوئے "قطب الارشاد" کی طبع زاد اصطلاح سے جوڑ دیا۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں دکھا سکتے کہ کسی نے ابن مسعودؓ کو "قطب الارشاد" کی حیثیت دی ہو۔

فرق اس سے بھی اصل بحث میں کچھ نہیں پڑتا مگر یہ تو منکشف ہوتا ہی جا رہا ہے کہ میاں صاحب الفاظ کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی کتنی قابلیت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے وہی معروف قصہ لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا اور جب ابن مسعودؓ نے اس کی ادائگی چاہی تو انھوں نے مہلت مانگی ابن مسعودؓ تیار نہ ہوئے۔ بات بڑھ گئی۔ خبر حضرت عثمانؓ تک پہنچی۔ وہ دونوں پر بگڑے۔ مگر معزول صرف سعدؓ کو کیا۔ ابن مسعودؓ کو نہیں۔

اس کے بعد میاں صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ناراضگی بسرِ چشم، لیکن ایک صاحب بصیرت جو حضرات صحابہؓ کی عظمت سے واقف ہے اس کے لئے یہ واقعہ ایک تاریخی معمہ ہے۔" ص۳۳

خیال فرمایا آپ نے ——— میاں صاحب "لیکن" کہہ کر خود حضرت عثمانؓ سے اختلاف رائے کرنے چلے ہیں! ——— یہ در اصل وہی انشاء کی خامی ہے ورنہ مقصد ان کا حضرت عثمانؓ سے اختلاف نہیں بلکہ اس روایت سے اختلاف ہے۔

انھوں نے جو کچھ کہا اس سے ہم بھی کسی درجے میں متفق ہیں۔ واقعی حضرت سعدؓ جیسا آدمی باوجود دولتمند ہونے کے ادائگی قرض میں ٹال مٹول کرے یہ بات دل کو نہیں لگتی۔ نہ یہ بات آسانی سے باور کی جاسکتی ہے کہ ابن مسعودؓ بجائے مہلت دینے کے لڑنے مرنے کو تیار ہو جائینگے بعض روایات میں تو یہاں تک آیا ہے کہ دونوں حضرات نے اپنے حامیوں کی جماعتیں بنالیں۔ یہ خاصا پیچیدہ مسئلہ ہے اور میاں صاحب کا اسے معمہ کہنا بجا۔ لیکن اس معمہ کا حل انھوں نے کیا فرمایا ہے، یہ ہے دیدنی۔ —

وہ فرماتے ہیں کہ :-

"یقیناً یہ صورت ہوگی کہ یہ قرض حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے بحیثیت گورنر یا امیر مملکت کسی قومی ضرورت کے لئے لیا تھا۔ پھر بحث یہ ہوئی کہ اس کی ادائگی ضروری ہے یا بیت المال کے مدّاتِ صرف میں یہ ضرورت بھی داخل ہے تو یہ رقم وہاں صرف ہوئی جہاں صرف ہو سکتی ہے لہذا اس کی ادائگی ضروری نہیں۔" ص۳۵

ہم کہتے ہیں کیا ذاتی اور قومی ضرورتیں ایسی مماثل مشابہ بھی ہو سکتی ہیں جو آسانی سے ان کا تجزیہ نہ ہو سکے اور آسانی سے یہ نہ جانا جاسکے کہ فلاں ضرورت ذاتی ہے یا ملکی و اجتماعی۔ میاں صاحب کو جب اتنی جرأت کی تھی کہ اپنے اجتہاد کو یقیناً کہہ کر پیش کیا تو انھیں یہ بھی چاہیے تھا کہ ایک دو مثالوں سے بات سمجھاتے۔ پڑھنے والے کو پتہ تو چلتا کہ واقعی فلاں ضرورت اس قسم کی ہے کہ اس کے ذاتی یا سرکاری ہونے میں دو رائے کی گنجائش ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ میاں صاحب کا یہ اجتہاد دل میں اُتر جانے والا نہیں ہے۔ تاہم آگے چلیے :-

"یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا جس میں امیر (گورنر) اور امین بیت المال (وزیر خزانہ) کا اختلاف ہوا ہر ایک اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم رہا۔ ایسی صورت اگر پیش آجائے تو لامحالہ کسی ایک کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ ہماری اس توجیہہ کی بیّن دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس منصب سے الگ ہو گئے تو یہ قضیہ بھی ختم ہو گیا۔ ذاتی قرض تھا تو اس کی ادائگی لامحالہ ضروری تھی حضرت سعدؓ خود ادا نہ کرتے تو بذریعہ قضا ان سے وصول کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال فیصلۂ درایت یہی ہے کہ قرض ذاتی نہیں تھا اور یہ اختلاف اجتہادی تھا۔" ص۳۵

اس ارشادِ گرامی پر ہمارا جو اصل اعتراض ہے اس کا عنوان ہم رکھتے ہیں "بند آنکھیں"۔

بند آنکھیں لیکن اصل اعتراض سے پہلے میاں صاحب کی تحریری قابلیت کا تجزیہ یہاں بھی کریں گے۔ کیا اس

عبارت میں میاں صاحب نے صاف یہ نہیں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے استعفیٰ پیش کیا اور خود علیحدہ ہوئے حالانکہ وہ خود بھی آگے پیچھے یہ تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں کہ سعدؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول کیا تھا۔ اور جملہ تاریخیں بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ یہاں استعفیٰ کی بات انھوں نے دل سے گھڑی اور بلا تکلف پیش کردی۔ بالکل بھول گئے کہ جس لفظ "عزل" کو وہ خود بھی استعمال کرتے چلے آرہے ہیں اس کے معنی ڈِس مِس کئے جانے کے ہیں خود الگ ہونے اور استعفاء دینے کے نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ابھی آپ نے ان کی "قطب الارشاد" والی عبارت پڑھی۔ اس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ ابن مسعودؓ کا بیت المال کی امانت داری و نگرانی کرنا ایک ضمنی و ثانوی سا فریضہ تھا اور اصل بڑا فریضہ وہ تھا جس کے بیان میں میاں صاحب نے کئی سطریں خرچ کی ہیں۔ لیکن یہاں انھوں نے ابن مسعودؓ کو "وزیر خزانہ" لکھ دیا ہے جس سے پہلے تاثر کی تردید ہو جاتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ضمنی و ثانوی نہیں بلکہ سرکاری حیثیت میں واحد فریضہ ان کا بیت المال ہی کا انصرام تھا۔ یہ الفاظ اور جملوں کے صحیح استعمال سے محروم ہونے کے شواہد ہیں۔

اب اصل اعتراض سنیئے جس کی خاطر عنوان رکھا گیا ہے:۔

ان کا فیصلہ یہ ہے کہ قرض ذاتی نہیں تھا۔ دلیل یہ ہے کہ ذاتی ہوتا تو ان سے لازماً وصول کیا جاتا۔ بخوشی نہ دیتے تو زبردستی لیا جاتا۔ چونکہ نہیں لیا گیا لہٰذا اس کا ذاتی نہ ہونا مسلّم۔

اب آیئے ہم آپ کو وہی طبری دکھاتے ہیں جس سے میاں صاحب اپنی ساری کتاب مرتب فرما رہے ہیں، اور حوالے پر حوالہ دیتے جا رہے ہیں۔ اس کتاب کی جلد پنجم اٹھا کر صفحہ ۴۸ کھولئے۔ (الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ۔ علیٰ نفقۃ السید محمد عبد اللطیف الخطیب وشرکاہ) ابن جریر طبری یہی سعد اور ابن مسعود والے قصے کی تفصیل لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب بات بڑھی اور ابن مسعودؓ نے ادائگی کا سخت تقاضا کیا تو:۔

فلم یتیسّر علیٰ سعد قضائہ غضب علیھما عثمان وانتزعھما من سعد وعزلہ۔

سعد پر اس قرض کی ادائگی آسان نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ دونوں (سعد اور ابن مسعود) پر بگڑے اور وہ قرض سعد سے وصول کر کے انھیں معزول کر دیا۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

بے شک آپ شروع میں دیکھ آئے ہیں کہ عربی میں میاں صاحب بہت کچھ معذور ہیں مگر یہ یقین کرنا پھر بھی مشکل ہے کہ جس فقرے پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے اسے وہ نہ سمجھ سکے ہوں گے۔ طلبائے عزیز دیکھیں کیا یہ بھی کوئی ایسا پیچیدہ فقرہ تھا کہ شیخ الحدیث معنی نہ سمجھ سکے۔

اور دیکھئے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ طبری میں اسی جگہ ایک اور روایت بھی موجود ہے:۔

عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحۃ قالا لما بلغ عثمان الذی کان بین عبد اللّٰہ و سعد فیما کان غضب علیھما وھم بھما ثم ترک ذلک وعزل سعدا واخذ ما علیہ۔

ہمیں شعیب سے، شعیب کو سیف سے اور سیف کو محمد و طلحہ صاحبان سے خبر ملی) ان دونوں صاحبان نے کہا کہ جب حضرت عثمانؓ کو اس قضیے کی خبر پہنچی جو عبد اللہ ابن مسعودؓ اور سعدؓ کے درمیان واقع ہوا تو وہ دونوں پر غصے ہوئے اور دونوں کے بارے میں ایک ارادہ فرمایا (مگر) پھر اسے ترک کر دیا اور صرف سعدؓ کو معزول کیا اور جو قرض ان پر چاہیئے تھا وہ وصول کر لیا۔

گویا ایک نہیں دو روایتیں اسی کتاب میں جسے میاں صاحب کھولے بیٹھے ہیں موجود ہیں کہ قرض سعد سے وصول کر لیا گیا۔ حد ہے کہ یہ روایات جلد پنجم کے صفحہ ۴۸ پر ہیں اور میاں صاحب نے شواہد تقدس میں اسی جلد کے صفحہ ۴۵ سے۔ یعنی ۳ صفحے قبل سے حوالے دینے شروع کئے ہیں اور بہت آگے تک دیتے چلے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو شواہد تقدس صفحہ ۳۸۔ سطر ۱۲۔ یہاں طبری جلد پنجم

کے صفحہ ۵۴ کا حوالہ ہے۔ پھر سطر ۲۱ میں بھی یہی حوالہ ہے۔
اس کے بعد صفحہ ۵۴ و ۵۴۱ و ۵۴۷ پر اسی جلد کے صفحات ۶۰ و ۶۱ و ۶۲
کے حوالے موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ شروع سے
نہ سہی مگر صفحہ ۵۴ سے طبری جلد پنجم کو نہ صرف دیکھتے بلکہ
اس سے روایات اٹھاتے چلے آرہے ہیں۔ تو کیا صفحہ ۵۴
ان کے آگے نہ آیا ہوگا۔

اب قارئین اور محترم جج ہی فیصلہ کریں کہ کیا تاویل
کی جائے اس معمے کی۔ ہم تو بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ میاں
صاحب کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ لیکن یہ تاویل جن
حضرات کو قبول نہ ہوگی وہ اس کے سوا کیا کہیں گے کہ
یہ صریح بد دیانتی ہے۔ آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔ ایسی
دھول جو دوسروں کی آنکھوں میں ڈالی گئی تھی مگر اپنی ہی آنکھوں
میں پڑ گئی۔ ہمارا تو ایک خیال یہ بھی ہے کہ اپنی ساری کتاب
ہی میاں صاحب نے اس خوش گمانی کے ساتھ لکھی ہے کہ
ان کے سوا سب جاہل اور بے عقل ہیں۔ کسی کی مجال نہیں جو
طبری اور استیعاب اور اصابہ وغیرہ اٹھا کر دیکھ سکے۔ یا پھر
ممکن ہے انھوں نے یہ سوچا ہو کہ میری کتاب صرف ان حلقوں
میں جائے گی جو مودودی کے خلاف ہیں۔ یہ حلقے اسے پڑھ
پڑھ کر جھومیں گے اور کسی کو کیا پڑی ہے جو اسے نقد و نظر
کی کسوٹی پر پرکھے۔

درایت و اجتہاد پھر اسے شاید آثارِ قیامت ہی میں سے
ایک سمجھا جائے کہ مولانا محمد میاں صاحب جیسے لوگ اجتہاد و
درایت کا پھریرا لہرا رہے ہیں۔ اللہ اکبر۔ درایت اور مولانا
محمد میاں!

چلئے درایت کا میدان بھی سہی ـــــ ہم بھی جانتے
ہیں کہ حضرت سعدؓ سے قرض وصول کئے جانے کی بات روایات
میں صاف صاف موجود ہے مگر کیا اس دھاندلی سے اس
پیچیدگی کا حل نکل آتا ہے جس کو حل کرنے کی خاطر میاں صاحب
نے اپنے مرکب فہم و اجتہاد کو ایڑ لگائی ہے۔ ہمارا خیال ہے
کہ معمہ تو حل نہ ہوا مگر وہ مثال صادق آگئی کہ پھوار سے بچنے
کے لئے پرنالے کے نیچے جا بیٹھے۔

لیجئے ہم فہم و درایت ہی کی سطح پر میاں صاحب کی شاندار
تاویل کا تجزیہ کرتے ہیں۔

میاں صاحب نے منقولہ بالا عبارت میں دو بار "اجتہادی
اختلاف" کے الفاظ بولے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس مقام
پر لفظ "اجتہاد" کا استعمال بے محل ہے مگر انھوں نے استعمال
کیا ہے تو اس پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اجتہاد
کے معاملے میں یہ بات اہل علم میں مسلّم ہے کہ صحیح اجتہاد کرنے
والے کو دو ثواب ملتے ہیں اور غلطی کر جانے والے کو ایک۔
مجرم ہرگز وہ مجتہد بھی نہیں ہوتا جس کے فکر و فہم نے اجتہاد
میں خطا کھائی ہو۔ اب اگر وہ اختلاف جو ابن مسعودؓ اور سعدؓ
کے درمیان ہوا واقعی اجتہادی اختلاف تھا تو کہاں کا انصاف
ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مجتہد کو سزا دیدی حالانکہ مجرم ہونا
تو درکنار مجتہد تو بہرحال ثواب ہی کا مستحق تھا چاہے اس
نے اجتہاد میں خطا ہی کی ہو۔

پھر لطف یہ ہے کہ سزا اُس مجتہد کو دی جا رہی ہے جو
خود حضرت عثمانؓ کے نزدیک مصیب ہے۔ حق پر ہے۔ یعنی آپ نے
دیکھا کہ میاں صاحب کے نزدیک یہ قرض ذاتی نہیں تھا قومی تھا
اور اسی لئے میاں صاحب کے دعوے کے مطابق حضرت عثمان نے
اسے وصول نہیں فرمایا۔ اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ اس جھگڑے
میں غلطی ابن مسعودؓ کی تھی۔ وہ سعدؓ سے ایک ایسی رقم کا مطالبہ
کر رہے تھے جو سعدؓ نے اپنی ضرورت کے لئے نہیں لی تھی بلکہ
قومی اجتماعی ضرورت کے لئے لی تھی اور اسے خرچ بھی کیا جا
چکا تھا اور سعد بھلا اُس رقم کے مطالبے کو رد کیوں نہ کرتے
جو انھوں نے سعدؓ ابن ابی وقاص کی حیثیت میں نہیں بلکہ گورنر
کوفہ کی حیثیت میں مملکتی ضروریات کے لئے لی تھی اور انھی ضروریات
میں خرچ بھی کی تھی۔ پھر میاں صاحب کے بقول سعد کے اسی
موقف کو درست مانتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے ان سے یہ رقم
وصول بھی نہیں کی جس کے معنی یہ ہیں کہ ابن مسعودؓ کا تقاضا اور
مطالبہ خود خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کی نگاہ میں غلط تھا۔
اس طرح میاں صاحب کی شاندار درایت کا ثمرہ یہ نکلا کہ

حضرت عثمانؓ عزل کی سزا اُس شخص کو دیتے ہیں جسے زیر بحث قضیے میں وہ خود بر حق تصور کر رہے ہیں۔ لیکن جس کے مرتکب خطا ہونے پر وہ مطمئن ہو چکے ہیں اسے کچھ نہیں کہتے۔ نوکری سعدؓ کی چھینی گئی حالانکہ میاں صاحب کی صراحت کے مطابق عثمانؓ جانتے تھے کہ سعدؓ کا قرض کی ادائگی سے انکار سراسر درست ہے مگر اُن عبداللہ ابن مسعودؓ کو ان کے عہدے پر برقرار رکھا گیا جن کے بارے میں عثمانؓ مطمئن ہو چکے تھے کہ وہ ادائگیٔ قرض کے مطالبے میں خطا کار ہیں۔

دیکھا آپ نے۔ دور کی کوڑی میاں صاحب اس مقصد سے لائے تھے کہ سعدؓ جیسے صحابی قرض کی ادائگی میں تاخیر کے الزام سے بچ جائیں مگر اس کے نتیجے میں ان سے بھی بڑے صحابی خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ پر یہ سنگین ترین الزام عائد ہو گیا کہ وہ سزا اسے دیتے ہیں جو ان کی اپنی دانست میں بھی بے قصور ہے اور چھوٹ اسے دیتے ہیں جنھیں خود وہ بھی قصوروار سمجھ رہے ہیں۔

کیا یہی ہے درایت!۔۔۔ کیا اسی کا نام ہے بصیرت! بتائیے ہم نے کیا غلط کہا اگر یہ کہا کہ میاں صاحب خود اپنے فرمودات کے مضمرات و نتائج کے فہم سے قاصر ہیں۔

آگے دیکھئے۔ میاں صاحب کی کتاب دیگر کمالات و عجائب کے علاوہ بے ربطیٔ مضامین اور در و بست کی بوالعجبیوں کا بھی شاہکار ہے۔ کہیں کی بات کہیں اور اِدھر کا مضمون اُدھر۔ یہ سعدؓ کی معزولی والی بحث صفحہ ۳۵ پر ہے۔ اس کے بعد دوسرے موضوعات چھڑ گئے ہیں۔ مگر لکھتے لکھتے پھر کہیں انھیں خیال آگیا کہ سعدؓ کی معزولی کا پیچیدہ معمہ تو میں اپنے اجتہادِ عالیہ کے ذریعے حل کر آیا مگر ابن مسعودؓ کا وزیر خزانہ بنا رہنا بھی تو میری درایت و فقاہت کا محتاج پڑا ہے۔ اسے بھی کیوں نہ اپنے کمالِ فن سے نواز دیا جائے۔

چنانچہ آگے جا کر ص۱۱۵ پر دفعتاً فرماتے ہیں:۔

"اختلاف کی صورت میں لامحالہ ایک کو معزول کرنا تھا۔ جو خدمات حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وابستہ تھیں وہ ایسی خوبی سے انجام پا رہی تھیں کہ ان کو معزول کر دینا گویا دین کے ایک ستون کو اُکھاڑ دینا تھا۔ آپ کی خدمات کا ایک شعبہ وہ تھا جس کے طفیل میں فقہ خصوصاً فقہ حنفی مرتب اور مدوّن ہوا۔ ان کے مقابلے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو واپس بلانے میں کوئی ایسا نقصان نہیں تھا لہٰذا ان کو واپس بلا لیا"

سوال یہ ہے کہ مولانا کہنا کیا چاہتے ہیں؟ آیا ان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کوفے میں دینی تعلیم و تربیت کی جو خدمات انجام دے رہے تھے ان کی حیثیت سرکاری تھی اور اس کی بھی انھیں تنخواہ ملتی تھی؟۔۔۔ اگر یہ مطلب ہے تو یہ سراسر افترا ہے۔ بہتان ہے۔ ابن مسعودؓ یہ تمام دینی خدمات بطورِ خود' ذاتی حیثیت میں بلا معاوضہ انجام دے رہے تھے اور معاوضہ انھیں حکومت سے صرف بیت المال کی نظامت کا ملتا تھا نہ کہ افتاء' قضاء اور تعلیم و تربیت کا۔ ایسی صورت میں انھیں وزارتِ خزانہ سے ہٹا دینا یہ معنی کیسے رکھے گا کہ دین کا ایک ستون اُکھاڑ دیا گیا۔ کیوں اُن خدمات کا دروازہ بند ہو جائے گا جو ابن مسعودؓ ذاتی حیثیت میں انجام دے رہے تھے۔ دماغی توازن بگڑے بغیر یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اپنی دینی و علمی خدمات کی بساط لپیٹ دیتے اگر انھیں نظامتِ خزانہ سے الگ کر دیا جاتا۔

تنزلاً اگر ہم یہ غیر ثابت بات مان ہی لیں کہ کوفے میں ناظمِ خزانہ ہوتے ہوئے تعلیم و افتاء کی جو خدمات ابن مسعودؓ انجام دے رہے تھے اس کا کوئی معاوضہ وزارتِ خزانہ کی تنخواہ کے علاوہ بھی انھیں خلافتِ عثمانیہ دیتی تھی تو میاں صاحب کی توجیہہ پھر بھی لغو ہی قرار پاتی ہے کیونکہ اس صورت میں انھیں یہ معاوضہ بہر حال ملتا رہتا اور معزولی کا اثر صرف وزارت والی تنخواہ پر پڑتا۔ اگر کج بحثی کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اصل آمدنی

تو تنخواہ ہی سے تھی۔ فقط جزوی معاوضے سے کیا گذارا ہوتا تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی خدمات کا اگر واقعی وہی درجہ تھا جو میاں صاحب بیان کر رہے ہیں تو حضرت عثمانؓ سے بھی یہ درجہ چھپا ہوا نہ ہوگا اور جب چھپا ہوا نہ ہوگا تو ان کے لئے کوئی رکاوٹ اس میں نہ تھی کہ نظامت خزانہ سے الگ کرنے میں آمدنی کا جو نقصان ابن مسعودؓ کو پہنچ رہا تھا اسے اُس معاوضے میں اضافہ کر کے پورا کر دیں جو بقول میاں صاحب ابنِ مسعود کو خدماتِ علمیہ کا ملا کرتا تھا۔

حق یہ ہے کہ میاں صاحب نے اجتہاد و درایت کے نام پر عقل دشمنی کی حد کر دی ہے۔ وہ حضرت عثمانؓ کو معاذ اللہ ایک ایسا نادان اور اسلامی قانون سے ناآشنا خلیفہ باور کرا رہے ہیں کہ جو معزول تو اُس شخص کو کرتا تھا جس کی بے جرمی کا اسے یقین ہے اور بحال اس شخص کو رکھتا تھا جس کا جرم اس کی نظر میں ثابت ہے ــــ پھر بحال رکھنے کی معقول وجہ بھی اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ اتنا بے دانش تھا کہ ابن مسعودؓ کو نظامتِ خزانہ سے ہٹانے کا مطلب اس کی دانست میں یہ نکلتا تھا کہ نظامت سے ہٹتے ہی وہ اپنے دین، اپنے آقا کی تعلیمات کی خدمت بھی بند کر دیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ــــ یہ گل افشانیاں وہ شخص کر رہا ہے جس نے افسانہ گھڑ لیا ہے کہ مودودی صحابہؓ کا دشمن ہے۔ ان کی توہین کرتا ہے۔ حالانکہ یہ شخص خود اس جرم کا مرتکب ہے۔ شاید اسی کو کہتے ہیں چاند کا تھوکا منہ پر آئے۔

غایت مافی الباب اگر یہ مان ہی لیا جائے کہ ابنِ مسعودؓ کو الگ کرنے سے خدماتِ علمیہ بند ہو جانے کا خطرہ تھا تو کیا میاں صاحب اسلام کا کوئی ایسا قانون بتا سکتے ہیں جس کی رو سے مجرم کو سزا صرف اس صورت میں دینی چاہیئے جب اس کے سزا پانے سے کسی بھی قسم کے نقصان کا خطرہ نہ ہو۔ کیا میاں صاحب خلفائے راشدین کے اسوے میں ایسی کوئی نظیر پیش فرما سکتے ہیں۔ اہلِ دانش و بینش پر آشکارا ہے کہ اس قسم کی باتیں صرف بے عقل اور بے علم لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ عقلاء اور ذی علم حضرات تو ان بچکانہ باتوں کو تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔

اہلِ علم و دانش سے

میاں صاحب سے تو یہ توقع کرنا بیکار ہی ہے کہ وہ حقائق کی گہری تہوں میں اتر سکیں گے۔ ہم اربابِ نظر سے ملتمس ہیں کہ وہ درج ذیل معروضات کو خصوصی توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ دیں۔

روایت بتاتی ہے کہ سعدؓ ایک ذاتی قرض لیتے ہیں (میاں صاحب کی فضول گوئی کو چھوڑیئے۔ آپ دیکھ ہی چکے کہ حضرت عثمانؓ کا سعدؓ سے اس قرض کو وصول کر لینا بھی روایات میں موجود ہے) اور اسے وعدے کے مطابق ادا نہیں کرتے۔ حالانکہ غریب نہیں ہیں خوشحال ہیں۔ مہتمم خزانہ بار بار مانگتا ہے مگر ان کی طرف سے ٹال مٹول جاری ہے۔

بتایئے کیا یہ بات قرینِ قیاس ہے؟ ــــ ہم یہ نہیں کہتے کہ صحابی گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ یقیناً ہو سکتا ہے لیکن یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایسا بھی گناہ کرے گا جو نہ تو کسی حظِ نفس پر مشتمل ہو۔ نہ مادی اور عملی اعتبار سے اس کا کوئی حاصل ہو۔ پھر صحابی کیسا۔ سیدنا سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہی تو تھے جنھوں نے کفر و اسلام کے پہلے معرکے میں سرفروشی کے جوہر دکھائے تھے اور پھر غزوۂ اُحد میں تو ان کی تیر اندازی نے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے فداک ابی و امی کا قابلِ رشک اعزاز حاصل کیا تھا۔ یہ وہی تھے جن کی طرف رُخ کر کے حضورؐ نے نازو فخر سے فرمایا تھا کہ یہ میرے ماموں ہیں کسی کا ایسا ماموں ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ یہ وہی تھے جو بجا طور پر کہا کرتے تھے کہ انا ثُلث الاسلام میں تو اسلام کا ایک تہائی ہوں۔ یعنی ابوبکرؓ کے بعد میں ہی اسلام لایا ہوں (اس طرح حضورؐ، ابوبکرؓ اور سعد تین ہو گئے) یا ابوبکرؓ، زیدؓ بن حارثہ اور سعد (جبکہ ان کا اسلام لانا زید کے بعد ہو) یہ وہی تھے جن کا اللہ کی

راہ میں پہلا تیر انداز ہونا معلوم ہے۔ انھیں عشرۂ مبشرہ میں ہونے کا بھی فخر حاصل تھا۔ انھیں مستجاب الدعوات ہونے کا بھی امتیاز حاصل تھا کیونکہ حضورؐ نے ان کے حق میں اللہ سے استدعا کی تھی کہ یہ جب دعا کریں اسے قبول فرما چنانچہ روایا میں موجود ہے کہ جھگڑا بڑھ جانے کی صورت میں جب حضرت سعدؓ نے بددعا کا ارادہ کیا تو ابن مسعودؓ گھبرا گئے اور التماس کیا کہ سعد! بددعا مت کرنا۔ یہ وہی تو تھے جس نے قادسیہ کا معرکہ فتح کیا تھا اور سلطنتِ ایران کو زیر وزبر کر دیا تھا۔ یہ وہی تھے جنھیں حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل اصحابِ شوریٰ میں شامل کیا تھا اور فرمایا تھا کہ سعد خلیفہ ہو جائیں تو سبحان اللہ ورنہ میری وصیت ہے کہ دوسرا جو بھی خلیفہ ہو انھیں گورنر ضرور بنائے۔ وہی تھے سابق والیِ عراق اور شہر کوفے کے بانی۔ (سعدؓ کے یہ جملہ اوصاف تمام کتبِ تاریخ میں موجود ہیں)

اس شان کا صحابی اس سے بھی بے خبر نہ ہوگا کہ قرض کا معاملہ اسلامی قانون میں کیسا سخت ہے۔ جو شہادت سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے وہ بھی قرض کے داغ کو نہیں دھو پاتی۔ حضورؐ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھانا پسند نہیں فرماتے تھے جو مقروض مر گیا ہو۔

اور یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ وہ کوفے کی ولایت پر فائز ہیں۔ اچھا مشاہرہ پاتے ہیں۔ مشاہرے کے علاوہ اس دولت سے بھی انھیں مناسب حصہ ملا ہے جو مسلسل فتوحات کے نتیجے میں یہاں بہہ رہی ہے۔ کروڑپتی نہ سہی پھر بھی وہ ان لوگوں میں ہیں کہ جو ہزاروں میں کھیلتے ہیں اور لاکھوں کی غیر منقولہ جائداد رکھتے ہیں۔ ایسا شخص روزمرّہ کے اخراجات یا بچوں کی شادی یا رسمی تقاریب میں تو اس کا محتاج ہو نہیں سکتا کہ قرض لے۔ اگر اس نے بیت المال سے کوئی رقم قرض لی ہوگی تو وہ یقیناً بڑی رقم ہوگی اور اپنے وقت کی عام روش کے مطابق وہ کسی اچھی زمین یا باغ وغیرہ کی خریداری پر صرف کی گئی ہوگی۔

اور یہ بھی نظر میں رہے کہ یہ شخص بخیل نہیں ہے۔ دولت پرست نہیں ہے۔ تاریخ میں اس کا کردار محفوظ ہے۔ اس نے لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں جانی و مالی قربانیاں دینے میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی ہے۔ اسکی آخرت طلبی اور خدادوستی کا یہ عالم ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ! میں چاہتا ہوں کہ اپنا سب کچھ راہِ خدا میں وقف کر دوں۔ حضورؐ جواب دیتے ہیں کہ نہیں۔ اس پر وہ عرض کرتا ہے کہ اچھا سب نہ سہی دو تہائی؟ — حضورؐ پھر فرماتے ہیں کہ نہیں — وہ کہتا ہے اے خدا کے رسولؐ آدھے کی تو اجازت دے ہی دیجئے — حضورؐ پھر منع کر دیتے ہیں۔ اب وہ کہتا ہے کم سے کم ایک تہائی کو تو منع نہ فرمائیں۔ اس پر حضورؐ کہتے ہیں چلو اتنا منظور، مگر ہے یہ بھی بہت۔

دیکھا آپ نے سعدؓ نہ بخیل ہیں نہ آخرت فراموش نہ غریب۔ آخر پھر کیا بات تھی کہ مہتمم خزانہ ادائگی قرض کا تقاضا کر رہے ہیں اور سعدؓ ادا کر کے نہیں دیتے۔ حالاں کہ اگر ان کے پاس نقد رقم اتنی موجود نہیں تھی اور وعدہ ادائگی کی مدّت ختم ہو گئی تھی تو وہ بہ آسانی کوئی سی بھی جائداد بطور ضمانت پیش کر سکتے تھے اور اگر ابن مسعودؓ ضمانت پر راضی نہ ہوتے تو یہ جائداد فروخت بھی کی جا سکتی تھی۔ کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آتی کہ سعدؓ گورنری کو خطرے میں ڈالنا منظور کریں مگر رقم کی ادائگی کا نام نہ لیں۔

دوسری طرف ابن مسعودؓ کا بے تحاشا تقاضا بھی حیرت ناک ہی ہے۔ وہ ممتاز ترین صحابہ میں سے ہیں — وہ بے شمار حدیثوں کے راوی اور سب سے زیادہ یہ جاننے والے ہیں کہ کس کے بارے میں اللہ کے رسولؐ کی کیا رائے تھی۔ وہ سعدؓ سے براہِ راست بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر وہ سعدؓ کو ادائگی سے معذور پا رہے تھے تو کیونکر قرآن کی وہ آیت بھول گئے جس میں ہدایت کی گئی ہے کہ مقروض اگر تنگ دست ہو تو ادائگی قرض کے مطالبے میں ڈھیل دی جائے۔ اور

اگر ان کا خیال یہ تھا کہ سعدؓ جان بوجھ کر ٹال مٹول کر رہے ہیں تو کیسے انھوں نے یہ خیال قائم کیا جب کہ اس کے صریح معنی بد دیانتی کے ہیں حالانکہ ابن مسعودؓ جیسا واقفِ حال سعدؓ جیسے شخص کے بارے میں اور کسی بھی گناہ کا تصور کرلیتا تو کرلیتا مگر بد دیانتی اور خیانت کے تصور کے لئے کوئی وجہِ جواز نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد اب حضرت عثمانؓ کے اُس رویے پر نگاہ ڈالیے جس کا انکشاف یہ روایت کرتی ہے — وہ ابتداءً بگڑے دونوں پر مگر عتاب کی بجلی گرائی صرف ایک پر۔ روایت کہتی ہے کہ سعدؓ سے انھوں نے رقم بھی وصول کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سعدؓ کے پاس اتنی رقم نقد موجود تھی جتنا یہ قرضہ تھا۔ اگر موجود نہ ہوتی تو یہ وصولی ان کی کسی جائداد کا نیلام کر کے یا اسے بحقِ سرکار ضبط کر کے کی جاتی۔ مگر تاریخیں اس کے ذکر سے خالی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ اگر ہوتا تو یہ ایک اہم بات ہوتی جس کی روایت یقیناً شاملِ تاریخ ہوجاتی۔

تو کیا ہم یہ مان لیں کہ سعدؓ کے پاس نقد رقم موجود تھی اور وعدۂ ادائگی کا وقت بھی گذر گیا تھا لیکن وہ ادائگی سے انکار کرتے رہے یہاں تک کہ گورنری بھی اس انکار پر قربان کردی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مان لینا دانائی کہلائے گا یا نادانی۔ بظاہر تو یہ کافی دُور کی بات ہے۔ قیاس اس پر راضی نہیں اور شواہد اس کے حامی نہیں۔

ایک اہم پہلو اور بھی لائقِ غور ہے۔ سعدؓ سے کوئی کوتاہی اپنے فرائضِ منصبی کی ادائگی میں نہیں ہوئی ہے۔ ان کا قصور اس روایت کی رو سے بس یہ ہے کہ بیت المال کا قرض عند المطالبہ ادا نہیں کر رہے ہیں۔ تو کیا حضرت عثمانؓ کا رویّہ بیت المال کے سلسلے میں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسا تھا کہ ذرا برابر بے قاعدگی برداشت نہ کر سکیں یا تاریخ و حدیث کی مستند ترین روایات قطعی طور پر بتاتی ہیں کہ بیت المال کے رُخ پر ان کی روش ابوبکرؓ و عمرؓ سے مختلف تھی۔ وہ بہت فراخدلی کے ساتھ اپنے ایک عزیز کو اس وقت بھی بڑی رقم قرض دیتے ہیں جب ناظم خزانہ جمع شدہ سرمائے کی مناسبت سے اس رقم کو غیر معمولی خیال کر کے دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ حضرت عثمانؓ بگڑتے ہیں۔ وہ بیت المال کی چابیاں منبرِ نبویؐ پر ڈال کر گھر بیٹھ جاتا ہے کہ میں نہیں کرتا خزانے کی نوکری۔ اس کے علاوہ اپنے بعض اعزاء کو وہ بیت المال میں سے ایسے انعامات دیتے ہیں جن پر لوگوں کو اعتراض ہوتا ہے اور پھر ان اعتراضات کو قبول کر کے وہ یہ رقم واپس کراتے ہیں (ان واقعات کی باحوالہ تفصیل انشاءاللہ حضرت عثمانؓ کی بحث میں آئے گی) اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انھوں نے خیانت نہیں کی، نیک نیتی سے درست و مناسب سمجھتے ہوئے ان اعزاء کو نوازنا چاہا جنھوں نے فرائض منصبی کی ادائگی میں سرگرمی دکھائی تھی۔ یہ گناہ کی بات نہ تھی۔ مگر جب لوگوں کے غصے اور اعتراض نے انھیں یقین دلا دیا کہ اثرات و عواقب کے اعتبار سے ان کا یہ درست کام فساد کا باعث ہے تو ایک مخلص اور ایماندار آدمی کی طرح لوگوں کا کہنا مان لیا اور دی ہوئی رقمیں لوٹائیں حالانکہ اگر وہ یہ سمجھتے کہ اعتراض و احتجاج غلط ہے تو دب اور ڈر کر سرِ تسلیم خم کر دینا ان جیسے آدمی کے لئے ممکن نہ تھا کہ انھوں نے تو جان دیدی تھی مگر اُس موقف سے ہٹنا گوارا نہ کیا تھا جسے وہ حق سمجھتے تھے۔

انصاف کیجئے۔ بیت المال اور جود و سخا کے رُخ پر جس خلیفۂ راشد کا رویّہ اس قدر فیاضانہ ہو اس کے اسوے اور مزاج و سیرت سے یہ بات کیسے جوڑ کھاتی ہے کہ سعدؓ جیسے صحابی کو فقط اس لئے برطرف کر دیا کہ بیت المال کا قرض وہ فوراً ادا نہیں کر رہے تھے — خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ حکومت اس وقت غیر معمولی دولت مند تھی۔ کوئی کام ایسا سامنے نہ تھا جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بیت المال کا سرمایہ ناکافی پڑ رہا ہو اور سعدؓ کا قرض ادا نہ کرنا دشواری کا باعث بن رہا ہو پھر تو اور بھی یہ بات خلافِ قیاس نظر

آتی ہے کہ خلیفۂ ذی النورین اپنے معروف کردار و سیرت
اور طبیعت و خصلت کے برعکس سعدؓ پر اتنا بگڑیں کہ معزول
ہی کر کے چھوڑیں۔

جذبات سے بالاتر ہو کر گہرا غور و فکر کیجئے کہ کیا تاویل
ہے اس پیچیدگی کی؟ غور کرتے ہوئے مزید ایک واقعے
کو بھی نظر میں رکھیں کہ یہی ولید اپنی گورنری کے تقریباً ابتدائی
ایام میں اسی بیت المال سے کچھ قرض لیتے ہیں اور جب
ادائگی کے وعدے کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہی ابن مسعودؓ
ان پر تقاضا کرتے ہیں۔ ولید حضرت عثمانؓ کو اطلاع دیتے
ہیں کہ ابن مسعودؓ کی روش میرے بارے میں سخت ہے۔ حضرت
عثمانؓ اس پر وہ روش اختیار نہیں کرتے جو سعدؓ کے معاملہ
میں کی تھی بلکہ الٹا ابن مسعودؓ کو لکھتے ہیں کہ تم ہمارے خزانچی
ہو تم اس قرض کا فکر نہ کرو جو ولید نے بیت المال سے لیا
ہے۔ یہ تنبیہ ابن مسعودؓ کو پسند نہیں آتی اور وہ ملازمت چھوڑ
دیتے ہیں۔

یہ بہر حال طے ہے کہ سعدؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول
کیا ہے اور ان کی جگہ اپنے ماں جائے ولید کو مقرر فرمایا ہے
کہیں ایسا تو نہیں کہ قرض کے ایک سیدھے سادھے معاملے
کو لگائی بجھائی کر کے اور ریشہ دوانیوں کے ذریعے کسی نے
غلط رنگ دیدیا ہو اور مقصود اس کا یہ ہو کہ کسی نہ کسی طرح
حضرت عثمانؓ کو غصہ دلا کر گورنری کی مسند خالی کرالی جائے۔
یہ سازش کون لوگ کر سکتے تھے محتاج بیان نہیں۔ یہ وہی
لوگ کر سکتے تھے جو جانتے تھے کہ یہ مسند خالی ہو جائے تو
ہم خلیفۂ راشد کی بے حد کریمانہ فطرت، غیر معمولی جذبۂ
صلہ رحمی، اقرباء کی طبعی محبت اور نیکدلی و سادگی کو بہ آسانی
اس پر آمادہ کر لیں گے کہ خالی شدہ مسند ہمیں دیدی جائے۔
اور انھوں نے آمادہ کر لیا ـــــ اگر حضرت عثمانؓ اپنی
فطرتِ کریمہ سے مجبور نہ ہوتے تو ہزار سادہ مزاجی کے باوجود
یہ سامنے کی بات انھیں ضرور کھٹکتی کہ میں سعدؓ جیسے عالی
مرتبہ اور سرد و گرم چشیدہ شخص کو ہٹا کر اپنے اُس بھائی کو
گورنر بنا رہا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بولا تھا
اور قرآن نے اسے فاسق کا لقب دیا تھا۔ میں اُس عزیز
کو منصب دے رہا ہوں جو ایمان ہی اس وقت لایا جب مکہ
فتح ہو گیا اور کسی کے لئے کوئی چارہ نہ رہا کہ یا تو اسلام
قبول کرے یا دنیا کے ہر فائدے اور آرام اور عزت کی
توقعات سے دست بردار ہو جائے ـــ جس وقت ولید
کو گورنر بنایا جا رہا ہے بڑے بڑے مردانِ کار، رفیع القدر
صحابہؓ ـــ مثلاً حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت
طلحہؓ حضرت ابو طلحہؓ اور محمد بن مسلمہؓ جیسے حضرات موجود
ہیں۔ لیکن گورنری ملتی ہے ولید بن عقبہ کو۔ ٹھیک ہے کہ
ولید کی خالص دنیاوی صلاحیتوں کے بارے میں حسن ظن
کی گنجائش موجود تھی اور اسی لئے یہ الزام خلیفۂ برحق پر
نہیں لگایا جا سکتا ـــ اور مودودی نے لگایا بھی نہیں کہ ایک
ناکارہ و ناقابل کو انھوں نے عہدہ دیدیا۔ مودودی تو خود
اعتراف کرتا ہے ـــ میاں صاحب نے اس اعتراف کو نقل
بھی کیا ہے (جیسا کہ پیچھے ہم اقتباس دے آئے) لیکن سوال
یہ ہے کہ حسن ظن کے مستحق اور بارہا کے آزمائے بہت سے
اور مردانِ کار بھی تو اردگرد موجود تھے جن کے دامنِ کردار پر
ولید جیسا کوئی داغ نہیں لگا تھا اور مسجد سے لے کر میدانِ
کارزار تک ان کی بے مثال سرفروشیوں کے نقوش موجود
الوقت معاشرے کی پیشانی پر افشاں کی طرح چمک رہے
تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اگر آگے بڑھائے جاتے تو ولید
جیسے یا ولید سے بڑھ کر کارنامے انجام نہ دے سکتے۔

پھر یہ نکتہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئیے کہ صرف انتظامی اور
جنگی کارنامے خلافتِ راشدہ کا مابہ الامتیاز نہیں ہیں۔ ایسے
کارنامے تو دنیا کی ہر قوم میں کم و بیش پائے جاتے ہیں ـــ
خلافتِ راشدہ کا وصف خاص بلکہ اس کی روح یہ ہے کہ
نیچے سے اُوپر تک حکومتی مشینری کے تمام کل پرزوں پر تقویٰ،
اخوۃ، انصاف اور دین داری کا روغن چڑھا نظر آئے
اور اصل اہمیت مادی کامیابیوں کی نہ ہو بلکہ ان طریقوں
اور وسیلوں کی ہو جن کے واسطے سے یہ کامیابیاں حاصل کی

گئی ہیں ۔ ایک دنیاوی حکومت کے لئے تو وہ حکام
قابلِ صد تعریف ہو سکتے ہیں جو کسی بھی طرح ملک کا خزانہ
بھر لیں چاق چوبند ہوں مگر ایک حقیقی اسلامی حکومت
کے لئے بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ خزانہ
پُر کرنے میں ظلم، دھوکا، دھاندلی اور احکامِ شرعی
سے لاپروائی تو نہیں برتی گئی۔

یہ نکتہ ایک اصول کی حیثیت سے ہم نے بیان
کیا۔ ذکر جس بات کا چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت
سعدؓ کے عزل اور ولید بن عقبہ کے تقرر کو تاریخ جس
روایت سے وابستہ کر رہی ہے اس کی کیا توجیہہ کی
جائے۔ ہم نے جو توجیہہ کی ہے وہ محض ایک امکان کی
طرف اشارہ ہے۔ اگر اس میں کوئی سقم ہے تو اربابِ نظر
کوئی اور مناسب تاویل سامنے لائیں۔ یہ گتھیاں میاں
صاحب جیسے لوگوں کے بس کی نہیں۔ یہ وہی سلجھا سکتے
ہیں جو جذباتی حماقتوں سے بالاتر ہو کر حقیقت پسندی
کی اسپرٹ سے فکر و تدبر کر سکتے ہوں۔

طفلانہ شوخیاں

بیچ بیچ میں کچھ ہلکی پھلکی باتیں کر لینا
طبیعت میں انشراح پیدا کرے گا لہٰذا میاں صاحب
کی طفلانہ شوخیوں پر تھوڑا سا التفات کیجئے۔ "خلافت و
ملوکیت" کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"اس تصنیف کا شاہکار یہی ہے کہ آپ نے غلطیوں
کو سر تھوپا ہے اور واقعات پر پردہ ڈال دیا
ہے جو ان غلطیوں کی تردید کرتے ہیں۔" ص۲۲

حالانکہ جس کا جی چاہے "خلافت و ملوکیت" پڑھ لے
وہ دیکھے گا کہ حضرت عثمانؓ کی صرف ایک ہی غلطی کا
مودودی نے تذکرہ کیا ہے اور وہ ہے ان کی اپنے خاندان
سے غیر معمولی محبت۔ اس غلطی کو بھی انھوں نے گناہ کے
طور پر پیش نہیں کیا ہے بلکہ حضرت عثمانؓ کی تقدیس،
جلالتِ شان، راشدیت، نیک نیتی، دیانت داری،
اخلاص فی الدین اور تمام معلوم و ثابت خوبیوں کا بار بار
اعتراف کرتے ہوئے اُس محتاط اور نپے تلے انداز میں
پیش کیا ہے جس کے اختیار کرنے میں بڑے بڑے علمائے
سلف اور فضلائے زمانہ اور ائمہ اہلِ سنت نے بھی مضائقہ
نہیں سمجھا۔ (جیسا کہ "خلافت و ملوکیت" میں موجود
حوالوں سے ثابت ہے اور مزید حوالے ہم آگے چل کر دیں
گے) پھر اس محبت نے حضرت عثمانؓ سے جو اقدامات
کرائے ان کی تفصیل پیش کرتے ہوئے مودودی نے یہ
بتایا ہے کہ یہ اقدامات نیک نیتی اور دیانت داری پر مبنی
ہونے کے باوجود بہرحال اپنا سیاسی، طبعی اور نفسیاتی
اثر و نتیجہ ظاہر کر کے رہتے اور کر کے رہے۔

کونسی غلطیاں ہیں جنھیں "تھوپنے" کا عنوان میاں
صاحب دے رہے ہیں ۔۔۔ کیا یہ کہ جو لوگ واقعی حضرت
عثمانؓ کے عزیز تھے انھیں عزیز کیوں بتایا گیا یا یہ کہ جن
لوگوں کو عہدے دیئے گئے تھے ان کے بعض ایسے عیوب کا
ذکر کیوں کیا گیا جو ثابت شدہ طور پر ان میں پائے جاتے
تھے۔ مودودی نے جو بات کہی ہے مضبوط حوالوں کیساتھ
کہی ہے۔ میاں صاحب پوری کتاب میں ایک واقعہ
ایسا نہیں دکھا سکے ہیں جس کی صحت کے لئے مستند کتابوں
کے حوالے موجود نہ ہوں۔ البتہ میاں صاحب نے یہ کیا ہے
کہ ایک ناسمجھ اور غبی مناظر کی طرح موقعہ محل کو سمجھے بغیر
غیر متعلق اور لاطائل باتیں شروع کر دی ہیں۔ مثلاً گفتگو
تو ہو رہی ہے یہ کہ ولید حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے اور
قرآن کی آیت نے ان کی فردِ عمل کو داغدار بنا دیا تھا۔
مگر میاں صاحب صفحے کے صفحے یہ بتانے پر کالے کئے
جا رہے ہیں کہ انھوں نے فلاں جگہ ایسی بہادری دکھائی
فلاں نو مسلم پر اس طرح مہربانی کی۔ فلاں سرپھرے کو اس
طرح سزا دی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مقدمہ تو یہ چل رہا ہو
کہ زید نے بکر سے قرض لیا ہے اور اب ادا نہیں کر رہا
ہے مگر زید کے وکیل صاحب قرض لینے کے ثبوت اور
عدمِ ادائگی کے الزام کو صاف کرنے کے بجائے یہ راگ
الاپنے لگیں کہ زید تو فلاں اونچے خاندان کا چشم و چراغ ہے

اس نے فلاں موقعہ پر یہ بہادری دکھلائی تھی۔ اسے فلاں فلاں حلقوں میں ایسی مقبولیت حاصل ہے وغیر ذلک ـــ بتلایئے ایسے وکیل کو وکیل کہیں گے یا مخبوط الحواس۔ جگہ جگہ ایسی ہی بے محل طول کلامی سے میاں صاحب نے کتاب کا حجم بڑھایا ہے۔ وہ بالکل نہیں سمجھتے کہ دعویٰ کسے کہتے ہیں دلیل کس کا نام ہے صغریٰ اور کبریٰ کی منطقی ترتیب کیا ہوتی ہے۔

صفحہ ۴۶ و ۴۷ پر فرمایا گیا:-

"اگر مودودی صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منصفانہ رائے قائم کرنا چاہتے تو وہ تاریخ کی ورق گردانی کرتے اور تمام پہلوؤں پر نظر ڈالتے مگر ان کا منشاء تو حضرات صحابہؓ کی حیثیت کو مجروح کرنا ہے لہذا جہاں سے جو چیز مل جاتی ہے لکھ مارتے ہیں نہ اس میں اعتدال ہوتا ہے نہ توازن ـــ"

خوش قسمت ہے مودودی کہ جھوٹی الزام تراشیوں کا ہدف بننے میں اس کی مظلومیت شاید ابوحنیفہ اور ابن تیمیہ اور عبدالوہاب نجدی اور سید قطب شہید رحمہم اللہ سے بھی بازی لے گئی ہے۔ یعنی یہ رعایت بھی اُس غریب کو نہیں دی جا سکتی کہ جو رائے اس نے قائم کی ہے اس کے پیچھے دیانت اور نیک نیتی کا وجود تسلیم کرتے ہوئے اس کی تردید کی جائے بلکہ یہ فیصلہ بھی ضرور دیا جائے گا کہ وہ جان بوجھ کر صحابہؓ کی توہین کر رہا ہے۔ اس کے قلب میں صحابہؓ کا بغض ہے۔

چلئے مودودی کی خوش قسمتی کو تو ہم اس سے نہیں چھین سکتے مگر میاں صاحب سے یہ ضرور پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ کون سے تمام پہلو ہیں جن پر نظر ڈالنے کی بات وہ فرما رہے ہیں۔ مودودی حضرات عثمانؓ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں بار بار اسی یقین اور عقیدے کا اظہار کرتا چلا گیا ہے جو تمام اہل سنت کا سرمایۂ جان ہے۔ اور وہ پہلو بھی جس نے میاں صاحب جیسے برخود غلط لوگوں کو غل غپاڑے پر آمادہ کیا ہے ٹھیک اسی شکل میں اس کی کتاب میں منقوش ہے جس شکل میں مستند ترین کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی حضرت عثمانؓ کی اقربا نوازی اور صلۂ رحمی جتنی یقینی یہ بات ہے کہ دودھ سفید اور سورج روشن ہوتا ہے اتنی ہی یقینی یہ بات ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے اقرباء اور خاندان سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے ـــ اتنی غیر معمولی کہ عمر فاروقؓ نے بہت پہلے قسم کھا کر بتا دیا تھا کہ اگر عثمانؓ خلیفہ بن گئے تو یہ اپنے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے اور لوگ انھیں قتل کر ڈالینگے۔

اب اگر میاں صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سفید کو سفید اور روشن کو روشن کہنا ناانصافی ہے تو بے شک مودودی نے ناانصافی کی ہے لیکن اگر حقائق کو جھٹلانا انصاف نہیں خواہ وہ ہمارے لئے ناخوشگوار ہی کیوں نہ ہوں تو بتایئے ان لایعنی فقروں کا کیا مطلب ہے جو ابھی ہم نے میاں صاحب کی کتاب سے نقل کئے۔

عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح

حضرت عثمانؓ کے ایک دودھ شریک بھائی تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ ان کے بارے میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ ایک بار اسلام لاکر مرتد ہو گئے تھے اور مشرکین سے جا ملے تھے۔ ان کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں کہ یہ مشرکین سے جھوٹ بھی بولتے اور حضورؐ کی توہین بھی کرتے۔ مثلاً اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ان کی دروغ بانی کا ایک نمونہ یہ دیا گیا ہے کہ وہ مشرکین سے کہتے تھے کہ محمدؐ تو میری مٹھی میں تھے جدھر چاہتا تھا پھیر دیتا تھا۔ وہ مجھ سے جب قرآن کی کتابت کراتے اور مثلاً عزیزٌ حکیم کے الفاظ لکھواتے تو میں پوچھتا کیا علیمٌ حکیم لکھ دوں۔ وہ کہتے ہاں ہر ایک ٹھیک ہے جو مناسب سمجھو لکھ دو۔

ظاہر ہے ابن اثیر نے یہ ایک نمونہ دیدیا ہے ورنہ اتنا بیباک آدمی اور بھی نہ جانے کس کس طرح حضورؐ کا مذاق

اُڑاتا ہوگا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ان کا نام ان تین آدمیوں میں تھا جن کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ خانۂ کعبہ کے پردے سے بھی لپٹے ہوئے ملیں تو انھیں زندہ نہ چھوڑا جائے۔

یہ تفصیل تقریباً تمام مستند مؤرخین اور علماء و محدثین کے یہاں متفق علیہ ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جب فتح مکہ کے بعد حضرت عثمان انھیں ساتھ لیکر حضورؐ کی خدمت میں معافی طلبی کے لئے آئے تو حضورؐ نے تین بار تو حضرت عثمانؓ کے التماس پر خاموشی ہی اختیار کئے رکھی چوتھی بار جب حضرت عثمانؓ نے گذارش کی تو قبول فرمالی۔ مگر جب حضرت عثمانؓ انھیں ساتھ لیکر واپس چلے گئے تو حضورؐ نے موجود صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا بھلا آدمی نہیں تھا کہ جب میں اس کی بیعت نہیں لے رہا تھا تو وہ اُٹھ کر اسے قتل کر دیتا۔ عرض کیا گیا کہ ہم آپ کے اشارے کے منتظر تھے۔ حضورؐ نے فرمایا نبی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے خفیہ اشارہ کرے۔

اب دیکھئے یہ واقعہ مختصراً بیان کرکے مولانا مودودی نے لکھ دیا تھا:-

"آپؐ نے محض ان کے (حضرت عثمانؓ کے۔ تجلی) پاسِ خاطر سے اُن کو (عبداللہ بن سعدؓ کو۔ تجلی) معاف فرما دیا تھا"

اس عبارت کو نقل کرنے سے پہلے میاں صاحب نے لکھا:-

"غور فرمائیے۔ ان غدّار باغیوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو مودودی صاحب نے کس طرح حرزِ جان بنالیا ہے۔" ص ۱۸۲

ذرا بتائیے تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ عام قارئین کیا اس کا مطلب اس کے سوا بھی کچھ سمجھیں گے کہ یہ جو کچھ مودودی نے لکھدیا ہے امرِ واقعہ نہیں ہے بلکہ صرف اُن باغیوں کی ہرزہ سرائی ہے جو حضرت عثمانؓ پر غلط الزامات لگاتے تھے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی الزام نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا امرِ واقعہ ہے جس میں اکثر مستند علماء کے مابین کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اُسد الغابہ کا حوالہ ابھی ہم نے دیا۔ خود مولانا مودودی نے باب اور صفحے کی قید کے ساتھ پانچ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں:- (۱) نسائی (جو صحاح ستہ میں سے ایک ہے) (۲) مستدرک حاکم (۳) طبقات ابن سعد (۴) سیرت ابن ہشام (۵) الاستیعاب۔ ابھی ہم دس حوالے اور دے سکتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ میاں جی نے اس روایت کی صحت سے انکار نہیں کیا ہے۔ پھر بتائیے بدترین بغض اور شرارت کے سوا اسے کیا کہیں گے کہ وہ چبا چبا کر اپنے قارئین کو یہ باور کرانا چاہ رہے ہیں کہ یہ تو جھوٹی باتیں تھیں جو حضرت عثمانؓ کے باغیوں نے کہی تھیں مگر مودودی نے انھیں اس طرح دہرا دیا گویا وہ سچی ہوں۔

مزید حماقت ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:-

"مودودی صاحب نے ان باغیوں کے الفاظ رٹ لینے کا اجرِ عظیم حاصل نہیں کیا بلکہ اپنے ایک اجتہاد کا بھی مظاہرہ فرمادیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کا پاس خاطر سے حلال کو حرام قرار دیدیا کرتے تھے اور حرام کو حلال (معاذ اللہ)۔" ص ۱۸۲

اہلِ علم بتائیں کیا کوئی صحیح الدماغ اس طرح کی لغویات قلم سے ٹپکا سکتا ہے۔ میاں صاحب سے کوئی پوچھے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہے اور یقیناً آیا ہے کہ حضورؐ نے صرف حضرت عثمانؓ کی مروّت میں بادلِ ناخواستہ عبداللہ ابن سعدؓ کی بیعت لے لی تو میاں صاحب کے اعتراض کا ہدف تو معاذ اللہ حضورؐ ہی کی ذات بنتی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ تمام اکابرینِ امت میاں صاحب کی بے تکی "معاذ اللہ" کا نشانہ بنتے ہیں جنھوں نے اس روایت کو درست مانا ہے۔ کیا میاں صاحب کے منہ پر آنکھیں نہیں ہیں جو انھیں ۵ حوالے نظر نہیں آتے جو ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں۔

بہت سے بہت وہ یہ گل افشانی کر سکتے ہیں کہ سارے علمائے سلف کی رائے غلط۔ میں اس روایت کو درست نہیں مانتا۔ چلیئے نہ مانئیے مگر اس واقعے سے تو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ بہتیرے علمائے سلف و خلف نے اسے اپنے نزدیک درست سمجھا اور بیان کیا ہے۔ تو اگر اس روایت کا لازمی مفہوم یہی نکلتا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کی پاس خاطر سے کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے لیا تو پھر گمراہی یا بغض صحابہؓ یا توہینِ رسولؐ کا جو بھی طعن آپ مودودی پر کر رہے ہیں اس کے ہدف یہ سبھی حضرات بنیں گے

پھر حیران ہو جیئے کہ شیخ الحدیث ہوتے ہوئے بھی ان بزرگوار کو یہ سامنے کی بات معلوم نہیں ہے کہ "حلال و حرام" کی اصطلاحیں علوم دین کے کس شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مبتدی بھی جانتے ہیں کہ ان کا تعلق فقہ کے شعبے سے ہے۔ درانحالیکہ مفتوح قوم کے بعض افراد کو قتل کرنا اور بعض کو چھوڑنا سیاسی حکمتِ عملی سے تعلق رکھتا ہے جو فاتح کی صواب دید پر موقوف ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال و حرام کی بحث یہاں ایک سرے سے پیدا ہی کہاں ہوتی۔ جو لوگ ہمیں ایذا پہنچائیں ان سے بدلہ لینا یا انھیں نقصان پہنچانا ہمارے لئے حلال ضرور ہے لیکن اگر ہم بدلہ نہ لیں تو کیا احمق سے احمق آدمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک حلال کو ہم نے حرام کر دیا۔ یہ کسی حدِ شرعی کا معاملہ نہیں تھا کہ ایک شخص شرعاً واجب القتل قرار پائے اور اسے معاف کر دینا گناہ کے دائرے میں آتا ہو۔ یہ تو اُس دشمنی کا معاملہ تھا جسے معاف کر دینا عزیمت ہے۔ احسان ہے۔ کیا حضورؐ نے ہزاروں مفتوحین کو معاف نہیں فرمایا۔ پھر حرام و حلال کا سوال کہاں سے آ کھڑا ہوا اگر ایک عبد اللہ بن سعدؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے لحاظ میں معاف فرما دیا گیا۔

تاہم اس بدیہی بات کو بھی اگر میاں صاحب کی مریض عقل ہضم نہیں کرتی تو وہ شوق سے اپنی ہانک ہانکے جائیں مگر اس ہانک کا لازمی مطلب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ وہ یا تو خود حضورؐ پر طعن کر رہے ہیں یا پھر مستند علمائے سلف کو جھٹلا رہے ہیں بلکہ ان پر توہینِ رسول کا الزام لگا رہے ہیں کیونکہ کہا بہر حال انھوں نے بھی وہی ہے جو مودودی نے کہا ہے۔

اور دیکھئے دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا فنِ شریف! کس شائستگی کے ساتھ اسی مقام پر رقمطراز ہیں:-

> "ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس ذہنیت کے لئے کیا لفظ استعمال کریں جو حضرات صحابہؓ کی کمزوریوں کو تو تلاش کرتی ہے اور اس کے بیان کرنے میں قلم کا پورا زور صرف کر دیتی ہے لیکن جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ گویا اس کو نظر ہی نہیں آتیں۔ گویا قوتِ بینائی سلب ہو جاتی ہے۔" ص۱۴۲

میاں صاحب کی بینائی کے نمونے تو ہم کئی دکھا چکے اور آگے بھی دکھائیں گے مگر لطف یہ ہے کہ خاص اس جگہ بھی ان کا اُچھالا ہوا طعن خود ان پر اس طرح چسپاں ہو رہا ہے کہ اسے طعن کی بجائے حقیقت اور امرِ واقعہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

بات کو دو اور دو چار کی طرح سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل دیکھنی ہوگی۔ مذکورہ عبارت کے بعد میاں صاحب نے لکھا:-

> حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سعدؓ کو جو انعام عطا فرمایا تھا وہ بعد میں واپس ہو گیا۔ مودودی صاحب نے اس کو خوب اُچھالا لیکن مودودی صاحب کا قلم ٹوٹ گیا روشنائی خشک ہو گئی جب یہ لکھنے کا وقت آیا کہ حضرت عبداللہؓ نے فتوحات کے ساتھ ایک مضبوط بحریہ بھی تیار کیا ..." ص۱۴۳

آگے ساڑھے تین لائنوں میں میاں صاحب نے بحری جنگ

بھی ایک ماہر کی حیثیت سے عبداللہ بن سعدؓ کی تعریف لکھی ہے۔

مودودی نے کس جگہ انعام والی بات اُچھالی ہے اس کا حوالہ میاں صاحب نے نہیں دیا۔ اب ذرا اسلا حظہ فرمائیے اس کف در دہاں الزام کی کیا حقیقت ہے۔

مودودی صاحب ص۳۲۶ پر لکھتے ہیں:۔

"بیت المال سے اپنے اقرباء کی مدد کے معاملے میں حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا اس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ معاذاللہ انھوں نے خدا اور مسلمانوں کے مال میں کوئی خیانت نہیں کی تھی لیکن اس معاملے میں بھی ان کا طریق کار بلحاظ تدبیر ایسا تھا جو دوسروں کے لئے وجہ شکایت بنے بغیر نہ رہ سکا۔"

غور سے پڑھ لیجئے ایک ایک لفظ - یہ وہ شخص لکھ رہا ہے جس کے بارے میں بغض وحسد کے مارے لوگ یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اس نے حضرت عثمانؓ کی توہین کی ہے۔ یہی نہیں آگے انشاء اللہ "حضرت عثمانؓ" کی بحث میں ہم شواہد کے ساتھ ثابت کریں گے کہ مودودی نے ہرگز کوئی توہین نہیں کی مگر معترضین اپنے قلب کی سیاہی اس کے منھ پر مَل دینا چاہتے ہیں۔

یہاں نفس موضوع کی حد تک ہم نے دیکھ لیا کہ مودودی نے ایک ایسی بات کہی ہے جو کسی پیغمبر کے بارے میں بھی کہدی جائے تو مطلق توہین یا گناہ نہیں (اس کے بھی قوی دلائل ہم اپنے موقعہ پر دیں گے) اس کے بعد انھوں نے طبقات سے امام زہریؒ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں امام زہریؒ نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اہل خاندان کو عہدے دئیے اور رقمیں دیں۔ نیز انھوں نے بیت المال سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں۔

اس کے بعد مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے:۔

"اس کی تائید ابن جریر طبری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ افریقہ میں عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح نے وہاں کے بطریق سے ۳ سو قنطار سونے پر مصالحت کی تھی فامر بھا عثمان لآل الحکم (پھر حضرت عثمانؓ نے یہ رقم الحکم یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم دیا) ص۳۲۷

آپ دیکھ رہے ہیں بات طبری سے نقل کی گئی ہے۔ طبری ہی وہ کتاب ہے جس کے حوالوں سے میاں صاحب کی کتاب کا حجم بڑھا ہے۔ اچھی طرح دیکھئے اس میں کیا کہا گیا ہے ۔۔۔ کیا اس میں عبداللہ ابن سعدؓ کو انعام دینے کا ذکر ہے؟ ۔۔۔ ان کا نام تو ایک معاملۂ مصالحت کے ذیل میں آیا ہے اور دوسرے مقام پر دو ایسی روایتوں کو تطبیق دینے کے ذیل میں آیا ہے جو ایک دوسرے سے اُلجھ رہی تھیں۔

پھر آخر اس شخص کو نابینا یا پھر تہمت باز نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے جو مجرد ان دو عبارتوں کی بنیاد پر یہ کہے کہ مودودی نے عبداللہ بن سعدؓ کو انعام دیئے جانے کا قصہ خوب اُچھالا ہے۔

(۲) ہم کہتے ہیں تاریخی بحث میں کسی اضطراب کو رفع کرنے کیلئے پوری متانت و استدلال کے ساتھ ایک تنقیح پیش کرنا جرم کیسا ہے۔ جب کہ خود میاں صاحب بھی مانتے ہیں کہ انعام دیا گیا اور یہ بھی مانتے ہیں کہ لوگوں کے اعتراض پر یہ انعام واپس ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ خود حضرت عثمانؓ نے عملاً یہ مان لیا تھا کہ معترضین کے اعتراض میں وزن ہے۔

نیز یہ کیا تک ہوتی کہ مودودی صاحب عبداللہؓ بن سعد کے اُن کارناموں کا بھی یہاں تذکرہ کرتے جن کا موضوع کلام سے ادنیٰ تعلق نہیں۔ کیا مولانا مودودی عبداللہ بن سعدؓ کی سوانح حیات لکھ رہے تھے کہ فلاں واقعہ نہ لکھنے کا الزام کوئی معنی رکھتا۔ وہ صرف یہ بتا رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ادنیٰ خیانت کئے بغیر ازراہ صلہ رحمی اپنے اقرباء کو مال عطا کیا۔ یہ بتانے کے لئے فقط اتنا ہی لکھنے کی ضرورت تھی کہ عبداللہ بن سعدؓ کو اتنی رقم دی گئی۔

مگر ہاں رے میاں صاحب کی چشم بینا۔ جو بات مودودی نے نہیں لکھی اسے بھی اس کی طرف منسوب کر دیا اور انتساب بھی اس زور و شور سے کہ "خوب اُچھالتے" کے الفاظ زیب قرطاس فرمائے۔

دو قدم آگے بڑھیئے۔ فرماتے ہیں:۔

"اس سے زیادہ مودودی صاحب کی یہ بے انصافی مستحق صد ملامت ہے کہ عبد اللہؓ بن سعد کا یہ عیب تو بیان کیا کہ وہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے لیکن انھی کے تذکرے کے آخر میں جو ان کی وفات کا قابلِ رشک تذکرہ ہے بغض صحابہ کے مرض نے یہ توفیق نہیں دی کہ اس کو بھی بیان کر دیں۔" ص ۱۷۳

پہلے تو یہ فن کاری ملاحظہ فرمائیے کہ "معاذ اللہ" کیا جا رہا ہے۔ معلوم ہے کہ یہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کہی ہوئی بات خود قائل کے نزدیک انتہائی غلط ہو مگر وہ دوسرے کا قول نقل کر رہا ہو۔ یہاں "معاذ اللہ" کہنے کا منشاء اس کے سوا کیا ہے کہ ارتداد کا جو واقعہ مسلمات میں سے ہے اور میاں صاحب بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے اس کے سلسلے میں قارئین کو یہ تاثر دیتے چلے جائیں کہ یہ فقط مودودی کی بکواس ہے۔ وہی ایک صحابی پر ارتداد کا الزام گھڑ رہا ہے۔

دوسرے وہی پہلو نظر میں رہے کہ مودودی حضرت عبد اللہ ابن ابی سرح کی داستانِ حیات نہیں لکھ رہے ہیں کہ ان کی پیدائش سے لیکر موت تک کے جملہ احوال لکھتے ضمناً جب کسی ہستی کا ذکر آتا ہے تو اس سے متعلق صرف وہی باتیں لی جاتی ہیں جن کا تعلق موضوعِ کلام سے ہو۔ اگر عبد اللہ بن سرح کی موت حالتِ نماز میں واقع ہوئی تو اس کا تقاضا یہ کب ہے کہ جہاں بھی ان کا ذکر آئے لازماً ان کا یہ قصہ ضرور بیان ہو۔

مثلاً حضرت دانا پوری رحمۃ اللہ علیہ کی "اصح السیر" اٹھائیے وہ فتح مکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

"عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح یہ پہلے مسلمان تھے اور کاتب وحی بھی تھے مگر مرتد ہو گئے اور جھوٹی جھوٹی باتیں مشہور کر کے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے ان کے قتل کا حکم ہوا۔ لیکن یہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے انھوں نے ان کے لئے سفارش کی حضورؐ دیر تک ساکت رہے آخر معاف کر دیا لیکن صحابہؓ سے فرمایا کہ ہم نے دیر اس لئے کی تھی کہ کوئی اس کو قتل کر دے۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ نے اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ فرمایا کہ نبی اشارہ سے قتل نہیں کیا کرتا۔ بہر کیف یہ بعد میں صادق مسلمان رہے۔"

(اصح السیر۔ مطبوعہ نور محمد۔ کراچی۔ ص ۳۰۸)

بس۔ اس کے بعد دوسرے حضرات کا تذکرہ شروع ہو گیا ہے۔ اب میاں صاحب فرمائیں کہ کیا صاحب اصح السیر بھی بغض صحابہ کے مجرم ہیں جو انھوں نے عبد اللہ بن سعدؓ کے "عیب" کا ذکر تو اتنی تفصیل سے کر دیا مگر وہ سب باتیں نہ لکھیں جن کے نہ لکھنے پر آپ مودودی کو کچا چبا جانا چاہتے ہیں۔

اور دیکھئے مولانا عبد الشکور فاروقی ہمارے حلقوں میں "امام اہل سنت" کہلاتے ہیں اور حُبِّ صحابہؓ میں ان کا بڑا شہرہ ہے۔ انھوں نے برسہا برس مدح صحابہ کی سرگرم خدمت کی ہے۔ وہ اپنی کتاب "خلفائے راشدین" میں لکھتے ہیں:۔

"عبد اللہ بن سرحؓ کی شکایت آئی کہ وہ بہت ظلم کرتا ہے حضرت عثمانؓ نے اس کو ایک فرمان تہدید آمیز بھیجا مگر انھوں نے بجائے اس کے کہ اس فرمان پر عمل کرتے ان شکایت کرنے والوں کو پیٹا یہاں تک کہ ان میں ایک آدمی مر بھی گیا۔ پھر تو سات سو آدمی مصر سے آئے اور مسجد نبوی میں صحابۂ کرامؓ سے انھوں نے

اپنے مظالم کی داستان بیان کی۔ حضرت طلحہ رضؓ، حضرت علی رضؓ، ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ سے اس کے متعلق بہت کچھ کہا۔ حضرت عثمان رضؓ نے یہ سن کر عبداللہ بن ابی سرح رضؓ کو حکومتِ مصر سے معزول کر دیا۔" (خلفائے راشدین صفحہ ۲۰۲ حرم بک ڈپو۔ دہلی ملت)

دیکھا آپ نے۔ امام اہل سنت نے عبداللہ کا ایک اور قصور بیان کیا اور تعریف کا کوئی لفظ نہ لکھا۔ آگے پیچھے پھر کہیں عبداللہ بن سعد رضؓ کا ذکر ہے ہی نہیں۔ تو کیا میاں صاحب انھیں بھی کبھی مستحق صد ملامت قرار دے چکے ہیں۔ کیا یہ بھی بغض صحابہ رضؓ میں گرفتار تھے۔

مزید دیکھئے۔ خاتم المحدثین مولانا انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد رشید اور دار العلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے سابق استاد مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنی کتاب سیرت المصطفےٰ کے صفحہ ۸۷ پر عبداللہ بن سعد رضؓ کے ارتداد اور بعد میں حضرت عثمان رضؓ کی درخواست پر انھیں معاف کرنے کی تفصیل لکھ کر حضورؐ کے اس ارشاد پر اپنا کلام ختم کر دیتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی سمجھدار نہ تھا کہ :-

"جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا تو اُٹھ کر اسے قتل کر ڈالتا۔"

نہ انھوں نے یہ لکھا کہ عبداللہ ابن سعد رضؓ بحری جنگ کے ماہر تھے نہ یہ لکھا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا نہ اور کوئی مدح کی ـــ تو میاں صاحب فرمائیں کیا وہ بھی قابل صد ملامت ہیں۔ ان کا بھی قلم ٹوٹ گیا اور روشنائی خشک ہو گئی۔

مزید سُنیئے۔ تحفۂ اثنا عشریہ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اُن مطاعن کا ذکر کیا ہے جو شیعہ حضرات ہیں حضرت عثمان رضؓ کے بارے میں عام تھے۔ ان میں ولید جیسے سزا یافتہ مجرم کو گورنر بنانے کا طعنہ بھی ہے۔ آپ دیکھ چکے حضرت شاہ صاحب اس کی تردید نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں عثمان رضؓ کی خطا کیا۔ انھیں ولید سے حسن ظن تھا یہ حسن ظن غلط ثابت ہوا اور شراب نوشی کی تحقیق ہو گئی تو آپ نے اسے سزا دی اور معزول کر دیا۔

ایک طعن عبداللہ بن سعد رضؓ کے بارے میں تھا۔ یہ کہ :-

ولّی عبداللہ بن سعد مصر فظلم اھلھا ظلماً شدیداً حتّی اضطرھم الی الھجرۃ الی المدینۃ وخرجوا الیہ (صفحہ ۲۵۹ حوالۂ سابق)	(عثمان رضؓ نے) عبداللہ ابن سعد کو مصر کا حاکم بنایا پس اس نے وہاں والوں پر شدید ظلم ڈھایا حتی کہ اس ظلم نے انھیں مدینے کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیا اور وہ عثمان کی طرف نکلے۔

اس کے جواب میں شاہ صاحب ان باتوں میں سے کوئی بات بیان نہیں کرتے جن کے بیان کرنے پر مودودی کو قابلِ صد ملامت قرار دیا جا رہا ہے۔ بس اتنا کہتے ہیں کہ ان شکایات کے پیچھے عبداللہ ابن سبا کی سازش تھی۔ اور اگر ظلم کی روایات درست بھی مانی جائیں تو اس میں عثمان رضؓ کا کیا قصور ہے۔ حضرت علی رضؓ کے بنائے ہوئے حاکموں نے بھی ان کی خواہش کے خلاف بے شمار حرکتیں کیں۔ اگر عثمان رضؓ ہی کے عامل کوئی خراب حرکت کرتے ہیں تو عثمان رضؓ پر اس کا الزام کیوں!ـــ لطف یہ ہے کہ شاہ صاحب نے دورانِ جواب میں عبداللہ بن سعد رضؓ کے اس قابلِ اعتراض عمل کا ذکر اور کر دیا کہ انھوں نے محمد رضؓ بن ابوبکر کی تذلیل و اہانت کی تھی۔

اب فرمائیں میاں صاحب کیا شاہ صاحب بھی بغض صحابہ رضؓ کے مجرم ہیں۔

اے انصاف والو! یہ نمونے ہم نے اس تقدیر پر دکھائے ہیں کہ مولانا مودودی نے عبداللہ بن سعد رضؓ کی کوئی تعریف نہ لکھی ہو۔ لیکن آپ یہ سُنکر حیران ہوں گے کہ سچائی یوں نہیں ہے بلکہ مودودی نے کئی سطریں تعریف کی لکھی ہیں جو میاں صاحب کو اس لئے نظر نہ آئیں کہ مودودی کے حسد اور بغض نے ان کی آنکھوں پر چربی چڑھا دی ہے۔

ملاحظہ ہو "خلافت وملوکیت" صفحہ ۳۵۱ مودودی نے لکھا:۔

"اس میں شک نہیں کہ اس کے بعد (یعنی حضورؐ کی طرف سے معافی مل جانے کے بعد۔ تجلّی) حضرت عبداللہ بن سعدؓ ایک مخلص مسلمان ثابت ہوئے اور ان سے پھر کوئی بات قابلِ اعتراض ظاہر نہیں ہوئی اسی لئے حضرت عمرؓ نے ان کو پہلے حضرت عمروؓ بن العاص کے ماتحت ایک فوجی افسر مقرر کیا اور بعد میں مصر کے ایک علاقے (صعید) کا بھی عامل بنادیا۔"

اب بتائیے آنکھوں میں دھول مودودی جھونک رہا ہے یا میاں صاحب۔ جھوٹے یہ ہیں یا وہ۔

ایک سوال

میاں صاحب نے اپنی کتاب کے اواخر میں خوارج کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حدیث نقل کی ہے جس میں اللہ کے رسولؐ نے یہ خبر دی تھی کہ ان لوگوں کی نمازوں اور روزوں اور تلاوتِ قرآن کا حال تم (صحابہ) سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا مگر یہ دین سے ایسے نکل جائینگے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ کی محض ظاہری نکوکاری اور عبادت گذاری لازماً اس کی بزرگی اور نجات کی دلیل نہیں بن سکتی۔ عین ممکن ہے کہ ایک شخص کا ظاہری حال دینداروں جیسا ہو مگر عنداللہ وہ مردود ہو۔ اب ہم یا آپ نبی تو ہیں نہیں کہ قطعیت کے ساتھ کوئی فیصلہ دے سکیں۔ ہمیں تو ظاہر ہی کے مطابق ظن رکھنا ہوگا لیکن اگر رسول اللہؐ کے کسی فعل و قول سے یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص سے وہ نہایت بیزار تھے حتیٰ کہ اسے زندہ دیکھنا آپ پسند نہیں فرماتے تھے تو کیا پھر بھی ہم یہ خیال کرنے میں کوئی گناہ کریں گے کہ اس شخص کے ظاہری اعمالِ نیک کا عنداللہ مقبول ہونا ضروری نہیں ہے۔

خصوصاً جب اس حدیث پر نظر کیجئے جو میاں صاحب نے اسی جگہ (ص ۲۴۹) پر بیان کی ہے کہ ایک بار مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک شخص نے حضورؐ کو ٹوکا کہ اے محمدؐ انصاف کرو خدا سے ڈرو۔ حضورؐ کو اس فقرے سے بڑا صدمہ ہوا۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں اجازت دیجئے اس کی گردن اُڑادیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بہت ممکن ہے نماز پڑھتا ہو۔

تو پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ جس شخص کے بارے میں صرف نمازی ہونے کا امکان پاتے ہوں اس تک کو مروا ڈالنا پسند نہیں فرماتے حالانکہ اس نے کتنی سخت بات کہہ دی تھی۔

اب عبداللہ ابن سعد کی طرف لوٹیے۔ کیا بیزاری کا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ثبوت ہوگا کہ پہلے آپؐ انھیں مباح الدم قرار دیتے ہیں (یعنی جہاں ملے مارڈالو) پھر حضرت عثمانؓ کی درخواست پر ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔ عثمانؓ اصرار سے دستکش نہیں ہوتے تو از راہِ مروت بیعت لے لیتے ہیں مگر پھر فوراً ہی صحابہؓ سے شکایت کرتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں تھا جو میری ناگواری کو محسوس کرکے اس شخص کو قتل کر ڈالتا

اس کا مطلب حدیث مذکورہ کی روشنی میں یہی تو ہوا کہ حضورؐ کو عبداللہ ابن سعدؓ سے ذرا بھی خوش گمانی نہیں تھی۔ اب اگر عبداللہ ابن سعدؓ کی بعد کی کارگذاری اور ظاہری حالت اچھی بھی رہی ہو تو کیا قطعیت کیساتھ یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب عنداللہ مقبول بھی ہوگا؟ کیا خوارج والی پیش گوئی سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ظاہری اعمال کا اعتبار نہیں اگر اللہ کے رسولؐ کا کوئی قول یا فعل یہ ظاہر کررہا ہو کہ آپؐ فلاں شخص سے بے حد خفا ہیں۔ عبداللہ ابن سعدؓ کے بارے میں تعریف ومنقبت کی وہ پُرجوش روش اختیار کرنا جو میاں صاحب نے کی ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ حضورؐ کی عبداللہ بن سعدؓ سے

بیزاری و خفگی میاں صاحب کی نظر میں کوئی معنی نہیں رکھتی بلکہ وہ گویا معارضہ فرما رہے ہیں حضورؐ پر کہ آپ اس شخص کو قتل کرا دینا چاہتے تھے جو بعد میں اتنا بزرگ اور قابل تعریف ثابت ہوا۔

مولانا مودودی نے تعریف میں جو کچھ کہا ہے وہ ظاہر سے متعلق ہے۔ مگر میاں صاحب تو ایسے رنجیدہ ہیں جیسے نعوذ باللہ حضورؐ کو چڑا رہے ہوں۔ مودودی پر کیچڑ اچھالتے ہوئے بلا سے سرورِ عالمؐ مجروح ہو جائیں کوئی پروا نہیں۔ شرم آنی چاہیئے میاں صاحب کو کہ اس شخص کی قصیدہ خوانی میں آپے سے باہر ہوئے جاتے ہیں جس سے حضورؐ کی بیزاری امر مسلم ہے۔

ہم حضرت عبد اللہ بن سعدؓ پر ہرگز کوئی حکم نہیں لگاتے۔ ان کا فیصلہ اللہ کو کرنا ہے۔ مگر ہاں یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ ان کے ظاہری اعمال کو اخروی مقبولیت کا بھی سرٹیفکٹ دیدیں جبکہ ان سے حضورؐ کی ناراضگی معلوم ہے۔ یہ میاں صاحب ہی کو مبارک کہ وہ اس درجہ ان کے مدح خواں ہیں کہ اگر مودودی بلا ضرورت ان کے کارناموں کا ذکر نہ کرے تو میاں صاحب منہ میں جھاگ بھر لائیں۔ گویا خفگی اصل میں حضورؐ پر ہے کہ بھلا دیکھو ایسے قابل اور نیک شخص کو وہ قتل کرائے دے رہے تھے!

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

حضرت سعید بن العاصؓ

حضرت سعید بن العاصؓ کا ذکر مودودی نے بس اتنا کیا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں چھوٹے عہدوں پر رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے انھیں گورنر بنا دیا۔

اب دیکھئے میاں صاحب کیا فوں فاں دکھاتے ہیں۔

فرمایا:۔

"مودودی صاحب کی خوردبین بہت ہی تیز ہے کہ جو چیز کسی اور کو نظر نہیں آتی وہ ان کا مطمح نظر موضوع کلام بن جاتی ہے اور آپ کو اس پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات جن کو چشم کور بھی محسوس کر سکتی ہے مودودی صاحب کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔" (ص۵۷، شواہد تقدس)

یہ کس چیز کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی بھی وضاحت میاں صاحب نے چند لائن بعد یہ کہہ کر کر دی کہ:۔

"مودودی صاحب کو حضرت سعیدؓ کے متعلق صرف یہ نظر آیا "اپنے عزیز"۔" ص۱۰۱

"اپنے عزیز" کے الفاظ مودودی نے خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۱۰۷ پر لکھے ہیں۔ اب گویا میاں صاحب اپنے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سعیدؓ حضرت عثمانؓ کے عزیز نہیں تھے۔ یہ مودودی کی من گھڑت بات ہے۔

لیکن حقیقت کیا ہے یہ ہم بتائیں۔ حضرت سعیدؓ کا نسب یوں ہے۔ سعید ابن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ ان کا حضرت عثمانؓ کا عزیز ہونا ذیل کی تمام کتابوں میں موجود ہے:۔

اسد الغابہ۔ الاستیعاب۔ الاصابہ۔ عثمان بن عفان۔ طبقات ابن سعد۔ کنز العمال۔ البدایہ والنہایۃ۔ تاریخ الخلفاء۔ تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ عقد الجمان۔ النزاع والتخاصم۔ مسالک الابصار فی الممالک والامصار۔ انساب الاشراف۔

اور اگر کوئی ضرورت ہو تو اتنے ہی حوالے ہم اور پیش کر سکتے ہیں۔ اب بتائیے کیا میاں صاحب کا ٹھیک یہ عالم نہیں ہے کہ خود بینائی کھو چکے ہیں اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ ساری دنیا اندھی ہو گئی ہے۔ جو بات ساری ہی کتابوں میں موجود ہو اسے دیکھنے کے لئے مودودی کو تو خوردبین کی ضرورت نہیں پڑ سکتی البتہ خود میاں صاحب کو ایسی کوئی عینک تلاش کرنی چاہیئے جو گئی ہوئی نگاہ واپس لائے۔

اور سنیئے۔ مولانا مودودی نے لکھا تھا:۔

"سعید بن العاص اور عبد اللہ بن عامر جو

چھوٹے عہدوں پر رہے تھے۔" صـ۳۲۴

میاں صاحب اسے نقل کرکے لاٹھی گھماتے ہیں:۔

"لیکن مودودی صاحب کے مستند ترین امام تاریخ ابن جریر طبری بیان فرماتے ہیں ...." صـ۵۷

ٹھیر جائیے۔ کیا فرماتے ہیں اس کا تو بیان آگے ہوگا پہلے اس طنزیہ جملے کا تجزیہ کرلیجیے۔ مولانا مودودی نے "خلافت وملوکیت" کے لئے جن مآخذ کو سامنے رکھا ہے ان کی پوری فہرست کتاب کے آخر میں دی گئی ہے۔ خود ہم آگے مناسب موقع پر اس فہرست کو نقل کریں گے۔ طبری سے لیا ہوا مواد تو ان کی کتاب میں پانچ فیصد بھی نہیں۔ البتہ ان کا قصور یہ ہے کہ جاہل معترضین نے جب تاریخ کی اُمّہات کتب ہی کو ان کی عداوت میں سبّ وشتم اور تحقیر کا نشانہ بنانا شروع کیا تو انھوں نے "خلافت وملوکیت" میں ان کتابوں کا نام بہ نام تعارف کرایا ہے اور اہل علم کی آراء ان کے بارے میں درج کی ہیں۔ اسی ذیل میں طبری کا بھی تعارف کرایا ہے اور دکھایا ہے کہ بڑے بڑے اساطین اسے مستند مانتے ہیں۔

اب اس جملے کو دیکھئے جو میاں صاحب نے طنزاً فرمایا۔ کیا اہل زبان سے یہ بات مخفی ہے کہ ایسا جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب خود بولنے والے کے نزدیک وہ چیز مستند نہ ہو جس کے مستند ہونے کا دعویٰ فریق ثانی کر رہا ہے۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ خود میاں صاحب کی ساری کتاب کا ۹۵ فیصد مواد طبری ہی سے لیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے صرف وہ ٹکڑے لے لئے ہیں جو انھیں پسند آئے اور وہ تمام روایات چھوڑ دی ہیں جو یہ بتانے والی تھیں کہ مودودی ہی ٹھیک لکھ رہا ہے۔

خیر۔ اب یہ دیکھئے طبری کی کس روایت سے وہ مولانا مودودی کے منہ پر طمانچہ مارنا چاہتے ہیں:۔

"طبری بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جنگ طبرستان میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی" (فلاں فلاں صحابہؓ آپ کے زیر کمان رہے۔ معرکہ سخت ہوا حتیٰ کہ کامیابی ملی) صـ۵۸

گویا میاں صاحب نے یہ اعتراض فرمایا ہے کہ "اے مودودی تم جو یہ بکواس کر رہے ہو کہ سعید بن العاص چھوٹے چھوٹے عہدوں پر رہے تھے تو سنو ابن جریر طبری کیا فرما رہے ہیں۔ دیکھتے نہیں ان کے بیان کے مطابق سعیدؓ جنگ طبرستان میں سپہ سالاری کر رہے ہیں۔

اب اہل انصاف خلافت وملوکیت کا وہ صفحہ کھول کر دیکھیں جہاں سے میاں صاحب نے ایک سطر اٹھائی ہے۔ یہ صفحہ ہے ۳۲۴ اسے دیکھنے کے بعد انھیں ذرا شک نہیں رہے گا کہ میاں صاحب یا تو بد دیانت ہیں یا کم بینا یا انتہائی ناسمجھ۔ مودودی زمانہ عمرؓ کا ذکر کر رہا ہے حالانکہ میاں صاحب اچھل کر جس جنگ طبرستان کا ذکر طبری کی زبان میں فرما رہے ہیں وہ سنہ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی ہے۔ اس صورت میں مودودی پر آنکھیں نکالنے کا جواز کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کیا زمانۂ عثمان میں جنگ طبرستان کا سالار جنگ ہونا مودودی کے اس بیان کی تردید کرتا ہے کہ حضرت سعید زمانۂ عمرؓ میں چھوٹے عہدوں پر فائز تھے۔

خدا ہی جانے عقل دشمنی اور بے حیائی کی کون سی فلک بوس چٹان ہے جس پر میاں صاحب جا کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسی لغویت تو پرائمری کا کوئی بچہ بھی نہیں پھیلا سکتا۔

اور ان صاحب کی فضول نویسی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ موقعہ ہو نہ ہو باتیں کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اب مثلاً اسی مقام پر طبری کی جو روایت بیان کرنے کے بعد متعدد صفحات تک سعید بن العاصؓ کے مناقب بیان فرمائے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ ان مناقب کا

انکار مودودی نے کہاں کیا۔ ذکر صرف دو باتوں کا تھا۔ ایک تو حضرت عثمانؓ سے ان کی عزیزداری اور دوسرے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کا کسی بڑے عہدے پر فائز نہ ہونا۔ مگر وہ ارے میاں صاحب۔ مناقبِ سعیدؓ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"عجیب بات یہ ہے کہ مستند ترین مؤرخین نے جو باتیں فرمائیں حضرت مودودی صاحب کو ان میں سے کسی کی خبر نہیں۔ صرف وہ بات یاد ہے جو کسی مؤرخ نے تحریر نہیں کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے۔" ص۵۹

دیکھ رہے ہیں آپ شوقِ ہذیان۔ گویا مودودی نے اپنی کتاب میں صرف ضمناً جن جن افراد کا تذکرہ کیا ہے اگر ان کے بعض حالات انھوں نے بیان نہیں کئے ہیں تو لازم ہوا کہ ان سے وہ بے خبر ہیں۔

علاوہ ازیں پھر میاں صاحب نے یہ جتلانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سعیدؓ اور حضرت عثمانؓ کی قرابت داری مودودی کی تصنیف ہے کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا اب اس دھاندلی اور یاوہ گوئی کا کیا علاج ہے۔ ہم اتنے بہت سے حوالے دے چکے ہیں۔ حضرت سعیدؓ کا بنو امیہ میں سے ہونا ایک ایسا امرِ واقعہ ہے جس میں دو رائے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(آگے صفحہ ۸۳ مسلسل)

ماہ رمضان کی رعایتیں

حسب سابق اس مرتبہ بھی رمضان المبارک کی خوشی میں مکتبہ تجلّی درج ذیل رعایتیں ۲۰ ستمبر سے عید کے دن تک پیش کرتا ہے۔ اس مقررہ مدت میں زیادہ سے زیادہ مال خرید کر فائدہ اٹھائیں۔

۱ دیوبند کی طبع شدہ تمام کتابوں پر ۱۵ فی صد رعایت۔

۲ دیوبند سے باہر کی طبع شدہ تمام کتابوں پر ۱۰ فی صد رعایت۔

۳ سرمہ دُرِ نجف پر ۱۰ فی صد رعایت۔

۴ سپارے اور قاعدوں پر (خواہ کہیں کے بھی مطبوعہ ہوں) ۵ فی صد رعایت۔

۵ حضرت شیخ الہندؒ والے قرآن پاک پر فی قرآن ۲ روپیہ رعایت۔

۶ دس روپے یا دس روپے سے اوپر کے ہر حمائل و قرآن پر فی قرآن ایک روپیہ رعایت۔

۷ دس روپے سے کم کے تمام قرآن و حمائل پر فی قرآن و حمائل ۵۰ پیسے رعایت۔

(نوٹ) سرمہ کی ۳ شیشی یکجا منگوانے پر جو محصول ڈاک و پیکنگ کی معافی کا اعلان ہے۔۔ وہ بھی قائم ہے اور یہ ۱۰ فی صد رعایت اس کے علاوہ ہوگی۔

منیجر ادارہ تجلّی دیوبند

(یو۔پی)

لفظِ طلقاء کی بحث

مولانا مودودی نے خلافتِ عثمانی کے عوام کی بے چینی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے وجوہ کا تذکرہ بایں طور شروع کیا ہے :-

"اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب "طلقاء" میں سے تھے۔ "طلقاء" سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔" ص۱۰۹

اہلِ علم بتائیں کیا لفظ "طلقا" کی مراد مودودی نے غلط بتائی یا کیا ایسی کوئی بات کہدی جو بغض یا اتہام کا شائبہ اپنے اندر رکھتی ہو۔ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔ "طلقاء" ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ اور جملہ اہلِ علم فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں کو "طلقاء" ہی کہتے ہیں۔

مگر خدا بچائے کینہ و تعصب سے۔ میاں صاحب نے طے کر رکھا ہے کہ جو بھی الٹا سیدھا اعتراض ان کی عقل شریف میں آئے، مودودی کی طرف ضرور اچھالیں گے۔ پہلے تو آپ فرماتے ہیں :-

"مان لیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلیق ہی ہیں اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گئے۔" ص۱۲۹

یہ ایک دجل ہے جو انھوں نے قارئین کے ساتھ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کی عبارت اسی وقت لکھی جاتی ہے جب امرِ واقعہ تو وہ نہ ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے لیکن قائل نے مفروضے کے طور پر اسے تسلیم کر لیا ہو۔ ہم اہلِ علم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ علمی طریق ہے؟ — حضرت معاویہؓ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے بے شک بعض روایات ایسی بھی آئی ہیں لیکن کیا محدثین و محققین کی تنقید و تحلیل کے بعد اہلِ سنت کے اساطین نے اس پر اتفاق نہیں کیا ہے کہ یہ روایات غلط ہیں اور معاویہؓ فتح مکہ کے بعد ہی ایمان لائے۔ اس موضوع پر ہم بات کو طول دینا اس لیے نہیں چاہتے کہ تحصیل حاصل ہوگی لیکن اگر میاں صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے غلط کہا ہے تو ہم بدل و جان اپنے قول کا قطعی ثبوت پیش کرنے کو تیار رہیں۔

آگے سنیئے۔ آپ کو لفظِ طلیق پر بڑا غصہ آیا کسی لڑاکا ساس کی طرح فرماتے ہیں :-

"اور آپ لفظ طلیق "طلقاء" کا تکلف ہی کیوں برتتے ہیں صاف کہدیجئے کہ حضرت معاویہؓ اسی ہندہ کے بیٹے تھے جس نے جنگ اُحد کے موقعہ پر سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا تھا۔ پھر شہداء کے ناک کان کاٹ کر ان کا ہار بنایا تھا اور سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبایا تھا اور حضرت معاویہؓ اسی ابو سفیان کے بیٹے ہیں جو اسلام کے مقابلہ میں کفر کا علمبردار......" ص۱۳۰

آگے دو سطر تک ایسے ہی حقائق بیان کرتے چلے گئے ہیں اب کوئی ہمیں بتائے ایسی بو الفضولی کا کیا جواب ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سارے علماء و اتقیاء جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کے لیے "طلقاء" کی اصطلاح پر اتفاق کیا ہے۔ میاں صاحب کے نزدیک بغضِ صحابہؓ کے مرض میں مبتلا ہیں اور یہ لفظ بول کر وہ محض تکلف برتتے ہیں ورنہ ان کے اندر صحابہؓ کی عداوت بھری پڑی ہے

لطف یہ ہے کہ یہاں تذکرہ تنہا معاویہؓ ہی کا نہیں تھا بلکہ مودودی نے معاویہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم سب کا نام ساتھ ساتھ لیا ہے مگر میاں صاحب کے ایسی آگ لگ گئی ہے جیسے حضرت معاویہؓ کو گالی دیدی گئی ہو۔ آگے فرماتے ہیں :-

"مگر واقعہ یہ ہے کہ انھیں طلقاء کے متعلق اسی حدیث بلکہ اسی جملہ انتم الطلقاء سے پہلے لفظ کو سخن پروری نہ مانا جائے اور لسانِ رسالت سے صادر شدہ کلمات کو حقیقت

اور حکمِ شریعت سمجھا جائے تو قطعاً جائز نہیں ہوگا کہ بحث و تنقید کے وقت ان حضرات کی حیثیت گھٹانے کے لیے طلیق ہونے کا طعنہ دیا جائے۔" صلا۱۳

کیا مطلب ہوا؟ —— کوئی صاحب زبان ہے جو اس شاندار اردو کا مفہوم ہمیں بتا دے۔ حضورؐ کے جس ارشاد پر اصطلاحِ طلقاء کی بنیاد ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے فتح کے بعد فرمایا اذھبوا انتم الطلقاء اسی حدیث کا میاں صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ

"انتم الطلقاء سے پہلے لفظ کو سخن پروری نہ مانا جائے"

اس سے پہلا لفظ اذھبوا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ میاں صاحب "سخن پروری" کے محاوراتی مفہوم سے واقف نہیں ورنہ یہ لفظ یہاں ہرگز استعمال نہ کرتے۔ بھلا کون مسلمان حضورؐ کے کسی ارشاد کو نعوذ باللہ "سخن پروری" پر محمول کر سکتا ہے۔

پھر حقیقت کے ساتھ حکمِ شریعت کا بیان کیا تک ہے حقیقت تو بے شک درست کہ حضورؐ نے انھیں قید نہیں کیا ہلاک نہیں کیا۔ چھوٹ دیدی کہ جاؤ مزے کرو۔ مگر "حکمِ شریعت" چہ معنی دارد؟ —— ساڑھے تیرہ سو برسوں میں آج تک تو اس حدیثِ مبارک کو کسی عالم نے "حکمِ شریعت" سے نہیں جوڑا بلکہ اسے حضورؐ کے بے نہایت عفو و درگذر اور رافت و رحمت کے شاہکار کی حیثیت سے ذکر کیا۔ اب میاں صاحب کون سی کدال سے "حکمِ شریعت" کھود نے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میاں صاحب کو مافی الضمیر ادا کرنے اور الفاظ کو صحیح استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے اور رہی سہی صلاحیت کو بغضِ مودودی نے تباہ کر دیا ہے اس لیے اوٹ پٹانگ لکھے چلے جا رہے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح انھوں نے یہ اجتہاد کر ہی ڈالا کہ حیثیت گھٹانے کے لیے طلقاء کا طعن جائز نہیں ہے۔

انھیں یہ تک نہیں معلوم کہ طعن اور معروضی اندازِ بیان میں کیا فرق ہے۔ ہم مودودی کی عبارت نقل کر آئے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتاب اٹھا کر آگے پیچھے سے دُور تک پڑھ لے۔ وہ صرف یہی دیکھے گا کہ جو حقائق کتبِ معتبرہ سے ثابت ہیں انھیں خالص معروضی انداز میں مودودی نے پیش کر دیا ہے۔ طعن، تضحیک، طنز کا شائبہ تک نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر کسی کے اندھے ہونے کا ذکر کرنا ہے تو آدمی بہرحال کوئی نہ کوئی لفظ ایسا استعمال کریگا جس سے واضح ہو کہ فلاں شخص کی آنکھیں نہیں تھیں۔ اسی طرح جب مولانا مودودی اضطرابِ عام کے اسباب بیان کرنے کے سلسلہ میں اُن لوگوں کی قرار واقعی پوزیشن کا ذکر کریں گے جنھیں آگے بڑھانے پر لوگوں کو اعتراض ہوا تو آخر اسے طعن کون صحیح الدماغ کہدے گا۔

واضح رہے کہ "طلیق" آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں "طلقاء" اسی کی جمع ہے۔ حضورؐ نے جب کفار و مشرکین سے کہا کہ اذھبوا انتم الطلقاء تو قدرتاً اس کا یہی مطلب تھا کہ اگرچہ تم لوگ اس کے مستحق ہو کہ غلام بنائے جاؤ مگر ہم تمھیں ازراہِ دریادلی آزاد چھوڑ رہے ہیں۔ اسی لیے بعد کے علماء و اتقیاء نے لفظِ "طلقاء" کو ایسی ہی ایک اصطلاح بنا لیا جیسے مہاجر اور انصار کی اصطلاحیں ہیں۔ جب بھی علمائے سلف نے لفظِ "طلقاء" استعمال کیا ہے لازماً ان کی مراد یہ رہی ہے کہ یہ لوگ مہاجرین و انصار کے مقابلہ میں کمتر ہیں۔ سورج کو دلیل کی ضرورت نہیں پھر بھی ایک قولِ صحابیؓ ملاحظہ فرما ہی لیجئے:-

حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفا میں مہاجرین و انصار کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

دستبنی برہمیں	اور اسی اصل پر یعنی مہاجرینؓ انصار
اصل ست کلامے کہ ابن	کی مسلّمہ افضلیت پر) حضرت عبداللہ بن
عمرؓ مہیا کردہ بود کہ با معاویہؓ	عمرؓ کا وہ کلام مبنی ہے جو انھوں نے معاویہ
بن ابی سفیان بگوید:-	بن ابی سفیان سے کہنے کو تجویز کیا تھا
احق بھذا الامر منك	کہ اے معاویہ! خلافت کے لائق تم
من قاتلك و قاتل	سے کہیں زیادہ وہ ہے جس نے تم سے
اباك علی الاسلام	اور تمہارے باپ سے اسلام پر مقابلہ کیا تھا
اخرجه البخاری	(یعنی علیؓ) اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ابھی نقل پوری نہیں ہوئی۔ ہم چاہتے ہیں میاں صاحب کسی لڑاکا مرغ کی طرح ذرا عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی وہی سب فرمادیں جو مودودی سے کہا ہے۔ یعنی "ہاں ہاں صاف کیوں نہیں کہتے" الی آخرہ۔

آگے شاہ صاحب نے تحریر فرمایا:-

وکلام عبدالرحمٰن بن غنم اشعری فقیہ شام چوں ابوہریرۃؓ و ابو درداءؓ از نزدیک حضرت مرتضیٰؓ برگشتند و ایشاں میانجی بودند میانِ معاویہؓ و حضرتِ مرتضیٰؓ و معاویہؓ طلب می کرد کہ خلافت بگذارد و شوریٰ گرداند درمیان مسلمین فکان مما قال لہما عجبًا منکما کیف جاز علیکما ما جئتما بہ تدعو ان علیًا ان یجعلہا شوریٰ وقد علمتما انہ قد بایعہ المہاجرونَ والانصارُ واھل الحجاز والعراق وانّ من رضیہ خیر ممّن کرھہٗ ومن بایعہ خیر ممن لم یبایعہ وایّ مدخلٍ لمعاویۃ فی الشوریٰ وھو من الطّلقاء الذین لایجوز

اور فقیہ شام عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کا کلام (اسی اصل پر مبنی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ) حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابودرداءؓ (جو حضرت علیؓ کے پاس حضرت معاویہؓ کا یہ پیغام لے کر گئے تھے کہ تم خلافت سے دستبردار ہوجاؤ اور خلافت کو مسلمانوں کے ارباب شوریٰ کے حوالے کردو) جب حضرت علیؓ کے پاس سے (یہ پیغام پہنچا کر) لوٹے (اور حمص پہنچے جہاں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری تھے) تو ابن غنم نے دوسری باتوں کے علاوہ ان سے یہ بھی کہا کہ حیرت ہے تم پر کہ ایسا پیغام علیؓ کے پاس لائے تھے اور تعجب ہے کہ کیسے تم نے علیؓ سے یہ کہدیا کہ خلافت کو اہلِ شوریٰ میں دائر کردو حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ مہاجرین اور انصار اور اہلِ حجاز و عراق علیؓ سے بیعت کرچکے ہیں اور یقیناً وہ لوگ جو علیؓ کی خلافت پر راضی ہوگئے ان لوگوں سے بہتر ہیں جو علیؓ کی خلافت سے راضی نہیں ہیں۔ اور جن حضرات نے علیؓ سے بیعت کرلی ہے وہ بیعت نہ کرنے والوں سے افضل ہیں اور بھلا شوریٰ سے معاویہؓ کو کیا ملے گا وہ تو طلقاء میں سے ہیں جن کے لئے خلافت کا جواز ہی نہیں۔ وہ تو وہ ہیں کہ وہ اور ان کے باپ جنگِ احزاب میں کفار کے

لہم الخلافۃ وھو وابوہٗ رؤوس الاحزاب فندما علیٰ مسیرھما وتابا بین یدیہ۔ اخرجہ ابوعمر فی الاستیعاب

سردار تھے۔ (ابن غنم کی یہ باتیں سن کر) ابوہریرہؓ اور ابودرداءؓ نادم ہوئے کہ کیوں ہم معاویہؓ کا پیغام لے کر علیؓ کے پاس پہنچے اور اسی وقت ابن غنم کے سامنے اپنے اس عمل سے توبہ کی۔ بیان کیا ہے اسے ابوعمر نے الاستیعاب میں۔

(ازالۃ الخفاء۔ مطبوعہ نور محمد کراچی صفحہ ۲۸۴ و ۲۸۵ جلد اول)

کہاں ہیں میاں صاحب۔ ذرا انھیں آواز تو دیجئے۔ مودودی نے تو واقعۃً وہ سب کچھ نہیں کہا تھا جسے تعریضًا میاں صاحب قلم سے اگلتے چلے گئے ہیں۔ بس طلقاء کہکر آگے بڑھ گئے تھے مگر یہاں تو فقیہ شام ابن غنم کیا کیا کہتے چلے جارہے ہیں۔ انھوں نے یہ لفظ نہ صرف حیثیت گھٹانے کے لیے کہا بلکہ ایک قاعدہ بھی بیان کردیا کہ طلقاء خلافتِ راشدہ کی مسند پر بیٹھنے کے اہل ...... ہی نہیں۔ اور اس قاعدہ کو دو جلیل القدر صحابہؓ نے اس طرح مان لیا گویا وہ خود بھی اسے جانتے تھے مگر بھول گئے تھے اور اب بھول لئے پر پچھتا رہے ہیں۔

اگر میاں صاحب کے نادر اجتہاد کے مطابق شان گھٹانے کے لیے طلقاء کا استعمال ناجائز ہے تو پھر کیا ارشاد ہے ابن غنم اور ابوہریرہؓ اور ابودرداءؓ اور شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں جبکہ اس لفظ کو صریحًا شان گھٹانے ہی کے لیے بولا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ جو شخص طلقاء سے ایسی غالی عقیدت رکھتا ہو کہ انھیں مہاجرین و انصار کے مقابلہ میں کمتر سننا اسے کسی قیمت پر گوارا نہ ہو وہ خدا اور رسولؐ اور ائمہ علماء سب کا مجرم ہے۔ اس کا دینی مزاج فاسد ہے۔ اس کی اخلاقی حس باطل ہوگئی ہے۔ وہ مسلمہ حقائق سے روگرداں اور اوہام باطلہ کی وادیِ تاریک میں سرگرداں ہے۔ مودودی دشمنی اس شان کی تو نہ ہونی چاہیے کہ آدمی اپنے علم اپنے فکر اپنے دین سب کو تماشہ بنادے۔

میاں صاحب مزید فرماتے ہیں کہ "اذھبوا انتم الطلقاء سے قبل حضورؐ نے یہ ارشاد کیا تھا کہ:-

"اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ لا تثریب علیکم الیوم۔ (میں وہی کہتا ہوں

جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ آج کوئی ملامت نہیں۔" صفحہ ۱۳۰

منطقی پہلو سے قبل ذرا لسانی پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

آیت میں علیکم کا لفظ صاف موجود ہے۔ میاں صاحب کا اعلان ہے کہ میں تحت اللفظ ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ پھر بتایا جائے کہ علیکم کا ترجمہ انھوں نے کیا کیا۔ لطف یہ ہے کہ اس آیت کا اگر بامحاورہ ترجمہ بھی کیا جائے تو علیکم کا ترجمہ پھر بھی کیا جائے گا کیونکہ اس کے بغیر فقرہ لنجا اور غیر فصیح رہ جاتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا:۔

"آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں"

تم پر (علیکم) کو حذف کرکے میاں صاحب نے ترجمہ کیا "آج کوئی ملامت نہیں" گویا جو حرف خطاب جملہ مکمل کر رہا تھا اُسے چھوڑ دیا۔ اس سے اگرچہ مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا مگر دو باتیں ضرور ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ قرآن تک کے ترجمے میں میاں صاحب لاپرواہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ زبان و بیان کو حسنِ انشاء اور فصاحت کی رعنائی دینے کے عوض وہ اس کی مٹی پلید کرنے کے درپے ہیں۔

مزید یہ کہ "تثریب" کا ترجمہ انھوں نے "ملامت" کیا۔ حالانکہ تثریب کہتے ہیں گرفت، سرزنش، ڈانٹ، الزام، دار و گیر اور طعن کو نہ کہ "ملامت" کو۔ "ملامت کرنا" اس وقت صحیح ترجمہ ہوتا جب یہ لفظ معنی مصدری میں استعمال ہوتا لیکن یہاں بطورِ اسم صفت استعمال ہوا ہے جس کی دلیل علیکم ہے (اس نکتے کو میاں صاحب کافیہ یا شرح جامی دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کریں) اسی لیے ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مستند اور معروف علماء کے جو تراجم قرآنی بازار میں پائے جاتے ہیں ان میں کسی میں بھی "ملامت" نظر نہیں آئے گا۔

یہ تسلیم کہ "ملامت" کے لفظ نے بھی مراد و مدعا میں تبدیلی نہیں کی لیکن سوال الفاظ کے برمحل اور فصیح و بلیغ استعمال کا ہے۔ "ملامت" سے بھی کھینچ تان کر آیت کی مرادِ صحیح نکل تو آتی ہے مگر ایک صاحبِ زبان اور ایک دیہاتی کا فرق یہی تو ہے کہ صاحبِ زبان الفاظ کا برمحل استعمال کرتا ہے جس سے قاری و سامع کے وجدان کو لذت ملتی ہے اور دیہاتی صرف اظہارِ مدعا کرتا ہے جس سے وجدان کے حصہ میں کوئی لذت اور فرحت نہیں آتی۔ بس کھینچ تان کر کے مطلب نکال لیجئے۔

منطقی رُخ سے دیکھیئے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میاں صاحب ثابت کرنا کیا چاہ رہے ہیں۔ خفا وہ لفظِ طلقاء کے استعمال پر ہو رہے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے "سخن پروری" والا لایعنی جملہ بول کر ایک نادر اجتہاد نکالا اور اس اجتہاد کی دلیل کے طور پر یہ قولِ رسولؐ نقل کیا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ کس قسم کی دلیل ہے۔ ہمیں تو یہ نظر آرہا ہے کہ اس سے اُسی مفہوم کی تائید ہو رہی ہے جس کے لیے "طلقاء" کی اصطلاح بنی ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی خطاکار تھے۔ ازراہِ حسد انھوں نے افعالِ شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر حضورؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر قرآن کے وہی الفاظ دہرائے جو حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہے تھے تو اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ مفتوحین کے خطاکار ہونے کی تصدیق فرما رہے ہیں۔

رہے وہ کارنامے اور اعمالِ صالحہ جو طلقاء سے بعد میں ظہور میں آئے تو آخر ان سے مودودی نے کہاں انکار کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی کارنامہ اس امرِ واقعہ کو تو نہیں بدل سکتا کہ طلقاء طلقاء تھے۔ وہ مہاجرین و انصار کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ ان کا پہاڑ بھر سونا بھی السابقون الاولون کے مٹھی بھر سونے کی برابری نہیں کر سکتا۔

جوابات

صفحہ ۱۲۸ پر "جوابات" کا عنوان لکھ کر میاں صاحب نے اپنی دانست میں کچھ جوابات بھی مودودی کو دیئے ہیں۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

> "کوئی بات مودودی صاحب کے خلافِ منشاء ہوتی ہے تو فرما دیتے ہیں یہ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے اور خود آپ کے مطالعے کے حدود اربعہ وہ موضوع اور ضعیف روایتیں ہوتی ہیں

جن سے آپ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر الزام ثابت کر سکیں۔ اسی کتاب میں تقریباً انھیں صفحات میں وہ روایتیں ہوئی ہیں جو اس موضوع روایت کی تردید کریں مگر آپ کی نظرِ تحقیق ان کے مطالعہ کا رُخ ہی نہیں کرتی۔"

الزام کتنا سخت دیا گیا اور کیسے طمطراق سے دیا گیا۔ بیچارے عام قارئین سمجھیں گے کہ میاں صاحب نے مودودی کو دفن کر کے رکھدیا۔ لیکن واقعہ کیا ہے اسے جو ہوشمند سمجھ لیں گے وہ سوائے اس کے کوئی نتیجہ اخذ نہ کریں گے کہ مودودی کے بغض نے میاں صاحب کو ہوش و خرد کا دشمن بنا دیا ہے۔

کسی روایت کا موضوع یا ضعیف یا حسن یا صحیح ہونا محض میاں صاحب کے قلم چلا دینے پر تو منحصر نہیں۔ ماہرینِ فن ائمہ نے شرح و بسط سے اس کے قواعد بنا دیئے ہیں اور خود میاں صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں ابن عبدالبرؒ کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مودودی پر بار بار موضوع روایات منتخب کرنے کا الزام لگانے والے میاں صاحب "خلافت و ملوکیت" کی کسی بھی روایت کو لے کر قواعدِ معروفہ سے اس کا موضوع ہونا ثابت فرماتے۔ تب یہ ایک عالمانہ بات ہوتی۔ لیکن ان کی پوری کتاب الف سے یا تک دیکھ جائیے ایک جگہ بھی ایسا نہیں ملے گا۔ وہ بغیر کسی علمی دلیل اور ضابطے اور اصول کے صرف اعلان فرما دیتے ہیں کہ فلاں روایت ضعیف یا موضوع ہے۔ کیوں موضوع ہے؟ — بس اس لیئے کہ میاں صاحب نے کہدیا۔

پھر یہاں — اور یہاں کے علاوہ ایک دو جگہ اور بھی انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مودودی نے موضوع روایت لے لی، حالانکہ اسی کتاب میں اس کی تردید کرنے والی روایت بھی موجود تھی۔ اس دعوے کا تقاضہ تھا کہ کم سے کم ایک مثال متعین تو وہ عطا فرماتے۔ مودودی کی لی ہوئی کسی روایت کو نقل کر کے دکھلاتے کہ دیکھیئے یہ فلاں کتاب سے لی گئی ہے اور اسی کتاب میں فلاں دوسری روایت موجود ہے جو اس کی تردید کر رہی ہے۔ اور اس کے بعد وہ ناقدینِ روایت کے معروف علمی اسلوب سے یہ ثابت کرتے کہ مودودی کی لی ہوئی روایت مردود کیوں ہے اور دوسری روایت مقبول کیوں۔

مگر پوری کتاب میں ایسی ایک مثال بھی وہ نہیں دے سکے ہیں البتہ بے سرو پا طول کلامی کا ڈھیر ضرور لگا دیا ہے مثلاً اسی جگہ دیکھیئے کہ حضرت معاویہؓ کا نام طلقاء کے ذیل میں لے دینے پر انھیں غصہ آیا اور جوابی تقریر انھوں نے اس عبارت سے شروع فرمائی جو ہم نے نقل کی۔ اس عبارت کے بعد کئی صفحات تک وہ حضرت معاویہؓ اور بعض دوسرے افراد کے کچھ کارنامے اور اوصاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔

اب ان عقلِ کُل سے کوئی پوچھے کہ حضرت معاویہؓ یا ان کے باپ ابوسفیانؓ نے جو بھی کارنامے بعد میں انجام دیئے ہیں ان سے آخر اس حقیقت پر کیا اثر پڑا کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کونسا تضاد ہے۔

وہ دراصل تضاد کے معنی و مصداق ہی سے آگاہ نہیں بطور نمونہ ان کی "تضاد فہمی" کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔ مولانا مودودی نے اسی طبری کے حوالے سے جو میاں صاحب کا سب سے بڑا ماخذ ہے ایک روایت بیان کی تھی جس میں یہ فقرہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:-

> "عمرؓ خدا کی خاطر اپنے اقرباء کو محروم کرتے تھے اور میں خدا کی خاطر اپنے اقرباء کو دیتا ہوں۔"

میاں صاحب نے بے تکلف اسے موضوع کہدیا اور دلیل میں حضرت عثمانؓ کی ایک تقریر کا وہی ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے جس کے ترجمے میں میاں صاحب کی قابلیت کا حال ہم شروع میں دکھا چکے یعنی:-

> "مجھے اپنے خاندان والوں سے محبت ضرور ہے مگر یہ محبت کسی ظلم پر ان کے ساتھ نہیں جھکی بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے۔" ص ۱۲۴ [1]

کوئی عقل والا بتائے یہ دلیل کیسے ہوئی مذکورہ روایت کے موضوع ہونے کی۔ حضرت عثمانؓ کے دونوں اقوال میں کونسا تضاد ہے جو میاں صاحب کے نقل کردہ قول کو تسلیم کرنے کی صورت

---

[1] ویسے یہ حوالہ غلط ہے۔ تفصیل آگے کہیں آئے گی۔

میں پہلا قول مردود قرار پائے۔ پہلے قول میں جو مضمون ہے دوسرا قول تو اسی کی تائید مزید کر رہا ہے نہ کہ تردید۔ کوئی بڑے سے بڑا احمق ہی دوسرے قول میں پہلے قول کی تردید دیکھ سکتا ہے

شرمناک بات یہ ہے کہ میاں صاحب خود ساری کتاب طبری سے مرتب فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ طبری ان کے نزدیک کُل کی کُل ناقابلِ اعتبار نہیں۔ تو پھر طبری ہی سے لی ہوئی کسی روایت کو بغیر دلیلِ قوی کے موضوع کہدینا معقولیت کی کون سی قسم میں داخل ہے۔

دراصل میاں صاحب اس خبط میں مبتلا ہیں کہ مودودی اگر کوئی ایسی روایت بیان کرے جس سے کسی فرد پر کوئی متعین الزام لگتا ہو تو اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اس فرد کے دوسرے کارنامے بیان کرتے چلے جاؤ۔ بس مودودی جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ جگہ جگہ ان عقلِ کل نے یہی تکنک برتی ہے۔ مودودی نے طنزاً نہیں بلکہ بطور بیان واقعہ ذکر کیا کہ حضرت معاویہؓ اور ولید بن عقبہ طلقاء میں سے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے۔ میاں صاحب لال پیلی آنکھیں نکالتے ہوئے اُٹھے اور دو چار صلواتیں سنانے کے بعد صفحے کے صفحے ان تفصیلات میں سیاہ کر دیئے کہ معاویہؓ نے فلاں فلاں کارنامے کیے۔ ولید بن عقبہ ایسا قابل تھا۔ ایسا بھلا آدمی تھا وغیر ذٰلک۔

بس انھوں نے سمجھ لیا کہ میری اس طول بیانی نے مودودی کا رد کر دیا اور ثابت ہو گیا کہ وہ موضوع روایات لیتے ہیں۔

اُصولی باتیں

جج صاحب — یعنی محترم عبدالماجد دریابادی ہی فیصلہ کریں کہ علم و تفقہ تو دُور کی بات ہے کیا ایسی سمجھ بوجھ کے آدمی کو صحیح الدماغ بھی کہا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی روایت کو بلا تکلف موضوع و مردود قرار دیدینے میں میاں صاحب نے منکرینِ حدیث کو بھی مات کر دیا ہے۔ ہم چیلنج سے کہتے ہیں کہ مودودی نے اپنی کتاب میں ایک بھی — جی ہاں ایک بھی ایسی روایت نہیں لی ہے جسے معروف علمائے سلف میں سے کسی کی بھی تائید حاصل نہ ہو۔ یہ چیلنج ہم عقیدۃً نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم نے "خلافت و ملوکیت" کی روایات کی جانچ پرکھ پر کافی عرصہ قبل اپنی عمرِ عزیز کے کئی مہینے صرف کیے ہیں کیونکہ "تجلّی" کے قدیم قارئین جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ وغیرہ کے بارے میں ہمارے خیالات اُس سے کافی مختلف تھے جن کا اظہار مودودی صاحب نے کیا ہے۔ ہم نے تائید کے نہیں بلکہ تردید کے جذبے سے وہ کتابیں کھنگالیں جن کے حوالے مودودی صاحب نے دیئے ہیں۔ پوری کوشش کی کہ خلافت و ملوکیت کے اندازِ نظر کی تردید کے لیے مناسب مواد ہاتھ آ جائے لیکن جتنی جتنی تحقیق کی ثابت ہوتا چلا گیا کہ ہمارے اپنے خیالات کم علمی کا ثمرہ تھے اور مودودی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ گہری اور وسیع علمی تحقیق کا حاصل ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہمیں اپنی آخرت خراب نہیں کرنی تھی کہ پچھلے خیالات پر جمے رہتے۔

خلافت و ملوکیت کی محض چند روایات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ثابت کیا جا سکتا ہے تو یہ کہ ان کا صحیح ہونا یقینی نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ ضرور ملے گا کہ مودودی ہی کی طرح بہتیرے علمائے سلف و خلف نے انھیں قبول کیا ہے انھیں صحیح مانا ہے۔ ایسی صورت میں کسی بھی سنجیدہ اہلِ علم کے لیے یہ کہنا تو روا ہو سکتا ہے کہ ہم فلاں فلاں دلیل سے فلاں روایت کو درست نہیں سمجھتے۔ ٹھیک ہے ایسا اختلافِ رائے اہلِ علم میں ہوتا ہی ہے لیکن اس طرح کی بکواس لگانا جس کے نمونے مودودی دشمن لٹریچر میں عام ہیں بازاری پن کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

یہ بھی اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ تاریخ تو تاریخ ہے کتبِ احادیث تک کی زیادہ تر روایات سے علمِ ظنی حاصل ہوتا ہے نہ کہ یقینی (یہ بات ہم نے مولانا محمد میاں جیسے حضرات کے لیے نہیں کہی بلکہ ان حضرات کے لیے کہی ہے جو علمی تبحر اور فکری تعمق کے مالک ہیں) اور یہ بھی محتاجِ بیان نہیں کہ احادیث کے رد و قبول میں علمائے امت نے جس معیارِ بلند کو ملحوظ رکھا ہے اُس معیار کو تاریخی روایات کے رد و قبول میں ہرگز ہرگز ملحوظ نہیں رکھا اور رکھ بھی نہیں سکتے۔ احادیث کا معیار یہ ہے کہ اگر کسی

راوی کے بارے میں ثابت ہوگیا ہے کہ اس نے کبھی کوئی موضوع روایت بیان کی تھی تو اب اس سے کوئی روایت نہیں لی جائیگی الّا یہ کہ دوسرے کسی ثقہ راوی سے اس کی تصویب ہوتی ہو۔ مگر تاریخ میں بے شمار راوی ایسے ہیں کہ جنھیں اسمار رجال کے ائمہ نے ثقہ نہیں قرار دیا مگر یہی ائمہ ان کی بہتیری روایات قبول کر لیتے ہیں، خواہ کسی سندِ صحیح سے اس روایت کی تخریج ممکن نہ ہو۔

اب مثلاً بعض حضرات نے "خلافت وملوکیت" کی بعض روایات پر اسمار الرجال کی کتابیں کھولیں اور شور مچایا کہ دیکھئے فلاں روایت میں فلاں راوی موجود ہے جو ثقہ نہیں ہے ضعیف ہے۔ ایسا ہے ویسا ہے۔ لیکن یہ حضرات بالکل بھول گئے کہ تاریخ کی جو ہزاروں روایات تمام علمار امت میں اور خود ان ناقدین کے یہاں بھی مسلّمات میں شمار ہوتی ہیں وہ سب بھی ایسی اسناد سے روایت نہیں ہوئی ہیں جن میں وہ راوی نہ پائے جاتے ہوں جن پر اعتراض کیا جارہا ہے۔ اگر محض اس دلیل سے "خلافت وملوکیت" کی کسی روایت کو رد کیا جاسکتا ہے کہ اس کی سند میں فلاں غیر ثقہ یا مجہول راوی موجود ہے۔ خواہ اس روایت کو بہتیرے معروف علمار نے قبول کیا ہو تو پھر تاریخ اسلام کا دسواں بٹا سواں حصہ بھی موجود نہیں رہے گا۔ مودودی عالم الغیب نہیں ہے۔ وہ تاریخ کی کسی روایت کے لینے میں اتنا ہی تفحص کر سکتا ہے کہ اسے فہم و درایت کے رُخ سے جانچے اور یہ دیکھے کہ معروف مستند علمائے سلف میں کسی نے اسے قبول کیا ہے یا نہیں۔ اگر قبول کیا ہے اور درایتاً بھی اس میں نقص نہیں ہے تو پھر اس پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر واقعتہً یہ روایت غلط ہو تو مودودی تنہا مجرم نہیں بلکہ جن مورخین نے اس روایت کو بیان کیا اور جن علمار نے اسے قبول کیا وہ سب مجرم ہیں۔ ان مورخین وعلمار کے بارے میں ہم میں سے کسی کا یہ طرزِ عمل نہیں ہے کہ اس جرم کی سزا میں انھیں گالیاں دیں۔ شیعہ اور خارجی کہیں۔ صحابہؓ کا دشمن بتائیں۔ اس کے برخلاف ہم برابر ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ انھیں محترم مانتے ہیں۔

اب مثلاً میاں صاحب طبری کو ماخذ بنا کر کتاب لکھ رہے ہیں۔ طبری ہی میں خود ان کی تصریح کے مطابق موضوع روایات موجود ہیں۔ یہ روایت جس کے موضوع ہونے کا فیصلہ ابھی ہم میاں صاحب کی زبانی سنا آئے، طبری ہی میں ہے اور طبری نے اس کے اختتام پر یہ نہیں لکھدیا ہے کہ یہ موضوع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود طبری موضوعات قبول کرتے ہیں۔ پھر بھی میاں صاحب کا طرزِ عمل یہ ہے کہ سارا غصہ مودودی پر اتار دیا جو ناقل ہے اور طبری پر کوئی طعن کرنا تو درکنار اس کی کتاب کو تو بطور ماخذ استعمال کر رہے ہیں۔

رہا درایت کا معاملہ۔ تو بے شک درایت کا درجہ اونچا ہے لیکن کونسی درایت کن حدود تک اہلِ علم میں معتبر ہے اسے انشاءاللہ ہم صحابیت کی اصولی بحث کے ذیل میں بیان کریں گے۔ یہاں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہرکس وناکس کی درایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر میاں صاحب جیسی قابلیت کے لوگوں کی درایت لائقِ اعتبار مان لی جائے تو سورج مغرب سے اور قطب ستارہ مشرق سے نکلنا شروع ہو جائے گا۔

جس شخص کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ ولید بن عقبہ اور عبداللہ ابن سعد کی حضرت عثمانؓ سے رشتہ داری ہیں اور ان دونوں کے بعد کے کارناموں میں کوئی تضاد و منافات نہیں ہے اسے درایت سے کیا واسطہ۔ جو اتنا بھی نہ سمجھتا ہو کہ موضوعِ گفتگو کیا ہے۔ نقطۂ بحث کدھر ہے۔ مقدمہ کون سا درپیش ہے اسے درایت سے کیا سروکار۔

شواہد تقدس کے صفحات میں قدم قدم پر جس قدر لغویات پھیلائی گئی ہیں اگر ہم ان سب کا نوٹس لیں تو ضخیم کتاب بن جائے گی۔ لہٰذا مزید جزئیات سے صرفِ نظر کر کے اب اُس عظیم شخصیت کے حضور پہنچتے ہیں جس کا نامِ نامی ہے عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ۔

خلیفۂ برحق سیدنا عثمان بن عفانؓ

حضرت عثمان رضؓ کے بارے میں مولانا مودودی نے جو کچھ

کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اندر عزیز و اقربا کی غیر معمولی محبت قدرت نے ودیعت کی تھی۔ اسی محبت کے تحت وہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی اس پالیسی کو جاری نہ رکھ سکے کہ خلیفۂ وقت اپنے خاندان کو حکومت کے دروبست پر حاوی نہ کردے۔ انھوں نے اپنے عزیزوں کو مال دیا، عہدے دیئے حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کی پیشین گوئی کے مطابق بنو امیہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہوگئے پھر یہ حضرت عثمانؓ کے اقربا عموماً طلقاء میں سے تھے جن کا مہاجرین و انصار کے مقابلہ میں کمتر ہونا مسلمات میں سے تھا اور مستزاد یہ کہ ان میں سے بعض وہ تھے جن کا دامنِ کردار ایسے داغوں سے ملوث تھا جنھیں وقت کی امتِ مسلمہ کا حافظہ کسی طرح بھی اپنے دامن سے نہیں جھٹک سکتا تھا مثلاً ولید بن عقبہ کہ قبولِ اسلام کے بعد بھی انھوں نے حضورؐ سے جھوٹ بولا اور ان کو قرآن نے فاسق قرار دیا۔ یا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کہ اسلام لاکر مرتد ہوئے، کفار کے آگے حضورؐ کا مذاق اڑایا۔ پھر فتح مکہ کے بعد حضرت عثمانؓ کی سفارش پر انھیں معافی ملی مگر ایسی معافی کہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرماتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہ تھا جو اسے قتل کر ڈالتا۔

ظاہر ہے یہ سب کچھ ایسا نہ تھا کہ لوگ اسے بھول جاتے۔ پھر ولید پر شراب نوشی کا الزام ثابت ہوتا ہے اور سزا دی جاتی ہے تو لوگوں کا یہ سوءِ ظن قدرتاً ترقی کرجاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے جن عزیزوں کو بڑے بڑے عہدے دے رہے ہیں ان کی اخلاقی و دینی حالت اچھی نہیں ہے۔

بس یہ ہے وہ سب کچھ جسے مودودی نے ان مستند اور معروف کتابوں کے حوالوں سے پیش کیا ہے جنھیں اگر ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے تو پھر سرے سے کوئی تاریخ ہی ہمارے پاس موجود نہیں رہتی۔

اب رہا یہ کہ عملِ عثمانؓ کے محرکات کیا تھے۔ ان کی نیت کیسی تھی۔ تو اس کے بارے میں مودودی نے پوری صداقت اور زورِ بیان کے ساتھ واضح کیا ہے کہ نیت کے اعتبار سے وہ اتنے ہی بلند تھے جیسا ایک خلیفۂ راشد کو ہونا چاہیئے۔ خیانت کا ہرگز کوئی دخل ان کے افعال میں نہ تھا۔ ان کے وہ تمام مناقب و اوصاف مسلّم ہیں جن پر علماء کا اتفاق ہے۔ وہ بلا شبہ خلیفۂ راشد تھے۔ انھیں ظلماً شہید کیا گیا۔ ان پر غلط الزامات لگائے گئے۔ وہ بے حد پاکباز، خداترس، صاحبِ تقویٰ اور رفیع الشان تھے۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اقربا نوازی صرف اسی صورت میں گناہ ہے جب کسی اور کے مال سے اقربا کو نوازا جائے یا کسی اور کا حقِ شرعی غصب کرکے انھیں دیا جائے۔ لیکن اگر ایک شخص ایسا کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ صرف اس مال کے ذریعہ اقربا نوازی کرتا ہے جس پر وہ اپنا حق سمجھتا ہے تو اس فعل کو گناہ بالکل نہیں کہہ سکتے۔

چنانچہ مودودی نے بار بار اس پہلو کو جتایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا اقربا نوازی میں دریا دلی اختیار فرمانا نہ شرعی گناہ تھا نہ کسی جذبۂ ناپاک کا ثمرہ۔ وہ ان کی ایک طبعی افتادگی، ایک مزاج تھا۔ چونکہ وہ خلیفہ بھی تھے۔ اسی لئے ان کا یہ جائز فعل بھی لوگوں کے لئے ناراضگی اور بدگمانی کا باعث بن گیا۔ وہ اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح یہ پالیسی اختیار فرما لیتے کہ اپنے خاندان والوں کو حکومت کے مناصبِ اعلیٰ پر تسلط کا موقع نہ دیں تو ان فتنوں کا دروازہ بند رہتا جو اس پالیسی کو ترک کرنے کی وجہ سے قدرتاً اٹھے اور چھا گئے۔

یہ ہے مکمل خلاصہ "خلافت و ملوکیت" کا۔ ہم بلاخوفِ تردید کہتے ہیں کہ یہ خلاصہ تیرہ سو سالوں کے علماء و اتقیاء، محدثین و مفسرین اور محققین و مجتہدین کے نزدیک اتنا ہی مسلّم اور قطعی رہا ہے جیسے یہ بات مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ نسبتاً سخت مزاج تھے اور ابوبکرؓ میں صدق کا مادہ جملہ صحابہؓ سے بڑھا ہوا تھا۔ یا جیسے یہ بات قطعی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے والد کا نام عفان تھا اور حضرت عمرؓ کے والد کا نام خطاب

پھر آخر چاروں طرف سے مودودی پر یلغار کیوں ہے؟ کیوں ایک امرِ قطعی میں کیڑے ڈالے جارہے ہیں۔ کیوں مضامین اور کتابوں کا سلسلہ جاری ہے۔ کیوں قلم انگارے

اگل رہے ہیں اور زبانیں گولیاں برسا رہی ہیں۔ اس کی وجہ پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اس کے سوا کوئی بات تہہ سے نہیں نکلے گی کہ اصل محرک اس شور و غل کا حسد و تعصب ہے۔

حُبِّ صحابہؓ یا بغضِ مودودی

جتنا کچھ جائزہ ہم "شواہدِ تقدس" کا لے آئے ہیں وہ بجائے خود شاہدِ عدل ہے کہ مخالفت بر بنائے حبِّ صحابہؓ نہیں بلکہ بر بنائے بغض و کدورت ہے۔ لیکن ہم ثبوتِ مزید کے طور پر اہلِ انصاف کے سامنے چند اور شواہد رکھتے ہیں جو دو اور دو چار کی طرح یہ بتادیں گے کہ ہمارا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔

یہ بات بدیہیات میں سے ہے کہ اگر کوئی شخص اتنا نفیس الطبع ہو کہ کبوتر اور چڑیا کی بیٹ بھی اس کی طبیعت میں استکراہ پیدا کرتی ہو تو مرغی یا خنزیر یا انسان کا بول و براز تو لازماً اس سے کہیں زیادہ اس پر اثر انداز ہوگا اور وہ کسی طرح اسے برداشت نہیں کرے گا۔

لیکن اگر آپ دیکھیں کہ الف کے کپڑوں پر جیم کے کبوتر نے بیٹ کردی تو وہ ابکائیاں لے رہا ہے، ناک ہاتھوں سے دبالی ہے۔ جیم کو گالیاں سنا رہا ہے کہ تیرے کبوتر نے مجھے گندہ کردیا، مگر اسی الف کو آپ دوسرے وقت دیکھتے ہیں کہ غلاظت کے ایک ڈھیر کے پاس اطمینان سے بیٹھا ہے۔ کپڑوں پر گوبر کی چھینٹیں ہیں۔ ہاتھوں پر میل چڑھا ہے اور مزے سے گنّا چوس رہا ہے تو آپ ایمانداری سے بتائیے، کیا یہ فیصلہ آپ نہ کریں گے کہ کبوتر کی بیٹ پر جامے سے باہر ہونا فی الحقیقت نفاستِ طبع کے زیرِ اثر نہیں تھا بلکہ اُس عناد کی بنا پر تھا جو اسے جیم سے ہے۔ حقیقتاً اس شخص کو گندگی اور ناپاکی سے کوئی استکراہ نہیں۔

اس تمثیل کو ذہن میں رکھ کر آپ دیکھیں کہ جو کچھ مودودی نے کہا اس میں توہینِ صحابیت کا شائبہ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر مودودی حضرت عثمانؓ کے اجتہاد کو گناہ بھی کہہ دیتا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے گمراہی یا شیعیت یا بغضِ صحابہؓ قرار دیا جائے (اس کے ناقابلِ تردید دلائل ہم صحابیت کی بحث میں دیں گے)۔

تاہم یہاں ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ میاں صاحب جیسے بزرگوں کے غل غپاڑے کے مطابق مودودی کی کتاب سے حضرت عثمانؓ کی کچھ نہ کچھ اہانت ضرور نکلتی ہے (حاشا ثم حاشا) اور میاں صاحب یا دوسرے معترضین واقعی حبِّ عثمانؓ ہی میں جامے سے باہر ہو رہے ہیں تو ان کے خلوصِ دین کا تقاضا تو یہ لازماً ہونا چاہیے کہ اگر صحابہؓ سے بھی زیادہ مرتبہ رکھنے والے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی جائے تو وہ اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ توہین کرنے والے پر پل پڑیں۔

اب آئیے ہم چند چیزیں آپ کو دکھاتے ہیں:۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمے اور تفسیر والی حمائل اٹھائیے۔ اس میں ایک سورت ہے صٓ۔ اگر میاں صاحب بغیر پورے حوالے کے تلاش نہ کرسکیں تو مزید پتہ یہ ہے کہ پارہ وَمالی شمار ۲۳۔ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ یہ کہ ان کے عبادت خانے میں دو افراد کودے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے پاس ایک دُنبی ہے اور اس میرے بھائی کے پاس ننانوے دُنبیاں۔ مگر یہ چاہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھ سے لے لے۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ یہ تو زیادتی ہے۔ پھر یہ لوگ چلے گئے تو حضرت داؤدؑ نے خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش ہوئی ہے اللہ کی طرف سے۔ تب انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ میرا گناہ معاف کردیجئے اور گرے جھک کر اور تب اللہ نے انھیں معاف کردیا (دیکھیے آیات ۲۱ تا ۲۵)

اس کی تفسیر میں محققین نے یہ کہا ہے کہ گناہ سے مراد حضرت داؤدؑ کا وہ غرّہ تھا کہ میرے عبادت خانے میں ہر لمحہ عبادت ہوتی رہتی ہے۔ اللہ نے دو آدمی بھیجے اور ان کا مقدمہ نمٹانے میں سلسلۂ عبادت منقطع ہوا تو حضرتؑ کو خیال ہوا کہ واقعی میرا غرّہ غلط تھا۔ توفیق اور موقعہ تو اللہ ہی دیتا ہے

پس انھوں نے مغفرت چاہی۔

لیکن بعض مفسرین نے ایک اور واہی روایت بیان کی ہے جس کا اندازہ آپ اُس تفسیر سے کیجئے جو شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلویؒ کی تفسیر موضح القرآن سے لے کر حمائل پر چڑھائی گئی ہے اور مدت سے وہ پڑھائی جارہی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"یہ جھگڑنے والے فرشتے تھے پردے میں ان کو سنا گئے ان کا ماجرا۔ ان کے گھر میں ننانوے عورتیں تھیں۔ ایک ہمسایہ کی عورت نظر پڑ گئی چاہا کہ اس کو بھی گھر میں رکھیں۔ اس کا خاوند موجود تھا ان کے لشکر میں۔ اس کو تعین کیا تابوتِ سکینہ سے آگے جہاں بڑے مردانہ لوگ لڑائی میں بڑھتے تھے۔ وہ شہید ہوا۔ پیچھے اس عورت کو نکاح میں کیا۔ اس میں کسی کا خون نہیں کیا۔ بے ناموسی نہیں کی مگر کسی کی چیز لے لی تدبیر سے۔ پیغمبروں کی ستھرائی کو اتنا بھی داغ عیب تھا۔ اس پر جانچ ہوئی۔"

(صفحہ ۷۵۲ - حاشیہ ۱)

سمجھے آپ ــــ ذرا میاں صاحب بھی ادھر چہرہ کریں۔

مودودی کا تصور صرف اتنا تھا کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی پالیسی کو نامناسب بتایا اور اس کے طبعی اثرات ونتائج گنوائے۔ یہ اگر میاں صاحب کے دعوے کے مطابق صحابیؓ کی توہین ہی ہو تو بہرحال اسے کبوتر اور چڑیا کی بیٹ سے زیادہ متعفن نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ صحابیؓ بہرحال معصوم نہیں ہوتا۔ اس سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں واقع بھی ہے اور قرآن وحدیث میں صحابہؓ کے بعض کبیرہ گناہوں کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

لیکن انبیاءؑ تو بالاتفاق معصوم ہیں۔ پھر یہ کیا روایت ہے جس پر شاہ عبدالقادرؒ نے اعتماد کر لیا ہے اور مدت سے تمام علماء واتقیاء اس کے والہ وشیدا ہیں۔ پیغمبر ننانوے بیویاں رکھتے ہوئے اپنے ایک سپاہی کی بیوی پر ریجھ جاتا ہے۔ یہ سپاہی کافر نہیں ہے مومن ہی ہے۔ کیونکہ شاہ صاحبؒ نے اسے "شہید" لکھا ہے۔ پیغمبرؑ اسے ایک سخت ترین محاذِ جنگ پر بھیج دیتا ہے تاکہ وہ مارا جائے۔ مارا جاتا ہے تو پیغمبرؑ اس کی بیوہ کو حرم میں لے لیتے ہیں۔

جس مسلمان میں بھی اخلاقی حس زندہ ہوگی وہ برملا کہدیگا کہ یہ روایت نہایت رکیک ہے اور مودودی والی بیٹ کے مقابلہ میں اس کی حیثیت نجاست کے ڈھیر کی ہے۔ مگر تماشہ کیجئے ان نازک مزاجوں کا جو مودودی کی "بیٹ" پر واویلا مچا کر حُبِّ صحابیت کا ڈھول پیٹ رہے ہیں۔ مگر شاہ عبدالقادرؒ محدّث دہلویؒ کو کبھی کچھ نہیں کہا۔ کوئی آواز نہیں اٹھائی کہ انھوں نے پیغمبرؑ کی ہتک کر دی ہے۔ حالانکہ کسی ایسی روایت کو جزوِ تفسیر بنا دینا جو حضرت داؤدؑ جیسے جلیل القدر پیغمبرؑ کو ہوس کار، مکار اور گھٹیا کردار والا باور کراتی ہے صریح طور پر شدید ترین بات ہے۔

اگر واقعی توہین عثمانؓ سے نفرت کا جذبہ، دینی جذبہ ہوتا اور مودودی کا بغض اس کے پیچھے کارفرما نہ ہوتا تو کبوتر کی بیٹ پر استفراغ کرنے والوں کو غلاظت کے ڈھیر پر بیٹھا نہ دیکھا جاتا۔

تفسیرِ جلالین اُٹھائیے

یہ تفسیر درسِ نظامی کا جز ہے۔ ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ میاں صاحب کی سند اگر جعلی نہ ہوگی تو انھوں نے بھی ضرور پڑھی ہوگی۔ ذرا اس میں بھی سورۂ صٓ کا یہی مقام کھول لیجئے۔

یہاں تو لفظ "محبت" بھی شاملِ عبارت ہے۔ ای بلیّۃ بمحبۃ تلک المرأۃ۔ بتایا گیا ہے کہ یہ کودنے والے دونوں فرشتے تھے اور دُنبیاں ایک تمثیل تھی اس چیز کی کہ حضرت داؤدؑ کے ننانوے بیویاں ہیں اور پھر بھی وہ دوسرے شخص کی زوجہ پر فدا ہو گئے ہیں۔ پھر اسے مروا ڈالا ہے اور دَخَل بہا (یعنی یہ بھی صراحت ضروری سمجھی گئی کہ اس شہید کی بیوی سے نکاح کر کے آپ نے صحبت بھی فرمائی)۔

خدارا کوئی بتاؤ اگر حبِّ صحابہؓ کے پردے میں ساری اچھل کود

بغضِ مودودی کی نہیں ہے تو دینی غیرت وحمیت یہاں کس قبر میں دفن ہوگئی کہ صاحبِ جلالین کو بُرا بھلا تو کیا کہا جاتا ان کی کتاب برابر شاملِ درس ہے اور بس اتنا کہدیا جاتا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ یعنی مودودی اگر کوئی روایت ایسی لے لے جس کو بہتیرے مستند اہلِ علم نے لیا ہوا اور وہ میاں صاحب کے نزدیک توہینِ صحابہؓ کے شائبے سے ملوث ہو تو احتجاج میں دفتر کے دفتر سیاہ۔ صلواتیں اور فتوے ہاتھوں ہاتھ حاضر۔ نیت اور ایمان سب پر حملے۔ لیکن شاہ عبدالقادر محدثؒ یا صاحبِ جلالینؒ ایسی کوئی روایت لے لیں جسے محققینؒ نے رد کیا ہوا اور اس سے ایک پیغمبرؐ کی صریح تذلیل ورسوائی ہوتی ہو تو بس درس میں اتنا کہدینا کافی کہ یہاں مفسر سے روایت لینے میں چوک ہوگئی ہے۔

رسول اللہؐ کی بھی توہین

یہی جلالین ــــ جی ہاں اسی جلالین میں جو میاں صاحب کے مدرسے میں اور دارالعلوم میں بھی مدتوں سے زیرِ درس ہے۔ سرمایۂ جاں ہے مستند ہے۔ تفسیر سورۂ احزاب کھولیے۔ صفحہ ۳۵۴ آیت وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا کی تفسیر یوں کی گئی ہے :-

فزوجها النبی لزید ثم وقع بصرہ علیها بعد حین فوقع فی نفسها حبّها۔	پس زینبؓ کا نکاح حضرتؐ نے (اپنے منھ بولے بیٹے) زید سے کرادیا پھر کچھ دنوں بعد نبیؐ کی نظر زینبؓ پر پڑی تو آپؐ کو ان سے محبت ہوگئی۔

اس کے بعد بتایا جاتا ہے کہ زیدؓ کے دل میں بیوی سے بیزاری پیدا ہوگئی تو انھوں نے حضورؐ سے کہا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے اس پر کہا کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (یہ قرآنی الفاظ ہیں۔ یعنی اپنی بیوی کو بیوی رہنے دے اور خدا سے ڈر)

صاحبِ جلالین کا خیال ہے کہ یہ بات حضورؐ نے بس ظاہرداری کے طور پر کہی (نعوذ باللہ)۔
چنانچہ قرآن کے اگلے فقرے :-

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ۔	اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے۔

کا مطلب صاحبِ جلالین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ رسول اللہؐ سے یہ فرمارہا ہے کہ تم جو چوری چوری دل میں زینب کی محبت اور یہ ارادہ لیے بیٹھے ہو کہ زید طلاق دے تو میں اسے بیوی بنالوں، اللہ اس راز کو منکشف کردینا چاہتا ہے (مظہرہ من محبتها وانّ لو فارقها زید تزوجتها) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابھی بات ختم نہیں ہوئی۔ حاشیہ میں ایک مزید روایت دی گئی ہے جس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے جب زید سے یہ کہا تھا کہ خدا سے ڈر اور زینبؓ کو طلاق نہ دے اُس وقت بھی آپؐ دل میں یہ حرص چھپائے ہوئے تھے کہ زید زینبؓ کو طلاق دے دے (یہ نہ سمجھیے کہ "حرص" ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ جی نہیں، روایت میں ہی الحرص موجود ہے)

دوسری روایت میں یہ بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ زینبؓ گوری تھیں حسین تھیں۔

اس کے بعد متعدد مفسرین کے نام لیے گئے ہیں کہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ :-

لما رآها اعجبته ووقع فی قلبه حبها واحب طلاق زید لها۔	جب رسول اللہؐ نے زینبؓ کو دیکھا تو متحیر ہوگئے اور آپؐ کے دل میں اس کی محبت گھر کرگئی اور آپؐ کا جی چاہنے لگا کہ زید اسے طلاق دیدے۔

اے مولانا محمد میاں! اے علمائے کرام! اے خدا کے نیک بندو! اے منصفِ محترم مولانا دریابادی! اگر غیرتِ حق اور انصاف کی کوئی رمق آپ کے پاس باقی ہے تو خدارا بتایئے یہ کیا تصویر ہے جو پرہیزگاروں کے سردار، جن وبشر کے آقا، عفت وحیا کے مہبط، دین واخلاق کے سرخیل، صفائے قلب کے خاورِ تاباں صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کی کھینچی گئی ہے۔

ہم جانتے ہیں ــ اگر کوئی میاں صاحب سے یا انہی کے

کیمپ کے کسی اور عالم سے دریافت کرے گا کہ جناب یہ کیا قصہ ہے تو وہ آنکھیں نکال کر منہ میں جھاگ بھر کر کہیں گے کہ ارے تم کس خبیث مردود عامر کے فریب میں آگئے۔ اس بدبخت نے یہ تو تمھیں بتایا ہی نہیں کہ ان روایات کے بعد محشی نے صاف صاف لکھدیا ہے کہ یہ روایتیں غلط ہیں۔ یہ کہہ کر وہ سمجھیں گے کہ حقِ جواب ادا ہوگیا۔

مگر کیا واقعی حقِ جواب ادا ہوگیا؟۔

بے شک محشی نے لکھدیا ہے کہ یہ روایات غلط ہیں اور محققین انھیں قبول نہیں کرتے لیکن ان سوالوں کا جواب تو دیجئے جو یہاں منھ پھاڑے کھڑے ہیں۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ جن راویوں کی سند سے اس طرح کی روایتیں چلی ہیں کیا آپ نے انھیں بد باطن، انبیاء دشمن، گمراہ اور عقل باختہ قرار دیا۔ کیا آپ نے ان سے روایتیں لینی چھوڑدیں!۔ —— ہمارا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ ان راویوں کی صدہا روایتیں آپ آج بھی بدل وجان قبول کرتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جن مفسرین نے ان روایتوں کو مستند سمجھ کر اپنی تفسیروں میں جگہ دی، کیا آپ نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ سب بغضِ انبیاءؑ کے شکار رہیں۔ ان کا دین ایمان محض دھوکہ ہے۔ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں —— ہمارا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ ابن جریر الطبریؒ اور امام قشیریؒ اور قاضی عیاضؒ اور حاکمؒ (صاحب المستدرک) آج بھی ہمارے اور آپ کے ممدوح ہیں۔ مقتدیٰ ہیں۔ صاحب جلالینؒ کی تو کتاب ہی آپ نے شاملِ درس فرما رکھی ہے۔

یعنی کبوتر کی بیٹ سے اُبکائیاں لینا محض کبوتر والے سے دشمنی کا شاخسانہ تھا ورنہ مزاجاً آپ اس سے پچاس گُنا تعفن بہ آسانی گوارا کر لیتے ہیں اور کوئی بال آپ کی ناک کا نہیں جلتا۔

حاشیئے میں نقلِ روایات کے بعد جنابِ محشی نے (صاحبِ جلالین نے نہیں) اس روایت کی شرح میں کیا لکھا ہے یہ بھی سن لیجئے:۔

ھذا اقدام	یہ ایک بڑی جسارت ہے
عظیم من قائلہ و	اس کے قائل کی طرف سے اور
تفریط بحق النبی صلی	تفریط ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ علیہ وسلم و فضلہ	کے حق اور بزرگی کے ساتھ۔

بس۔ نہ گالی گفتار۔ نہ بغضِ انبیاءؑ کا الزام۔ نہ بلید الذہنی کا طعنہ۔ نہ گمراہی کا فتویٰ۔ نہ بدنیتی کا فیصلہ۔ نہ کوسنا نہ کاٹنا۔

آخر کیوں؟ اس لیئے کہ سنجیدہ علماء دین و دیانت کے معاملہ میں عموماً محتاط رہے ہیں۔ ان کا طریق یہ ہے کہ اگر مثلاً ایک شخص نے کوئی ایسی بات کہدی ہے جو صحابہؓ یا انبیاءؑ کی تذلیل و اہانت پر مشتمل ہے تو وہ اس شخص کا عام حال دیکھیں گے۔ اگر عام حال یہ ہے کہ وہ اس طرح کی خرافات کا عادی ہے اس کا کردار خراب ہے۔ فسق و نفاق کی واضح علامتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو بے شک علماء اس کی گمراہی اور مردودیت کا فتویٰ دیں گے لیکن اگر عام حال یہ نہیں بلکہ انبیاءؑ و صحابہؓ کا احترام عموماً اس کے یہاں موجود ہے اور کردار اس کا مؤمنوں جیسا ہے تو وہ یہ تاویل کریں گے کہ اس بات کی حد تک اس شخص سے غلطی ہوئی۔ یہ علم و فہم کی لغزش ہے۔ بدنیتی یا کفر و زندقہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے جن علماء نے "درسِ نظامی" مرتب کیا وہ بھی ایسے ہی تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ نہ انھوں نے جلالین کو دریا بُرد کیا، نہ شاہ عبد القادرؒ پر توہینِ پیغمبر کا الزام لگایا بلکہ صاحبِ جلالین اور شاہ صاحب موصوف دونوں ہی ان کے لیئے محترم بنے رہے۔

لہ اس کے بعد درایت کے رُخ سے یہ معارضہ پیش کیا گیا ہے کہ زینبؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی لڑکی تھیں، انھیں آپؐ پیدائش سے دیکھتے آئے تھے اور عورتیں آپؐ سے پردہ بھی نہیں کرتی تھیں اور آپؐ ہی نے زید سے اس کا بیاہ بھی کرایا تھا۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ "جب اسے آپؐ نے دیکھا تو تعجب میں پڑ گئے"۔ —— ہم کہیں گے یہ معارضہ کمزور ہے۔ تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ فہیم طلباء اگر مولانا عبد الحی لکھنویؒ کی ظفر الامانی علی مختصر الجرجانی پڑھیں تو اس نکتے کو پالیں گے بشرطیکہ ان کا مزاج علمی ہو تقلیدی نہ ہو۔ صحیح طریقہ ہمارے نزدیک انھیں محققین کا ہے جنھوں نے درایت کے بجائے اصولِ روایت سے اس روایت کو رد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر آج کے علماء دیوبند بھی عام حالات میں اس سے مختلف طرزِ عمل کا مظاہرہ نہیں کرتے چنانچہ وہ بھی صاحب جلالینؒ اور شاہ موصوفؒ سے بیزار نہیں ہوئے اور خود ہم بھی اسی سطح پر ہیں۔

پھر آخر بغضِ مودودی کے سوا اس رَوِش کی کیا توجیہہ ہوگی جو مودودی کے معاملہ میں اختیار کی گئی ہے۔

بخاری ومسلم

قرآن میں آیا ہے:۔

وَ اتَّخَذَ اللّٰہُ — اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست
اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا — بنایا۔

اس آیت کو عنوانِ باب بناتے ہوئے امام بخاریؒ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت سے حضورؐ کا یہ ارشاد بیان فرماتے ہیں
لم یکذب ابراھیم الا ثلثًا۔

پھر دوسری سند سے یہ الفاظ روایت کرتے ہیں:۔

قال لم یکذب — حضورؐ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ
ابراھیم الّا ثلث — نے تین جھوٹ بولے۔ دو ان
کذبات اثنتین — میں سے اللہ کی ذات سے تعلق
منھن فی ذات اللّٰہ — رکھتے ہیں۔ ایک ان کا یہ کہنا
قولہ انی سقیم وقولہ — کہ میں بیمار ہوں۔ اور ایک ان
بل فعلہ کبیرھم۔ — کا یہ کہنا کہ بل فعلہ کبیرھم۔

حضرت ابراہیمؑ کے یہ دونوں قول قرآن میں مذکور ہیں پہلا قول انی سقیمؑ سورہ الصّٰفّٰت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تاروں کی سمت دیکھ کر کہا تھا "میں بیمار ہونے والا ہوں"
(آیت ۸۹)

اور دوسرا قول سورۃ الانبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے موقعہ پاکر بتوں کو توڑ ڈالا۔ بس ایک بڑا بت رہنے دیا۔ جب خبر ملنے پر کفار آئے اور پوچھا کہ یہ بت کیا تم نے توڑے ہیں تو حضرتؑ نے اس باقی ماندہ بڑے بت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ نہیں بلکہ اس بڑے بُت نے انھیں توڑا ہے۔ یہ اگر بول سکتے ہوں تو انھیں سے پوچھ دیکھو۔ (آیت ۶۳)

تیسرے جھوٹ کی تفصیل امام بخاریؒ نے (اپنی طرف سے نہیں بلکہ لسانِ رسالتؐ سے) یہ بیان کی ہے کہ:۔

ایک بادشاہ کے آگے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی سارہ کو اپنی بیوی نہیں بہن ظاہر کیا تھا (خلاصتہً)

یہ تو بخاریؒ کا معاملہ ہوا۔ اب مسلم شریف دیکھیے تو اس میں بھی باب اثبات الشفاعۃ (کتاب الایمان جلد اول) میں متعدد روایات اس روایت کی تائید کر رہی ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قیامت میں جب لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ لست ھناکم ویذکر خطیئتہ التی اصاب فیستحیی ربہ تعالیٰ منھا (میں اس لائق نہیں ہوں۔ اور (یہ کہتے ہوئے آپ اپنا وہ قصور یاد کریں گے جو دنیا میں سرزد ہوچکا تھا پس اللہ سے اس کی بناء پر ندامت محسوس فرمائیں گے)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے:۔

وَ ذَکَرَ — اور اپنے جھوٹوں کو یاد کرکے
کَذِبَاتِہٖ نفسی — کہیں گے کہ آہ میں خود اپنے لیے
نفسی اذھبوا — متفکر ہوں تم کسی اور کے
الیٰ غیری۔ — پاس جاؤ۔

ہم محترم مولانا محمد میاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جن روایات میں آپ کو بزعم خود حضرت عثمان رضؓ کی توہین نظر آرہی ہے (حالانکہ یہ محض عقل کا فتور ہے) انھیں تو آپ بلا تامل غلط قرار دیتے ہوئے اس مودودی کو صحابہؓ کا دشمن ٹھہراتے ہیں جس نے بہرحال انھیں دل سے نہیں گھڑا ہے بلکہ علمائے سلف سے نقل کیا ہے

آپ کسی طرح اس پر بھی تیار نہیں کہ ان روایات کی مناسب توجیہات قبول فرمائیں لیکن یہاں صاف الفاظ میں سیدنا ابراہیمؑ کی طرف تین جھوٹوں کی نسبت کی جارہی ہے مگر کبھی نہیں سنا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو دشمنِ انبیاء قرار دیا گیا ہو۔ ان کی عظمت سے اعتماد ہٹا لیا گیا ہو ان کی کتابیں ساقط الاعتبار مان لی گئی ہوں۔ اس کے بجائے

یا تو آپ ان روایتوں کے راویوں کی کسی موہومہ اور غیر معینہ بھول کا مبہم ساقول کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں یا پھر نفس مضمون کی اچھی تاویلات فرماتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ اگر مودودی کے ساتھ بھی کرلیں تو کیا مضائقہ ہے جبکہ اس کی لی ہوئی زیر بحث روایات آپ کے مفروضے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ایک غیر معصوم کی طرف گناہ کی نسبت کرتی ہیں حالانکہ بخاریؒ و مسلمؒ کی مذکورہ روایات بظاہر ایک جلیل القدر پیغمبر کے دامنِ عصمت کا داغ نظر آرہی ہیں۔

مولانا مودودی کی واقعی غلطی

اپنے اصل موضوع سے ہٹ کر ہم یہاں اپنا بھی موقف ان روایات کے بارے میں بیان کردیں۔ ہمارے نزدیک یہ روایات قطعی طور پر صحیح ہیں۔ سنداً بھی اور متناً بھی۔ اور ان سے ہرگز کوئی توہین شانِ نبوت کی نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ ہم جذبات سے یکسر بلند ہوکر خالص علمی اور معروضی انداز میں غور کریں۔

ہمیں اس بحث میں دفعتاً یاد آگیا کہ مولانا مودودی نے بھی ان روایات کے باب میں جذبات کو عقل پر قاضی بنالیا ہے۔ یہ یاد آتے ہی ہم نے ان کی تفہیم القرآن اور رسائل و مسائل کا مطالعہ کیا۔ بلاشبہ ہمارا حافظہ غلط نہیں نکلا۔ مولانا بڑی شدت سے مضمونِ روایت کو رُد کررہے ہیں اور یہ ماننے پر آمادہ نہیں ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہوں گی۔ اگر زندگی رہی تو ہم اس جائزے سے فارغ ہوکر انشاء اللہ موصوف کے دلائل پر گفتگو کریں گے اس گفتگو کا یہاں موقعہ اس لیے نہیں ہے کہ انھوں نے دونوں مقامات پر اپنی رائے کا مفصل و مدلل اظہار کیا ہے لہٰذا گفتگو بھی طویل ہی ہونی ہے اور اس گفتگو میں ہم سیرت النبیؐ کے فاضل مصنف علامہ شبلی علیہ الرحمۃ کے فرمودات بھی زیر بحث لائیں گے۔

لیکن مولانا مودودی ہی اس چوک میں اکیلے نہیں ہیں علامۂ شہیر امام رازیؒ سے بھی یہی غلطی ہوئی ہے "چھوٹا منھ بڑی بات" کے طعن سے بچنے کے لیے ہم یہاں بقدرِ ضرورت ذرا تفصیل میں جائیں گے۔

شارح بخاری علامہ قسطلانیؒ نے "ارشاد الساری شرح البخاری" میں امام رازیؒ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ یہ (تین کذبات والی) روایت اس لائق نہیں ہے کہ نقل کی جاتی کیونکہ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف کذب منسوب ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے امام رازیؒ سے کہا کہ بھلا معلوم العدالت راوی کو کیسے جھٹلایا جائے گا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ راوی کو جھٹلانے سے کہیں زیادہ بُرا یہ ہے کہ خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے۔ (جلد پنجم صفحہ ۲۷۹۔ کتاب الانبیاء)

بات بظاہر بہت خوبصورت ہے لیکن کیا علمی بھی ہے؟ ہم بلا تکلف کہیں گے کہ معقولیات کے امام اور فہم و فراست کے پیکر امام رازیؒ یہاں جذبات کی رُو میں بہہ گئے ہیں۔ عقیدت کے جذبات نے انھیں اپنے قول کے عواقب و مضمرات کا پورا ادراک نہ ہونے دیا۔ وہ درایت و تفقہ کے رُخ سے حدیث کو رَد کررہے ہیں حالانکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے فقہ کے کسی مسئلہ کو علمِ ہیئت کے قواعد سے رد کیا جائے۔ فقہاء مجتہدینؒ کا میدان وہ نہیں ہے جو فنِ روایت کے ائمہ کا ہے۔ حدیث صرف فنِ روایت ہی کے ضوابط سے رُد یا قبول کی جاتی ہے۔ بڑے سے بڑے فقیہہ حتیٰ کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ صرف مضمونِ روایت کی بنیاد پر کسی روایت کو صحیح یا غلط قرار دیں بلکہ انھیں قواعدِ فن کا تتبع کرنا ہوگا اور درایت صرف اُسی حد تک معتبر ہوگی جس حد کو آئین فن نے آخری حد قرار دیدیا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر امام رازیؒ یا مولانا مودودی یا کسی بھی شیخ وقت کی یہ بات مان لی جائے کہ حدیث کے نفسِ مضمون کی بنیاد پر کسی ایسے راوی کو جھٹلایا جاسکتا ہے جس کی ثقاہت و عدالت پر تمام ائمہ فن اتفاق کرچکے ہوں اور حفظ و ضبط جس کا استقراء سے ثابت ہوچکا ہو تو پھر تمام احادیث حتیٰ کہ بخاری و مسلم کی روایات

سے بھی امان اُٹھ جائے گا۔

ایک راوی کو جھٹلانا لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ راویوں کو جانچنے کی وہ کسوٹی ناقص اور ناقابلِ اعتماد ہے جو ائمہ روایت نے اتنی احتیاط، تدبر، ژرف نگاہی، مشقت اور اخلاص سے بنائی ہے کہ اس سے زیادہ انسان کے بس میں ہے ہی نہیں۔ پھر آخر انھیں روایتوں کا کیا اعتبار رہوگا جو احکام و عقائد کے باب میں آئی ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ یہ روایتیں عقل کے مطابق، دین کی مجموعی ہیئت سے ہم آہنگ اور باہم ایک دوسرے کی ہم مزاج ہیں تو ہم کہیں گے کہ دین کی مجموعی ہیئت اور مزاج اور ڈھانچے کی تشکیل تو آپ نے روایاتِ صحیحہ کے ہی خام مواد اور اجزائے ترکیبی سے کی ہے۔ اگر آج یہ کھلے کہ صفِ اول کا ایک راوی غلط گو ثابت ہوگیا تو پھر یہ مجموعی ڈھانچہ ہی کہاں لائق اعتماد رہے گا جو اسے معیار اور مستدل بنایا جائے۔ پھر تو یہ امکان پوری قوت سے سر ابھارے گا کہ جن روایات کو اصل مان کر ہم نے احکام و عقائد کی صورت گری اور اصول سے فروع کا استنباط کیا ہے ان میں ہی نہ جانے کہاں کہاں نقص ہو۔

محض یہ بات کہ فلاں روایت عقل کے مطابق اور قیاس سے ہم آہنگ ہے صحت کی کوئی دلیل نہیں۔ وقوع کے لیے دلیلِ وقوع چاہیے نہ کہ دلیلِ امکان۔ عقل و قیاس کے مطابق تو یہ بھی ہے کہ زید جمعہ کے دن دہلی سے بمبئی گیا ہو، مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ گیا ہی ہو۔ ٹھیک اسی طرح حدیث سے ثابت شدہ تمام اصولی احکام عقل و قیاس کی دلیل پر نہیں بلکہ نقل و روایت کی شہادت پر مانے جا سکتے ہیں۔

اگر یہ جائز ہے کہ مضمون حدیث کو اپنی دانست میں نامناسب پا کر ہم درجۂ اعلیٰ کے راویوں کو جھوٹا قرار دے سکیں تو پھر دین کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ بخاری و مسلم سب افسانے بن جائیں گے۔

اور امام رازیؒ اور مولانا مودودی اور بہت سے اور اہلِ علم کے موقفِ مذکور نے تو محض ایک ہی راوی کو مجروح نہیں کیا بلکہ یہاں متعدد راوی ہیں۔ امام بخاریؒ نے دو[۲] مختلف سندوں سے دو متن (متحد المعنی) بیان کیے ہیں اور امام مسلمؒ نے بھی الگ الگ سندیں پیش کی ہیں۔

اگر کوئی متشخص کرکے نہیں بتا سکتا کہ کس کس راوی پر غلط بیانی کا شبہ ہے تو پھر ان سندوں کا ہر ہر راوی حتّٰی کہ حضرت ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ بھی مشتبہ ہو جاتے ہیں اور اگر متشخص کر سکتا ہے تو پھر اسے یہ بہرحال ماننا ہوگا کہ احادیثِ صحیحہ کے دونوں سب سے بڑے امین امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے بھی اپنی کتابوں میں جو روایات پیش کی ہیں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

بخاریؒ اور مسلمؒ کے جن راویوں پر اہلِ فن نے جرح کی ہے ان کا حوالہ یہاں بے کار ہوگا۔ یہ جرح فن ہی کے رُخ سے ہے۔ ہم ذکر اُس کسوٹی کا کر رہے ہیں جس کی صحت پر یہ جرح کرنے والے بھی اتفاق کر چکے ہیں۔ زیرِ تذکرہ روایات کو رَدّ کرنے کا حاصل اس متفق علیہ کسوٹی کی شکست و قدح ہے جو فی الاصل اعتماد علی الحدیث کے خاتمے کے سوا کچھ نہیں۔

بات ہمارے نزدیک وہی درست ہے جو قسطلانیؒ نے کہی (وکیف السبیل الی تخطئۃ الراوی الخ ص۲۸ ۔ راوی کی خطا نکالنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے حالانکہ خود قرآن میں بیان شدہ دونوں باتیں انی سقیم اور بل فعلہ کبیرھم بداہتہً خلافِ واقعہ ہیں)۔ یہ گویا درایت کے رُخ سے توثیق ہے۔ پھر انھوں نے مراد و معنٰی پر گفتگو کی ہے۔ یہی درست طریقہ ہے۔ فقہاء و مجتہدین دنیائے معانی کے شہسوار ہیں۔ انھیں اپنے ہی دائرے میں جوہر دکھانے چاہئیں اور انھوں نے دکھلائے بھی ہیں۔ کیا امام ابوحنیفہؒ نے نہیں کہا کہ اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی۔ کیا صحیح روایت کے سامنے قیاس کا ترک طے شدہ معاملہ نہیں ہے۔ پھر آخر یہ قیاس کے سوا کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کذب کی نسبت درست نہیں۔ درست و نادرست کو ہم سب سے زیادہ اللہ کا آخری رسولؐ جانتا تھا۔

ہم صرف یہ دیکھنے کے مجاز ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فلاں بات کہی ہے یا نہیں کہی ہے۔ اگر ممکن دستیاب ذرائع سے

ظنِ غالب حاصل ہو جائے کہ یہی ہے تو پھر قیاس و منطق اور درایت و فقاہت کو اس کی تاویلِ حَسَن میں صرف ہونا چاہئے نہ کہ اُس کسوٹی کو مشتبہ بنانے میں جس کا اعتماد ختم ہو جائے تو پھر ہماری دنیا میں کوئی اُجالا نہیں۔ کیونکہ ہم یقین کے ساتھ جان ہی نہ سکیں گے کہ آقا ؐ نے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہا تھا۔

یہ مضمون بڑے شرح و بسط کا طالب ہے۔ انشاء اللہ مبسوط ہی کلام کیا جائے گا۔

آمدم برسرِ مطلب

انسانوں کی طبائع اور طبعی میلانات میں جو گوناگونی اور تنوع ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کوئی سخت دل ہے کوئی رحم دل۔ کسی میں مال کی محبت ہے کسی میں اس سے بے نیازی۔ کسی میں نفاستِ طبع ہے کوئی بے حس ہے۔ کسی کو اولاد سے بے تحاشا تعلق ہے کوئی بس برائے بیت سا تعلق رکھتا ہے وغیر ذالک۔

صحابہؓ میں بھی یہ سب کچھ تھا۔ ابوبکرؓ غصہ ور نہ تھے مگر عمرؓ نہایت غصّے والے تھے۔ ابوذرؓ میں زہد تھا، معاویہؓ میں توسع۔ حضرت عثمانؓ میں حیا اور اقرباء سے تعلقِ خاطر کے میلانات اتنے غیر معمولی تھے کہ خلفائے راشدین میں کوئی بھی ان دونوں خواص میں ان کا ہم پلّہ نہیں۔ تمام اہلِ نظر صحابہؓ ان خواص کو جانتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ خواص اوصافِ حمیدہ ہی کے قبیل سے تھے نہ کہ قبیح و مذموم۔

اب حضرت عمرؓ کی اُس پیشین گوئی کی طرف آیئے جو اہلِ علم میں معروف و مقبول ہے۔ ہم شاہ ولی اللہ رح کی کتاب ازالۃ الخفاء سے اسے پیش کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ دفعتاً انھوں نے ایسا گہرا اور دلدوز سانس لیا جیسے ان کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ اے امیرالمومنین۔ یہ سانس تو یقیناً کسی امرِ عظیم کے تصور نے آپ کے اندر سے نکالا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اے ابن عباس! کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں امتِ محمدیہ ؐ کے معاملہ میں کیا کروں!۔

میں بولا۔ "بھلا پریشانی کی کیا بات ہے۔ آپ بحمداللہ اختیار رکھتے ہیں کہ خلافت کا جانشین کسی بھی قابلِ اعتماد آدمی کو بنا دیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "ابن عباس میں سمجھ رہا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہارے ساتھی علیؓ اس منصب کے لیئے بہت موزوں ہیں۔"

میں نے کہا۔ "واللہ آپ درست سمجھے، میرا ایسا ہی خیال ہے، کیونکہ علیؓ ان لوگوں میں ہیں جو قبولِ اسلام میں سبقت لے گئے اور ان کا علم بھی وسیع ہے اور انھیں دامادیٔ رسول ؐ کا شرف بھی حاصل ہے۔"

حضرت عمرؓ بولے۔ "تم نے علیؓ کے اوصاف بیان کرنے میں غلطی نہیں کی۔ لیکن ان کے مزاج میں تفنن[۱] بہت ہے۔"

---

[۱] حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں ولکنہ کثیراللعابۃ۔ دعابہ ہنسی مذاق کو بھی کہتے ہیں اور حماقت کو بھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی ذہانت اور دانشمندی تو مسلّمات میں سے تھی لہٰذا یہاں واحد مراد مزاح و تفنن ہی ہے۔ یہ خلّاقِ قدرت کے عجائبات میں سے ہے کہ حضرت علیؓ کے اندر اللہ نے ایک طرف زہد و ورع کا میلان غیر معمولی رکھا تھا جو خشکی سے زیادہ قریب ہے مگر دوسری طرف ان کی ذہانتِ عالیہ میں ایسی شگفتگی پائی جاتی تھی جس کی تعبیر مزاح و تفنن ہی سے ہو سکتی ہے۔ ان کے بے نظیر خطبات و مکتوبات میں کوئی بھی صاحبِ بصیرت اس خصوصیت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ خصوصیت عیب نہیں ہے جس طرح کہ اقرباء سے گہرا تعلقِ خاطر عیب نہیں ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ خلیفہ کو بہت متین اور بردبار ہونا چاہیئے تاکہ رعب میں فرق نہ آئے چنانچہ جو حسنِ ظن عام لوگوں کے لیئے ایک وصفِ محمود ہے خلیفہ اور حکامِ بالا کے لیئے وہ اسے بھی دُور اندیشی کے خلاف تصور کرتے ہیں چنانچہ ان کا ایک لاجواب مقولہ ہے کہ:-

الحزمُ سوء الظن (دور اندیشی سوء ظن کا نام ہے۔ نہ کہ حسنِ ظن کا) +

میں نے عرض کیا "پھر تو عثمانؓ ٹھیک رہیں گے"۔

جواب ملا واللہ لو فعلت لجعل بنی ابی مُعَیط علیٰ رقاب الناسِ یعملون فیہم بمعصیۃ اللہ۔ واللہِ لو فعلتُ لفَعَل ولو فَعَلَ لفعلوا فوثب الناس الیہ فقتلوہ (خدا کی قسم اگر میں نے عثمان کو خلیفہ بنایا تو وہ ابو معیط[۱] کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کردیں گے اور یہ اولاد معاشرے میں خدا کی نافرمانیاں کرے گی۔ خدا کی قسم اگر میں نے عثمانؓ کو جانشین خلافت بنایا تو یقیناً وہ (اپنے خاندان کو عوام پر مسلط) کریں گے اور جب ایسا کریں گے تو لوگ ان پر چڑھ دوڑیں گے اور مار ڈالیں[۲] گے۔ (ازالۃ الخفاء۔ مقصد اول مناقب عمرؓ)۔

دیکھ رہے ہیں آپ حضرت عمرؓ کس وثوق سے قسم کھاکر دو دو بار پیش گوئی فرما رہے ہیں۔ روایت کا آخری حصہ "خلافت و ملوکیت" میں بھی صفحہ ۹۹ پر الاستیعاب کے حوالے سے نقل ہے۔ اور جن بعض حضرات نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کو الہام ہوا تھا ان کا جواب مودودی نے یہ دیا ہے:۔

"ایک صاحب بصیرت آدمی بسا اوقات حالات کو دیکھ کر جب انھیں منطقی طریقہ سے ترتیب دیتا ہے تو اسے آئندہ رونما ہونے والے نتائج دو اور دو چار کی طرح نظر آنے لگتے ہیں"۔

معقولی رُخ سے یہ جواب یقیناً درست ہے۔ لیکن ہم منقولی رُخ سے بھی ایک جواب پیش کرنا چاہتے ہیں:۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں ایسے بھی لوگ ہوئے ہیں جو اگرچہ انبیاء نہیں تھے مگر فرشتے ان سے کلام کرتے تھے۔ میری امت میں اگر ایسا کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے (بخاری۔ کتاب المناقب۔ مناقب عمرؓ صفحہ ۵۲۱۔ اصح المطابع)

ترمذیؒ میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق کو جاری فرمایا ہے۔

ابن عمرؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب کوئی معاملہ لوگوں پر پیش آتا اور سب اپنی اپنی رائے دیتے تو قرآن عمرؓ ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوتا۔

بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں اصحاب کشف و الہام (محدّثون) ہوا کرتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی صاحب کشف و الہام ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

عقبہ ابن عامرؓ حضورؐ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو بس عمرؓ ہوتا (مشکوٰۃ)

حضرت عمرؓ کی ملہمانہ شان میں مشکوٰۃ کی وہی اکیلی حدیث کافی ہے جسے عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے کہ عمرؓ کو دوسرے لوگوں پر چار باتوں سے فضیلت حاصل ہے۔ ایک یہ کہ جنگ بدر کے قیدیوں کو قتل نہ کرنے پر عمرؓ اختلافی رائے رکھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ انھیں قتل کیا جائے۔ آخر کار آیت اُنھی کی رائے کی تائید میں اتری۔

دوسری یہ کہ انھوں نے ازواجِ مطہراتؓ کو پردے کا حکم دیا۔ اس پرؐ انھوں نے فرمایا کہ واہ عمر وحی تو ہمارے گھروں میں اترتی ہے اور احکام تم نافذ کر رہے ہو۔ تب اللہ نے آیت حجاب اُتاری۔

تیسری یہ کہ حضورؐ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ عمر کے ذریعہ اسلام کو قوت عطا فرما اور یہ دعا مقبول ہوئی۔

چوتھی یہ کہ جب حضورؐ کے بعد خلافت کا مسئلہ کھڑا ہوا تو عمرؓ ہی تھے جن کی فراستِ مؤمنانہ ابوبکرؓ کی طرف مبذول ہوئی اور سب سے پہلے آپ نے بڑھ کر ان کی بیعت کی۔

---

[۱] یہ وہی ابو معیط ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے ماں جائے۔ ولید کے دادا۔ بنو اُمیّہ کے ایک فرد۔

[۲] یہ پیشین گوئی بلاذری کی انساب الاشراف میں بھی صفحہ ۱۶ و ۱۷ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

(مشکوٰۃ - باب مناقب عمرؓ)۔

تاریخِ اسلام کا یہ واقعہ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ جب فوج دور دراز فاصلے پر (نہاوند میں) لڑ رہی تھی، حضرت عمرؓ نے ایک دن خطبے کے دوران یکلخت بہ آوازِ بلند فرمایا:۔

یاساریۃ الجبل — اے جماعت پہاڑ کی طرف ہٹ جا

یہ جملہ تین بار دہرا گئے حالانکہ خطبہ کے مضمون سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ خطبہ دیتے دیتے دفعتًا ان کی ذہنی رَو کسی اور طرف چلی گئی ہے، کہیں اور نظر ہے پھر کچھ ہی روز بعد اس فوج کے قاصد سے حال کھلا کہ ایک دن ہمارا دستہ کفار سے ہزیمت اٹھانے ہی والا تھا کہ دفعتًا ایک آواز گونجی یاساریۃ الجبل۔ اسے ہم نے تین بار سنا اور پھر اس پر عمل کیا۔ بس یکلخت میدان پلٹ گیا اور ہم نے دشمن کو ہرا دیا

امام مالکؒ نے "موطا" کتاب الجامع باب ما یکرہ من الاسماء میں یحییٰ ابن سعیدؒ سے روایت بیان کی ہے کہ —— انھوں نے بتایا کہ ایک شخص سے حضرت عمرؓ نے اُس کا نام پوچھا۔ اُس نے کہا جمرۃ (یعنی چنگاری)۔ انھوں نے پوچھا باپ کا نام؟ وہ بولا ابن شہاب (یعنی شعلہ) انھوں نے سوال کیا کون سے قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ جواب ملا حُرقہ سے (یعنی سوزش)۔ انھوں نے دریافت کیا، رہتے کہاں ہو؟ اُس نے کہا حرّۃ میں (یعنی گرمی) انھوں نے پوچھا حرّہ کے کس حصہ میں سکونت ہے؟ جواب ملا لظیٰ میں (یعنی شعلہ بار)۔ اب حضرت عمرؓ اطمینان سے بولے۔ جا اپنے گھرانے کی خبر لے وہ سب جل جلا کے برابر ہوئے[1]

بات بظاہر تفنن کی بھی ہو سکتی تھی، مگر نہیں۔ وہ شخص گھر لوٹا تو واقعی اس کا گھرانہ آگ کے ایک حادثے میں ختم ہو چکا تھا۔

غرض حضرت عمرؓ کی فراستِ مومنانہ اور ذکاوتِ مخصوصہ کے علاوہ ان کی ملہمانہ حیثیت بھی واقعات کی تصدیق اور زبانِ رسولؐ کی مہرِ توثیق رکھتی ہے۔ علماء حق میں اس پر اتفاقِ رائے ہے۔

تب آخر ان لوگوں کی خفتہ دماغی، کج فکری، ہٹ دھرمی اور دھاندلی میں کیا گنجائش کلام رہ جاتی ہے جو مودودی پر اس لیے لال پیلی آنکھیں نکالتے ہیں کہ اس نے حضرت عمرؓ کی ایک پیشین گوئی کی واقعاتی تصدیق کی اور احترام وادب کے تمام ضوابط کا آخری حد تک خیال رکھتے ہوئے صرف وہ کہا جو رائی برابر ریب اور التباس اور افراط و تفریط اپنے اندر نہیں رکھتا۔

مسندِ امام احمدؒ میں خود حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:۔

لو ان بیدی	اے کاش اگر میرے ہاتھ جنت
مفاتیح الجنۃ لاعطیتھا	کی کنجیاں لگ جاتیں تو میں انھیں
بنی امیۃ حتی	بنو امیہ کو دے دیتا، یہاں تک
ید خلوا من عند	کہ ان کا ایک ایک فرد جنت میں
آخرھم۔ ج۱ ص۶۲	داخل ہو جاتا

اور اس روایت کو شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں اس تصدیق کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ ارشاد صحابہؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا (جواب طعن دوم۔ باب دہم)

اور حضرت عمرؓ کی پیشین گوئی کے مطابق لوگوں کی گردنوں پر بنی امیہ کو مسلّط کر دینے کا اقرار بھی شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے وہ طعنِ چہارم کے جواب میں قاتلینِ عثمانؓ کی قدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> "اُن بدبختوں نے نہ سمجھا کہ عثمانؓ نے ہر چند بنی اُمیہ کو مسلّط کیا ہے اور ان کے ہاتھ سے کام لیا ہے لیکن ہے تو آخر نام محمدؐ ہی کا"

ٹھیک یہی موقف مودودی کا ہے کہ وہ بھی قاتلینِ عثمان کے ظالم اور خلیفۂ راشد کے مظلوم ہونے کو شد و مد سے ثابت کرتا ہے (دیکھیے "خلافت و ملوکیت" ص۱۱۱ تا ص۱۲۰)

عرب میں تو زمانہ قدیم سے ایک ایسا قبائلی نظام تھا، جہاں خاندانی عصبیتیں ہوا اور پانی کی طرح عام تھیں۔ ہم کہتے ہیں کسی بھی نظام اور کسی بھی ملک میں لے لیجیے۔ اگر کوئی بادشاہ یا صدرِ مملکت یا وزیرِ اعظم حکومت کے اعلیٰ مناصب سے ایسے لوگوں کو ہٹا کر جن کی عظمت و احترام کے نقوش عوام کے قلب پر مرتسم ہوں ایسے لوگوں کو بٹھائے گا جو اس کے اپنے رشتہ دار ہوں تو چاہے اس کی نیت کتنی ہی بخیر ہو اور (عزل و نصب کا یہ) کام کیسے ہی خلوص سے کیا گیا ہو لیکن عوام اسے پسند نہیں کریں گے

[1] بعض محدثینؒ نے اس کی روایت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی کی ہے۔

ان کے ذہنوں میں بدگمانیاں پیدا ہوں گی خصوصاً جب یہ رشتہ دار سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ نیک نام نہ ہوں تو بدگمانی کی رفتار اور تیز ہوگی اور اگر کچھ دنوں بعد ان میں سے کسی کا ایک بھیانک جرم پایۂ ثبوت کو پہنچ کر سزا کی نوبت بھی آجائے تو پھر دنیا کی کوئی منطق عوام کے دلوں سے سوءِ ظن اور وسواس کے جراثیم نہیں نکال سکتی۔

میاں صاحب اور ان جیسے دیگر عقلِ کُل حضرات راہِ فرار نہ پاکر یہ شور تو ضرور مچانے لگتے ہیں کہ واہ صاحب! جس فلاں شخص کو حضرت عثمان رضؓ نے حاکم بنایا اُسے حضرت عمر رضؓ نے یا حضرت صدیق رضؓ نے بھی تو فلاں عہدہ دیا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ شور شورِ شغالاں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جو شخص حضرت عثمان رضؓ کا قرابت دار ہے وہ ابوبکرؓ و عمر رضؓ کا قرابت دار نہیں ہے۔ کم سے کم وہ نسبی تعلق اس کا ان دونوں سے نہیں ہے جو خانوادوں کی تقسیم کرتا ہے لہٰذا اس کے معاملہ میں حضراتِ ابوبکرؓ و عمر رضؓ کے خلاف کوئی بدگمانی نہیں ہوسکتی، مگر حضرت عثمان رضؓ کے خلاف ہوسکتی ہے۔

حضرت عمر رضؓ نے اگر اتفاق سے اپنے ایک خاندان والے کو کوئی منصب دے دیا تھا تو اسے بھی ہٹا کر رہے۔ حالانکہ نہ ہٹاتے اور منصب کو اونچا بھی کر دیتے تب بھی فتنہ اس لیے نہ پیدا ہوتا کہ محض ایک دو کا معاملہ حسنِ تاویل کی گنجائش رکھتا ہے۔ اسے پالیسی اور عادتِ ثانیہ نہیں تصور کیا جا سکتا۔ بدگمانی تو اس وقت تیز دوڑتی ہے جب اقتدار کا نمایاں حصہ رشتہ داروں کی طرف منتقل کیا جائے۔

حضرت عثمان رضؓ نبی نہیں تھے۔ نہ ان میں اور ان کے عہد کے تمام آدمیوں میں مراتب کا اتنا زبردست فرق تھا جتنا ہم میں اور ان میں ہے۔ پھر بھلا کون سی چیز انھیں اس بدگمانی سے روک سکتی تھی کہ السابقون الاولون کو عہدوں سے ہٹا کر اپنے خاندان کے طلقاء کو عہدے سونپنا ایک سوچی سمجھی پالیسی ہے اور اس عزل و نصب کے ظاہری اسباب صرف آڑ ہیں۔

ہم اور مودودی تو یقیناً اس صورتِ حال کی تعبیر صرف یہ کرتے ہیں کہ نہ تو حضرت عثمان رضؓ نے حیلہ سازی کی نہ کوئی منصوبہ اپنے خاندان کے اقتدار کا بنایا، نہ ان کے اخلاص میں کھوٹ تھا نہ نیت میں خامی۔ بس ایک افتادِ طبع تھی۔ ایک فطری لعیہ تھا اقرباء سے غیر معمولی محبت کا۔ اور ہزاروں ہزار خوبیوں کے باوجود سیاست و حکمت میں انھیں حضرت عمرؓ جیسا مقام حاصل نہ تھا۔ اسی لیے وہ انتہائی معصومیت، نیکدلی اور احساسِ دیانت کے ساتھ اقتدار کے جویا رشتہ داروں کی طرف جھک گئے اور ان نتائج کا احساس نہیں کر پائے جو اس طرزِ عمل سے لازماً نکلنے تھے اور جن کی پیش گوئی حضرت عمر رضؓ نے قسم کھا کر کی تھی۔

شاہ ولی اللہؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں اسی پس منظر میں فرمایا ہے کہ:۔

انّ عمر محدَّثٌ یقتدی بہ فیما امر و سنّ۔	حضرت عمر رضؓ صاحبِ کشف و الہام ہیں۔ وہ جو حکم دیں یا جو سنت نکالیں اس میں ان کا اقتداء ضروری ہے (مقصد اول فی بیان مسند ابی ذر رضؓ)۔

خلیفہ کا اپنے خاندان والوں کو اقتدار میں نمایاں حصہ نہ دینا ان کی سنت ہی نہیں تھی ان کا حکم بھی تھا۔ جن تین حضرات کی خلافت کا امکان سامنے تھا ان سے بھی انھوں نے کہا تھا کہ اگر تم خلیفہ ہو جاؤ تو خبردار اپنے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط مت کرنا (خیر سے یہ روایت اسی طبری میں بھی ہے جسے میاں صاحب کھولے بیٹھے ہیں)۔

مودودی نے اگر یہ لکھا کہ حضرت عثمان رضؓ کی پالیسی کے اس خاص پہلو سے کہ بنی امیہ کو حکومت پر غلبہ مل جائے بے اطمینانی پیدا ہوئی تھی تو یہ ایک ایسی بات تھی جو دو اور دو چار کی طرح مسلّم ہے۔ لیکن حماقت اور تعصب کی افراط کا کیا کیجیے کہ میاں صاحب لکھتے ہیں:۔

> اس فقرے میں "پالیسی کا خاص پہلو اور اس سے بے اطمینانی" تو شیعہ ذہنیت کی تقلید اور نقالی میں مودودی صاحب کے ذہن کی کارفرمائی ہے جس کو افتراء اور اختراع ہی کہا جا سکتا ہے۔" صفحہ ۵۶

بتائیے ایسے ہذیانات کا کیا جواب دیا جائے۔ ایک شخص اگر طے کرے کہ جو منھ میں آئے گا کہتا چلا جائے گا تو کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب نے کئی لائنوں میں ایسی تقریر کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود پیرانہ سالی کے ان کے کاسۂ سر میں ایسا دماغ ہے جو ابھی تک بالغ نہیں ہو سکا ہے۔ بچوں جیسی سطحی اور بے مغز باتیں۔ لایعنی اور دُور از کار۔

حیرت انگیز فارمولہ

مودودی نے لکھا کہ یہ طرزِ عمل حضرت عثمانؓ کی اجتہادی غلطی کہا جا سکتا ہے اس سے ان کے مرتبے میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

کتنی بے غبار، بے عیب اور معقول بات۔ اجتہادی غلطیاں انبیاء تک سے ہوئی ہیں (جیسا کہ صحابیت کی بحث میں آپ تمام علماء حق کو اس پر متفق پائیں گے)۔ مودودی حضرت عثمانؓ کی صفائی بیان کر رہا ہے نہ کہ عیب۔ مگر واہ رے بد خصلتی۔ میاں صاحب اسے "معذرت" قرار دے رہے ہیں اور فرمایا جا رہا ہے:-

"اجتہادی خطا کار کو گنہگار نہیں کہا جا سکتا مگر ایسا شخص مقبول عند اللہ بھی نہیں ہو سکتا۔"
صفحہ ۲۱

اے علماءِ اُمّت! اے طلباءِ عزیز! اے اربابِ ہوش! بتانا کیا ساڑھے تیرہ سو سالوں میں ایسی لغو اور بے سر و پا بات آپ نے کسی صحیح الدماغ سے سنی ہے؟ عامی بھی جانتے ہیں کہ اجتہادی لغزشوں سے تو انبیاء علیہم السلام بھی بچے ہوئے نہیں۔ خود قرآن میں ان کی بہتیری اجتہادی خطاؤں کا ذکر موجود ہے (جس کی کچھ تفصیل ہم صحابیت کی بحث میں پیش کریں گے)، تو کیا میاں صاحب کے یہاں اب انبیاء و رسل بھی مقبول عند اللہ نہیں رہے۔

میاں صاحب جیسے لوگوں نے مودودی کی ضد میں احترامِ صحابیت کا جو من گھڑت تصوّر اچھالا ہے وہ اپنی نوعیت میں المسیح ابن اللہ والی ذہنیت سے مختلف نہیں۔ اس کی پوری نقاب کُشائی تو ہم صحابیت کی بحث میں کریں گے۔ یہاں چند نمونے دکھلا دیں کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں اربابِ علم و فضل کیا کیا کہتے آئے ہیں۔

ابن تیمیہؒ کیا کہتے ہیں؟

المنتقیٰ اٹھائیے۔ ہم بتا ہی چکے ہیں کہ یہ منہاج السنۃ کا اختصار ہے جو ابن تیمیہؒ کے شہرۂ آفاق شاگرد حافظ ذہبیؒ نے کیا تھا۔

یہاں اتنا اور نوٹ کیجئے کہ خود میاں صاحب صفحہ ۱۸۸ پر انھیں "جرح و تعدیل کا امام" کہہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "المنتقیٰ" ایک ایسی کتاب ہے جو موصوف کے نزدیک بھی "بکواس" نہیں ہو سکتی۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ ردِّ شیعیت اور حمایتِ صحابہؓ میں ابن تیمیہؒ تیغ بے نیام تھے۔ "منہاج السنۃ" جیسی ضخیم کتاب (جس کا خلاصہ "المنتقیٰ" ہے) اسی موقف پر تصنیف ہوئی۔ المنتقیٰ میں ان مطاعن کا ذکر ملاحظہ کیجئے، جن کا جواب ابن تیمیہؒ نے دیا ہے۔ اس میں انھوں نے اوّلاً یہ فرمایا ہے کہ:-

حضرت عثمانؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو عہدے دیئے ان کے بارے میں انھیں حُسنِ ظن تھا۔ اب وہ عالم الغیب تو تھے نہیں کہ بعد میں جو بُرائیاں بعض عمّال کی ظاہر ہوئیں ان کا انھیں پہلے سے علم ہوتا۔ جب بُرائیاں ظاہر ہوئیں تو انھوں نے سزائیں دیں۔

پھر ابن تیمیہؒ حتی الوسع حضرت عثمانؓ کے افعال کی عمدہ تاویلیں کرتے چلے جاتے ہیں مگر بعض اُمور ایسے بھی ہیں جن کی تاویل دیانۃً اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتی کہ قصور تسلیم کر لیا جائے چنانچہ اس طعن کے جواب میں کہ حضرت عثمانؓ نے بعض ناموزوں اور نامطبوع لوگوں کو حاکم بنایا۔ وہ فرماتے ہیں:-

قلنا کان — ہم کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ

مجتھدًا فاخطأ ظنه والله يغفر له۔ | مجتہد تھے۔ پس ان کے گمان نے غلطی کی اور اللہ ان کی بخشش فرمائے۔

اور پھر یہ بھی ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اس نوع کی اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں ۔

فرمائیے مودودی کا مذکورہ قول اس سے کچھ مختلف ہے؟

لیکن ذرا اس سے آگے کی بات بھی تو سنتے جائیے۔ یہ تو محض اجتہادی خطاؤں کا معاملہ تھا۔ ابن تیمیہؒ صحابہؓ کے ایک سرگرم اور وسیع العلم وکیل ہونے کے باوجود یہ محسوس کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ کی ساری ہی خطاؤں کو ایسے اجتہاد کا نام دینا جو گناہ سے بالاتر ہو واقعاتی جواز نہیں رکھتا ہے لہٰذا بلا تکلف وہ فرماتے ہیں :۔

نحن لا ندّعي انّ عثمانَ معصومٌ بل له ذنوب و خطايا يغفر الله له وقد بشّره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة على بلوىٰ تصيبه۔ | ہم یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتے کہ عثمان گناہوں سے بالاتر تھے بلکہ اُن سے گناہوں اور غلطیوں کا ارتکاب ہوا جنھیں اللہ معاف کرے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس مصیبت پر جو انھیں پہنچنے والی تھی جنت کی خوش خبری دی ہے۔

(المنتقیٰ، فصل الثالث ۔ صفحہ ۳۸۳ ۔ مطبع مذکورہ)

اس کے بعد انھوں نے خاصی مفصل تقریر یہ کی ہے کہ نیکیاں بُرائیوں کو دھو دیتی ہیں۔ اللہ ہر گناہ کو (سوائے کفر و شرک کے) معاف کر سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کی نیکیاں بہت تھیں اور انھیں اللہ کے رسولؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔

کہاں ہیں میاں صاحب اور ان کے ہم مشرب! مودودی نے تو فقط "اجتہادی غلطی" کا نام لیا تھا اور میاں صاحب نے خود تسلیم فرمالیا کہ اجتہادی خطا آدمی کو گناہگار نہیں بناتی مگر ابن تیمیہؒ تو کھلے لفظوں میں وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے متعدد گناہوں کا صدور ہوا۔ اس کے باوجود ابن تیمیہؒ کے لیے نہ کوئی گالی ہے نہ بُرا سا لقب۔ نہ اُن شیوخ واکابر کے لیے کوئی فتویٰ ہے جو ابن تیمیہؒ کو برابر شیخ الاسلام کہتے چلے جا رہے ہیں۔

میاں صاحب کی منطقِ نادرہ سے تو ابن تیمیہؒ نے حضرت عثمانؓ کو بالکل ہی گھٹیا درجے میں ڈال دیا کیونکہ جب محض اجتہادی غلطی جو گناہ سے پاک ہو مقبولیتِ عنداللہ کو ختم کر سکتی ہے تو گناہ اور وہ بھی بصیغۂ جمع (ذنوب) تو نعوذ باللہ شاید جہنم ہی میں پہنچادیں یا اللہ قلب و ذہن کی تپ دق سے بچانا!

بیت المال کا مسئلہ

مالی بحث میں سب سے پہلی بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ مودودی نے اپنی اصل کتاب میں ایک ذیلی حاشیہ کے سوا کوئی بھی لفظ حضرت عثمانؓ کی مالی روش پر نہیں لکھا تھا۔ ملاحظہ کر لیجئے خلافت و ملوکیت۔ لیکن ان کی کتاب کے کچھ ابواب ماہنامہ ترجمان القرآن" میں چھپے تو معترضین نے ایک طوفان برپا کر دیا۔ اس پر مودودی صاحب نے تمام قابلِ التفات اعتراضات کا جواب لکھا اور اسے بطور ضمیمہ شاملِ کتاب کیا۔

بس اس ضمیمے میں صرف ڈھائی صفحوں میں بطورِ جواب مالی معاملات کا ذکر آیا ہے اور وہ بھی اس احتیاط اور ادب کے ساتھ کہ اس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں۔ آغازِ کلام اس طرح کرتے ہیں:۔

"بیت المال سے اقرباء کی مدد کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا اس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ معاذ اللہ انھوں نے خدا اور مسلمانوں کے مال میں کوئی خیانت نہیں کی تھی"

اس کے بعد طبقات ابن سعدؒ سے اور اس کی تائید میں طبریؒ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں اور پھر حضرت عثمانؓ کی ایک ایسی تقریر طبریؒ، ابن اثیرؒ اور ابن خلدونؒ کے حوالوں سے نقل کرتے ہیں جس میں خود حضرت عثمانؓ نے اعتراف فرمایا ہے کہ بیت المال میں نے اس لیے روپیہ لیا ہے کہ مجھے اس کا حق ہے۔ میں آخر خدمت بھی تو کرتا ہوں۔ اس کے بعد ان نقول پر یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں :۔

"ان روایات سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقرباء کو روپیہ دینے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا وہ ہرگز شرعی جواز کی حد سے متجاوز نہ تھا۔ انھوں نے جو کچھ لیا وہ یا تو صدرِ مملکت کی حیثیت سے اپنے حق الخدمت کے طور پر لے کر خود استعمال کرنے کے بجائے اپنے عزیزوں کو دیا یا بیت المال سے قرض لے کر دیا جسے وہ ادا کرنے کے ذمہ دار تھے یا اپنی صوابدید کے مطابق انھوں نے خمس کے مال کو تقسیم کیا جس کے لیے کوئی مفصل شرعی ضابطہ موجود نہ تھا۔"
صفحہ ۳۲۸

دیکھا آپ نے بقل روایت سے کبھی مودودی کا مقصد حضرت عثمانؓ کی قدح نہیں بلکہ مدح ہے۔ اور روایات کے آغاز و اختتام پر صریح الفاظ میں مودودی کا موقف اور عقیدہ ملاحظہ کر لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ کسی انصاف پسند اور غیر متعصب کے لیے جس بات کی گنجائش رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس کے نزدیک مذکورہ روایات میں سے کوئی روایت ساقط الاعتبار ہو تو وہ تنقیدِ روایت کے علمی اصولوں کے مطابق یہ بحث کرے کہ فلاں روایت لائقِ حجت نہیں ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر وہ اگر مودودی پر بعض صحابہؓ یا فریب دہی یا حضرت عثمانؓ کی طرف خیانت کی نسبت کرنے کا اتہام عائد کرتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ دھاندلی اور ظلمِ صریح کا مرتکب ہے۔ اس کے منہ پر آنکھیں ہیں مگر دیکھتا نہیں کہ خیانت و بدنیتی کی کھلی تردید تو خود مودودی کر رہا ہے۔

میاں صاحب کی سمجھ میں اگر یہ بات نہیں آتی کہ حضرت عثمانؓ کا بیت المال سے کچھ لینے کے باوجود خائن نہ ہونا کیسے ممکن ہے تو یہ قصور مودودی کا نہیں بلکہ ان کی اپنی کم علمی اور کم فہمی کا ہے مودودی نے خود حضرت عثمانؓ کی تقریر میں اس امکان کو واقعہ ثابت کر دیا۔ اور لیجئے ہم ابنِ تیمیہؒ کی زبانی بھی اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ اس اعتراض کے جواب میں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے رشتہ داروں میں مال بانٹا، کہتے ہیں کہ اسے اجتہادی غلطی نہ کہو تو زیادہ سے زیادہ گناہ کہہ لو، مگر یہ ایسا گناہ ہے جس پر آخرت میں ان شاء اللہ مؤاخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بیت المال سے حضرت عثمانؓ جو مال بانٹتے تھے اس کی ایک تاویل ان کے پاس تھی۔ خود اُن کا اپنا قول ابنِ تیمیہؒ نقل کرتے ہیں کہ:-

"میں بیت المال سے اپنی کارکردگی کا معاوضہ لیتا ہوں۔"　　(صفحہ ۱۹۳)

پھر ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اگرچہ جائز ہے مگر ابوبکرؓ و عمرؓ ایسا نہیں کرتے تھے اور انھیں کا عمل افضل تھا۔

مزید ایک بحث انھوں نے یہاں یہ بیش فرمائی ہے کہ اللہ کے رسولؐ اپنے رشتہ داروں کو جو عطیے بحکم ولایت دیا کرتے تھے ان کا حضورؐ کے بعد کیا حکم ہے؟

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اب یہ حصہ خلیفہ وامام کے قرابت داروں کو ملا کرے گا۔ لیکن اکثر فقہاء جس میں امام ابو حنیفہؒ بھی شامل ہیں یہ رائے رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ رشتہ داروں کا حق ساقط ہوگیا۔ چنانچہ ابوبکرؓ و عمرؓ اسی پر عامل تھے اور اس حصے کو سامانِ جنگ وغیرہ پر خرچ کیا کرتے تھے۔

سُنا آپ نے!۔ ابنِ تیمیہؒ جیسا بحر العلم بھی تسلیم کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بیت المال سے اپنے اقرباء کو عطایا دیتے تھے لیکن یہ خیانت ہرگز نہیں تھی۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کا اجتہاد یہی تھا کہ حضورؐ کے بعد بیت المال میں اقرباء کا حق ساقط نہیں ہوا بلکہ وہ خلیفہ کی طرف منتقل ہوگیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو دے۔ یہ اجتہاد خواہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کے خلاف ہو، اور بعد کے اکثر فقہاء اس سے متفق نہ ہوں، مگر بہرحال حضرت عثمانؓ کو اجتہاد کا حق تھا، اور ان پر خیانت کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔ (" فکان یعطیهم لکونهم ذوی قربی الامام علی قول من یقول ذلك" ــــ ای سهم ذوی القربیٰ هو لقرابة الامام۔ تجلی)۔

آگے مروان کی بحث میں فرماتے ہیں کہ:-

وهب ان هذا من ذنوب عثمان رض فما ادّعينا عصمته وله سوابق وهو من البدريين المغفور لهم۔ | اور فرض کرو کہ حضرت عثمان رض نے مروان کو قتل نہ کرکے ایک گناہ کیا تو چلو ان کے بعض گناہوں میں ایک گناہ کا اضافہ ہوگیا۔ ہم کب دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رض گناہوں سے پاک تھے مگر ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ نے بہت سے اچھے کام کیے ہیں آپ غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے ہیں جن کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

کوئی میاں صاحب سے دریافت کرے یہ سب کیا ہے؟ آپ نے تو محض اجتہادی غلطی کو خلافِ مقبولیت کہہ دیا تھا یہ ابن تیمیہؒ کیا ستم ڈھا رہے ہیں۔ انھوں نے تو بار بار کھل کر مان لیا کہ ہاں حضرت عثمانؓ گناہوں سے پاک نہ تھے۔ ان سے اجتہادی غلطیاں ہی نہیں، ذنوب بھی صادر ہوئے۔

پھر کیا فتویٰ ہے ابنِ تیمیہؒ کے بارے میں۔ اور کیا رائے ہے ان ہزاروں علماء وفضلاء کے بارے میں جو کم وبیش سات سو سالوں سے ابنِ تیمیہؒ کی عظمت و جلالت کے گن گاتے چلے آرہے ہیں حتّٰی کہ ہمارے اونچے درجے کے علماء دیوبندان کے بعض تفردات سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کے شیخ الاسلام ہونے میں ذرا متأمل نہیں ہیں۔

امام ماوردیؒ کیا فرماتے ہیں؟

ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ پانچویں صدی ہجری کے مشہور اہلِ علم میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" رفیع الشان کتابوں میں سمجھی جاتی ہے۔ (اس کا مصری نسخہ ہمارے سامنے ہے۔ شائع کردہ مصطفیٰ البابی)۔ اس میں جس باب میں مالِ غنیمت اور مالِ فے[1] کے فرق پر گفتگو کی گئی ہے۔ اسی جگہ ایک واقعہ بھی بیان ہوا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور منظوم طور پر درخواست کی کہ مجھے کپڑے دیجیے اور میری مدد کیجیے (گفتگو نقل کرنے کے بعد مصنفؒ بیان کرتے ہیں)۔

فبكیٰ عمرؓ حتی خضبت لحيتهٗ | حضرت عمرؓ اتنا روئے کہ آپ کی ڈاڑھی اشکوں سے تر ہوگئی۔

پھر آپ نے غلام کو حکم دیا کہ لو یہ میری قمیص اسے دے دو اور اُس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم آج میرے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا وغیرہ دینے کو نہیں ہے۔

یہ واقعہ نقل کرنے سے مقصودِ مصنف کا یہ ہے کہ اگرچہ بیت المال میں مالِ فے موجود تھا لیکن اس میں سے اس شخص کو دینا "رفاہِ عام" کے ذیل میں نہیں آتا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ نے نہیں دیا۔ حالانکہ آپ کا تاثر گریۂ شدید اور عطائے قمیص سے ظاہر ہے۔ گویا یہ شخص واقعتہً صدقہ کا مستحق تھا لیکن مالِ فے کا حکم صدقاتِ واجبہ جیسا نہیں کہ کسی بھی غریب کو دے دو۔

اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں:

وكان مما نقمه الناس على عثمان رضی الله عنه انه جعل كل الصلات من مال الفئ ولم يرالفرق بين الامرين راى الفئ والغنيمة) | اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر یہی اعتراض تو تھا کہ وہ ہر قسم کے انعامات وعطایا مالِ فے سے دے ڈالتے ہیں اور مالِ غنیمت اور مالِ فے میں جو فرق ہے، اس کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

امام ماوردیؒ شافعی ہیں لیکن اس موقع پر یہ کہنا کہ شافعی کا قول ہم پر حجت نہیں، جہالت کی بات ہوگی۔ دونوں طرح کے اموال کے فرق اور مصارف کے امتیاز کی بحثیں فقہائے احنافؒ کی بھی تمام بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً امام سرخسیؒ کی المبسوط امام زیلعیؒ کی نصب الرایہ اور ابوبکر رازی حنفیؒ کی احکام القرآن وغیرہ۔

[1] جو مال بغیر لڑے بھڑے کفار سے حاصل ہوجائے۔

کوئی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس باب میں ہم مسلکِ شافعیؒ کو نہیں مانتے، مگر کیا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ امام ماوردیؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ وغیرہ صحابہؓ کی قدر و منزلت سے عاری تھے جو انھوں نے ایسی روایات قبول کرلیں۔

امام شافعیؒ جیسے اکابر کیا فرماتے ہیں

امام ابو حنیفہؒ اور کثیر اہلِ علم کا یہ مسلک ہے کہ حسبِ آیتِ قرآنی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ فے سے اپنے عزیز و اقربا کو عطایا دیتے تھے وہ آپؐ ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور آپؐ کے بعد یہ حق خلفاء کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ اس مسلک کے لیے وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کو دلیل بناتے ہیں لیکن امام شافعیؒ، امام ابوثورؒ اور امام حسنؒ[لہ] اور بعض دیگر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ یہ حق خلفاء کی طرف منتقل ہوگیا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی خلیفہ ازراہِ تورّع اسے استعمال نہ کرے۔ ان حضراتؒ کے مسلک کا سنگِ بنیاد حضرت عثمانؓ ہی کا فعل و عمل ہے۔ گویا یہ بات ان حضرات کے نزدیک بھی مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عثمانؓ ہر حال میں اپنی نجی دولت اور جیب ہی سے اقرباء کی امداد نہیں کرتے تھے بلکہ بیت المال سے بھی انعام و اکرام کا سلسلہ موجود تھا۔ اسے خیانت اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ اسوۂ رسولؐ سامنے موجود تھا اور آیتِ قرآنی میں ایسا کوئی واضح الدلالۃ لفظ موجود نہیں ہے جس سے قطعی طور پر معلوم ہوتا کہ اقرباء کا حق حضورؐ کے بعد کسی کو نہیں پہنچے گا۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ نے بطورِ مجتہد اجتہاد فرمایا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے اسوے کو اس باب میں حکمِ شرعی نہیں مانا۔ ایسی صورت میں جو لوگ، مثلاً ابوحنیفہؒ وغیرہ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجتہاد اقرب الی الصواب نہیں تھا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ گناہ تھا۔

غرض بیت المال سے حضرت عثمانؓ کا کبھی نہ کبھی عطیے دینا ایک ایسا ثابت شدہ امر ہے کہ جو لوگ اس سے انکار کریں ان کا انکار ایسا ہی ہے جیسے وہ یوں کہیں کہ حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید کو معزول نہیں کیا تھا یا حضرت عثمانؓ نے ولید کو بادہ خواری کی سزا نہیں دی تھی۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ کیا فرماتے ہیں

عشرہ مبشرہ کے مناقب میں شیخ محب الدین طبریؒ کی کتاب "الریاض النضرۃ" اہلِ علم کے لیے ایک مرغوب تحفہ ہے۔ اس میں صحابہؓ کے ایک شیدائی کی حیثیت میں انھوں نے دسوں مبشّر بالجنۃ صحابیوں کے مناقب جمع فرما دیئے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ حقائق کا انکار کرنا اور امورِ ثابتہ کو جھٹلانا کسی خدا پرست کا کام نہیں ہوسکتا، اسی لیے انھوں نے مروان کو خمس عطا کیے جانے والی اس روایت کو بھی صحیح مانا ہے جس کی بحث آگے آرہی ہے (اس کے ذیل میں میاں صاحب نے بدترین قسم کی جہالتیں اور شرارتیں پھیلائی ہیں) اور مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّبؒ کا بھی ایک ارشاد نقل کیا ہے جو لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے:-

لمّا ولی عثمانُ کرہ ولا یتہ نفرٌ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان عثمان کان یحب قومہ فولّی اثنتی عشرۃ حجۃ وکان کثیراً ما یولّی بنی امیۃ ممن لم یکن لہ صحبۃ مع رسول اللہ ﷺ وکان یجیٔ من امرائہ ما یکرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یستغاث علیہم فلا یغیثہم	حضرت عثمانؓ جب برسرِ خلافت آئے تو بعض صحابہؓ نے اس کو اس لیے ناپسند کیا کہ حضرت عثمانؓ اپنے کنبے سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ بارہ برس برسرِ خلافت رہے اور بارہا بنی امیّہ کے ایسے افراد کو عہدے دیتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ نہ تھے۔ آپؓ کے والیوں سے ایسے امور کا صدور ہوتا تھا جو اصحابِ رسولؐ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھے۔ آپ سے ان کے سلسلہ میں فریاد کی جاتی لیکن آپ فریاد رسی نہ کرتے۔

لہ امام ابو ثورؒ اور امام حسن بصریؒ کے ناموں کی صراحت امام ابن تیمیہؒ نے المنتقی میں کی ہے اور امام شافعیؒ کے نام کی صراحت الاحکام السلطانیہ کے علاوہ کشف الاسناد وغیرہ میں موجود ہے۔

فلما کان فی الستة الحجج الاواخر استاثر بنی عمہ فولاھم و امّرھم (ج ۲ ص ۱۲۴)	اپنی خلافت کے آخری چھ سالوں میں آپ نے اپنے بنی عم کو خصوصیت سے دوسروں پر فوقیت دی، اور والی و حاکم بنایا۔

یہیں امام ابنِ تیمیہؒ کا ایک اور فقرہ سن لیجئے:۔

حصل من اقاربہ فی الولایة والمال ما اوجب الفتنة۔	حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں سے منصبی اور مالی رخوں پر وہ کچھ سامنے آیا جو لازماً فتنہ پیدا کرنے والا تھا۔

شاہ ولی اللہؒ کیا فرماتے ہیں؟

سیرۃ ذی النورینؓ بہ نسبت سیرتِ شیخینؓ مغایرتے داشت زیراکہ گاہے از عزیمت بہ رخصت تنزّل نمود۔ (ازالۃ الخفاء)	حضرت عثمانؓ کی سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت سے مطابقت نہیں رکھتی تھی کیونکہ آپ نے کبھی کبھی عزیمت دکا بلند موقف چھوڑ کر رخصت کا (اس سے کمتر) موقف اختیار فرمایا۔

یہی وہ چیز ہے جسے مودودی نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ:۔

"بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ اس معیارِ مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔"

مگر میاں صاحب نے قسم کھا رکھی ہے کہ ہر ہر سچائی کو جھٹلائیں گے۔

کون نہیں جانتا کہ "عزیمت" کا راستہ اللہ کے یہاں بہت مقبول ہے اور اس کی جزاء بے شمار ہے "رخصت" گناہ نہیں مگر کمتر ضرور ہے اسی لئے شاہ صاحبؒ "تنزّل" کا لفظ لکھ رہے ہیں۔ پھر شاہ صاحبؒ ہی کا وہ قول جسے ہم نقل کر آئے ہیں یہاں یاد کر لیا جائے کہ عمرؓ جو حکم دیں یا جو سنت نکالیں اس میں ان کا اقتداء ضروری ہے تو یہ بات بالکل منقح ہو جاتی ہے کہ سیرتِ عثمانؓ کا بعض اعتبار سے سیرتِ شیخینؓ سے مطابقت نہ رکھنا اور عزیمت کی جگہ رخصت اختیار کرنا معیارِ مطلوب سے بہرحال کمتر تھا۔

محب الدین الخطیب المنتقیٰ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

ان ائمة الاسلام تا من الولاة والعمّال صفحہ ۳۱۹

بخوفِ طوالت متن حذف کر دیا گیا۔ ترجمہ درج ذیل ہے):۔

"ائمۂ اسلام اور رجال حدیث جیسے امام احمدؒ اور ان کے مسلک پر چلنے والے مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ذہبیؒ کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد تمام مسلمانوں پر۔ خصوصاً ان پر جو مسلمانوں کے معاملات میں والی بنائے جائیں، فرض ہے کہ تمام امور میں ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کے طریقوں پر چلیں اور یہی دونوں شخصیتیں ان لوگوں کو جانچنے کی کسوٹی ہیں جو ان کے بعد والی و حاکم بنیں۔"

اب اگر شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں سیرتِ عثمانؓ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت سے مغایرت رکھتی تھی تو اس تقریر کے مطابق تمام متذکرہ علماء و فضلاء کے نزدیک اقرباء کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا عام طرزِ عمل لائقِ تحسین تو بہرحال نہ تھا۔ معیارِ مطلوب کے مطابق نہ ہونا اسی کی ہلکی سے ہلکی تعبیر ہے۔

مولانا اکبر شاہ کیا فرماتے ہیں؟

اسلام کی اردو تاریخوں میں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادیؒ کی "تاریخ اسلام" کافی مقبول و معتبر ہے۔ کتنے ہی دنوں سے چھپ رہی ہے۔ وہ ان مورخین میں ہیں جو دامنِ صحابہؓ سے داغِ الزام دھونے میں خاصی سرگرمی دکھاتے ہیں حتیٰ کہ بعض ایسی روایات کو بھی انھوں نے حبِّ صحابہ میں ناقابلِ اعتبار سمجھ لیا ہے جن کا صحیح ہونا غلط ہونے سے زیادہ اغلب ہے۔ پھر بھی وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:۔

اس موقعہ پر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ خاندان والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا ایک خوبی کی بات ہے لیکن اس اچھی بات پر ایک خلیفہ کو عمل درآمد کرانے کے لئے بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

سے شاید کما حقہ احتیاط کے برتنے میں کمی ہوئی اور مروان بن الحکم اپنے چچازاد بھائی کو آخر وقت تک اپنا کاتب یعنی میر منشی اور وزیر و مشیر رکھنا تو بے شک احتیاط کے خلاف تھا۔ نہ اس لیے کہ وہ آپ کا رشتہ دار تھا بلکہ اس لیے کہ وہ اتقاء اور روحانیت میں ناقص اور اس مرتبۂ جلیلہ کا اپنی قابلیت و فضائل کے اعتبار سے اہل اور حقدار نہ تھا۔"

(ص ۴۹۴ ۔ تاریخ اسلام جلد اول مکتبہ رحمت دیوبند)

ایک ایک فقرے کو دیکھ لیجئے کیا کہا گیا ہے — پھر کیا آج تک میاں صاحب یا کسی اور پڑھے لکھے کی زبان سے آپ نے سنا کہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی بغض صحابہؓ میں مبتلا ہیں۔ توہینِ صحابہ کے مرتکب ہیں۔ آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔

ابن الطقطقی کیا فرماتے ہیں

"الفخری" ایک مشہور تاریخ ہے۔ اس کے مؤلف محمد بن علی طباطبا۔ ف ابن الطقطقی ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس پر مختصر پیش لفظ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے تحریر فرمایا ہے جو دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر، معروف عالم و مفتی اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے روشن ضمیر اور بیدار مغز ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے پیش لفظ میں تحریر فرمایا:۔

"الفخری کا شمار تاریخ اسلام کی مستند جامع اور زندہ تاریخوں میں ہوتا ہے۔ اس مختصر تاریخ میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو عام طور پر تاریخی کتابوں میں نہیں ملتیں۔" (صفحہ ۱۵)

اس تعارف کے بعد صاحب الفخری کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:۔

"جب لوگ حضرت عثمانؓ سے صادر ہونے والے اعمال پر اعتراض کرتے جن پر انھیں مروان بن الحکم آمادہ کرتا اور ان اعمال کو وہ اچھا بتاتا تھا تو کبھی وہ ان لوگوں (اعتراض کرنے والوں) کے مشورے پر پابند ہونے کا اظہار کرتے اور کبھی اپنے کیے کی تائید میں دلیلیں پیش کرنے لگتے تھے یہاں تک کہ اس معاملہ نے شہرت اختیار کر لی اور مختلف شہروں کے لوگ ان سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے۔" (صفحہ ۱۵۸)

اور اس سے ایک صفحہ قبل جو کچھ لکھا ہے اس پر بھی نظر ڈال لیجئے:۔

"مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے عثمانؓ کی اس زیادتی کو برا سمجھا جو انھوں نے اپنے دونوں رفیقوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقے یعنی کم صرف کرنے اور مسلمانوں کے مال سے باز رہنے کے خلاف اختیار کر لیا تھا۔ انھوں نے مال کا ایک حصہ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا تھا اور اپنے اہل و عیال کے لیے بھی آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔ منجملہ ان کی ایسی باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن خالد بن اسید کو پچاس ہزار درہم دیئے اور مروان بن الحکم کو پندرہ ہزار۔ مسلمان اس وقت تک ایسی فضول خرچیاں دیکھنے کے عادی نہ تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے کفایت شعارانہ انضباط کو دیکھے ہوئے ان کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ وہ ایسی باتوں سے بچتے رہے اور ان کے اور عثمانؓ کے درمیان (ان مسائل پر) عتاب آمیز گفتگو اور قیل و قال رہی۔" ص ۱۵۷

بتائیے کس کس کو بغض صحابہؓ کا طعنہ دیں گے۔ کیسے کیسے عظمتِ صحابہؓ سے ناآشنا کہیں گے۔ تاریخ کی جتنی بھی کتابوں میں حضرت عثمانؓ کے مفصل حالات ہوں گے وہاں اکثر و بیشتر اسی طرح کے ریمارک مل جائیں گے۔

ایک مثال اور ملاحظہ کیجئے:۔

امام اہلِ سنّت کیا فرماتے ہیں

حد ہے کہ مولانا عبد الشکور فاروقی جن کی کتاب "خلفائے راشدین" سے کچھ حوالے ہم ماسبق میں دے آئے اور جو مدح صحابہؓ میں امتیازی شہرہ رکھتے ہیں یہ لکھنے سے اپنے قلم کو روک نہ سکے کہ:۔

"آخری چھ سال میں آپ نے (حضرت عثمانؓ نے۔ تجلی) اپنے اعزہ و اقارب کو عہدوں پر مقرر کیا اور انھوں نے کام خراب کر دیا۔ صلہ رحم کی صفت کا آپؓ پر غلبہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ سے عمدہ ہو جب وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے۔ تاہم یہ خرابیاں یا کمزوریاں بمقابلہ ان خوبیوں کے جو آپ کی ذات والا صفات میں تھیں اور بمقابلہ ان عظیم الشان خدماتِ اسلامیہ کے جو کہ آپؓ نے انجام دیں ہرگز قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتیں"

(خلفائے راشدین صـ ۱۹۴)

الفاظ مختلف، حقیقت وہی جسے مودودی بیان کرنے کا مجرم ہے۔ اس نے اقربا، نوازی کو حضرت عثمانؓ کی عام روش کے لحاظ سے "پالیسی" کا عنوان دیا اور اس کے لیے "غلط" کا لفظ بولا۔ یہاں حضرت عثمانؓ کی اقربا، نوازی کو تجاوز عن الحد اور خرابی و کمزوری سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ "غلطی" سے ہلکے الفاظ تو نہیں ہیں۔

مولانا شبلیؒ کیا کہتے ہیں

تنقیدِ روایات میں مولانا شبلی مرحوم کی شدت و تعنّت متاخرین میں اپنی کم مثالیں رکھتا ہے لیکن سیرت النبی، سیرت النعمان، الفاروق اور دیگر وقیع کتابوں کے فاضل مصنف کو الفاروق میں یہ اعتراف بہرحال کرنا پڑا کہ:۔

"حضرت عثمان رضؓ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوفؓ نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بناء پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں"

(الفاروق صـ ۵۲۵۔ کتب خانہ صدیقیہ ملتان)

اب اگر میاں صاحب یہ کہدیں کہ حضرت عثمانؓ کے حالات پر گفتگو کرنے والے سارے ہی مشاہیر اور علماء و مورخین بغضِ صحابہؓ کے مرض میں گرفتار ہو کر حضرت عثمانؓ کی توہین کرنے کی سازش کیے ہوئے ہیں جیسا کہ منکرینِ حدیث کا خیال ہے کہ تمام محدثین نے اصل دین اور قرآن کو مسخ کرنے کی سازش کر کے "احادیث" کے مجموعے تیار کیے ہیں، تب تو بات کچھ مزیدار ہو سکتی ہے۔ مگر یہ کیا کہ اکیلے مودودی پر لے دے اور یورش و یلغار۔ باقی سب کو مرحبا جزاک اللہ۔

متحدثانہ تنقید

جس طرح شاعر سے متشاعر ہے اسی طرح محدثانہ سے متحدثانہ سمجھیے۔ چشم بددور میاں صاحب نے مودودی کی پیش کردہ دو روایتوں پر اپنی دانست میں محدثانہ تنقید بھی کی ہے۔ یہ علمی اعتبار سے کم و بیش ایسی ہی ہے جیسے کوئی عطائی چند دواؤں کے نام دہرا کر مخلوقِ خدا کو یہ باور کرانا چاہے کہ میں طبیب ہوں۔ ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر ان کی کتاب استاذ العصر فخر المحدثین مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے مطالعہ سے گذرگئی تو انھیں اس غم میں بلڈ پریشر نہ ہو جائے کہ یا اللہ مولویوں ہی کے ہاتھوں علم و تفقہ کی مٹی کیسی پلید ہو رہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ تنقید جہالت اور بچکانے پن کا ایسا نمونہ ہے جس نے مولانا محمد میاں صاحب کے بارے میں ناقابلِ بیان تاثر دیا ہے۔

آیئے ان کی غیر ضروری موشگافیوں اور صلواتوں سے ہٹ کر ذرا تنقید کا جائزہ لیں۔

مودودی نے طبقات ابن سعد سے امام زہریؒ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے۔ عربی متن کو چھوڑ کر ہم صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں:-

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ حکومت کے آخری چھ سالوں میں اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو حکومت کے عہدے دیئے اور مروان کے لیے مصر کا خمس (یعنی افریقہ کے اموالِ غنیمت کا خمس جو مصر کے صوبے کی طرف سے آیا تھا) لکھدیا اور اپنے رشتہ داروں کو مالی عطیئے دیئے اور اس معاملہ میں یہ تاویل کی کہ یہ وہ صلہ رحمی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ انھوں نے بیت المال سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں اور کہا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے اس مال میں سے اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور میں نے اسے لے کر اپنے اقرباء میں تقسیم کیا ہے اسی چیز کو لوگوں نے ناپسند کیا۔"

(ص ۳۲۶ و ص ۳۲۷)

امام زہری کے اس قول کی تائید میں مودودی نے حاشیہ پر شہرۂ آفاق مؤرخ علامہ ابن خلدون کا حوالہ بھی کتاب اور صفحات کی تصریح کے ساتھ دیا جس میں یہ ہے کہ مروان نے یہ خمس پانچ لاکھ میں خرید لیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے یہ پانچ لاکھ اسے معاف کر دیئے۔

اب میاں صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔

آنکھوں کے باوجود نابینا

مودودی نے ضمیمۂ کتاب میں ان مؤرخینِ سلف کا بھی مفصل تعارف کرایا ہے جن کی کتابوں سے انھوں نے زیادہ روایات لی ہیں۔ ان میں طبقات کے مؤلف ابن سعدؒ بھی ہیں۔ ان کا تعارف پورے صفحے پر ہے (ص ۳۱۱)

میاں صاحب کو ہم مکمل نابینا تو اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ اسی صفحے سے انھوں نے مودودی کے یہ الفاظ نقل کیے (گمان یہی ہے کہ اپنی آنکھوں سے پڑھے ہوں گے)۔

"ابن سعد کو تمام محدثین نے ثقہ اور قابلِ اعتماد مانا ہے اور ان کے متعلق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ روایات کو جانچ پرکھ کر لیتے ہیں اور اسی بناء پر ان کی کتاب طبقات تاریخ اسلام کے معتبر ترین مآخذ میں مانی جاتی ہے۔

(خلافت و ملوکیت ص ۱۰۷)

تفسیر و مغازی کے معاملہ میں ان کی ثقاہت پر تمام محدثین و مفسرین نے اعتماد کیا ہے ص ۳۱۱"

(شواہد تقدس ص ۱۸۴)

آپ نے دیکھا ص ۱۰۷ کے بعد والے فقرہ کے لیے خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۳۱۱ ہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اب اس کے بعد میاں صاحب کا ریمارک دیکھئے:-

"دروغ گویم بروئے تو، مودودی صاحب کی اس جرأت کی داد کس طرح دی جائے کہ جو بات محدثین نے نہیں کہی وہ محدثین کے سر تھوپ رہے ہیں، کاش کسی محدث کا نام لے دیتے تو ہمیں "دروغ گویم بروئے تو" کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔" ص ۱۸۶

کیا اس ریمارک کو پڑھنے والے وہ قارئین جن کی نظر سے "خلافت و ملوکیت" نہیں گذری تصور بھی کر سکتے ہیں کہ جس صفحے سے شیخ الحدیث مولانا محمد میاں نے ڈیڑھ سطر نقل کرکے یہ ریمارک دیا ہے۔ عین اسی صفحے پر اسی جگہ ایک نہیں پانچ پانچ محدثین کے فقط نام ہی نہیں ان کے الفاظ بھی مع ترجمہ موجود ہوں گے۔ عربی الفاظ چھوڑ کر ہم صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں:-

(۱)۔ خطیب بغدادی کے الفاظ یہ ہیں۔ محمد بن سعد ہمارے نزدیک اہلِ عدالت میں سے تھے اور ان کی حدیث ان کی صداقت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ اپنی اکثر روایات میں چھان بین سے کام لیتے ہیں۔

(۲) حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں :۔ وہ بڑے ثقہ اور محتاط حفّاظِ حدیث میں سے ہیں ۔
(۳) ابن خلکانؒ کہتے ہیں: وہ سچے اور قابلِ اعتماد تھے۔
(۴) حافظ سخاویؒ کہتے ہیں:۔
وہ ثقہ ہیں۔
(۵) ابن تغری بردیؒ کہتے ہیں :۔ ان کی توثیق یحییٰ ابن معینؒ کے سوا تمام حفاظ نے کی ہے ۔
اب فرمائیے ! اگر میاں صاحب کو نابینا نہیں کہیں گے تو پھر کیا کہیں گے ۔ آخری درجے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں دِکھائی تو دیتا ہے مگر وہ جانتے ہیں کہ ان کے اندھے عقیدتمند کسی بھی حوالے کو اصل سے ملانے کی زحمت نہیں اُٹھائیں گے اور یقین کرلیں گے کہ سارے الزامات ٹھیک ہیں ۔

عنوان بتائیے !

مگر یہ نہ سمجھئے کہ بات اسی کذبِ مُبین تک رہ گئی ۔ ابھی ایک ایسا کارنامہ آپ کو دکھاتے ہیں جس کے لیئے سخت سے سخت لفظ بھی ہلکا ہے ۔ اسی لیئے ہم نے عنوان آپ پر چھوڑ دیا۔
اس کذبِ مبین کے بعد میاں صاحب فرماتے ہیں :۔

"حضراتِ محدثینؒ کو بھی شکایت ہے کہ حضرت ابنِ سعدؒ روایت میں جانچ پرکھ سے کام نہیں لیتے ۔ آدمی سچّے ہیں ۔ بہت بڑے فاضل ہیں مگر روایات پیش کرنے میں محتاط نہیں ۔"

اب اس دعوے کا تقاضہ تھا کہ وہ کم سے کم دو تین محدثین کی شکایتوں کے حوالے دیتے ۔ بتاتے کہ فلاں محدث نے ان لفظوں میں شکایت کی ہے ۔ لیکن انھوں نے ایک بھی محدث کا کوئی لفظ نمونتہً بھی نقل نہیں کیا بلکہ صرف دو محدثین کا نام لے کر ان کی طرف ایسی باتیں دل سے گھڑ کر منسوب کی ہیں کہ اگر آسمان اونچا نہ ہوتا تو پھٹ جاتا اور زمین بے حس نہ ہوتی تو شق ہو جاتی ۔

تفصیل یوں سمجھیئے کہ اس منقولہ عبارت کے بعد وہ لکھتے ہیں :۔

"ملاحظہ ہو تقریب التہذیب ۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ صدوق ۔ فاضل من العاشرہ ۔ یعنی سچے ہیں (جان بوجھ کر غلط بات نہیں کہتے) صاحبِ علم وفضل ہیں مگر نقلِ روایت کے بارے میں یہ ان میں ہیں جن کو دسواں درجہ دیا جاتا ہے یعنی جن پر وثوق اور اعتماد نہیں کیا جاتا جن کو اس بارے میں کمزور مانا جاتا ہے اور اس بیان پر ان کے لیئے "متروک" متروک الحدیث ، واہی الحدیث یا ساقط جیسے الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں ۔" (ص۱۰۹ شواہد تقدّس)

اس ارشادِ گرامی کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب وہ تقریب التقریب اٹھائیے جس کا حوالہ میاں صاحب دے رہے ہیں عوام کی تفہیم کے لیئے ہم یہ بتادیں کہ فنِ روایت کے شہرۂ آفاق امام حافظ ابنِ حجرؒ نے پہلے ایک بہت ضخیم کتاب "تہذیب التہذیب" کے نام سے لکھی جس میں تمام راویوں کے حالات اور ان کے معتبر ہونے نہ ہونے کی تفصیل رقم فرمائی ۔ اس کے بعد انھوں نے سوچا کہ اتنی ضخیم کتاب نہ ہر شخص کو نصیب ہو سکتی ہے ، نہ اس میں سے کسی بھی راوی کا حال سکنڈ دو سکنڈ میں نکالا جا سکتا ہے ۔ لہٰذا انھوں نے اس کا ایک فہرست نما خلاصہ کیا جس کا نام "تقریب التقریب" رکھا ۔ اس خلاصے کے آغاز میں انھوں نے خود لکھا ہے کہ میں ہر راوی کے حال اور پایۂ اعتبار کا خلاصہ ایک ایک سطر میں لکھتا جاؤں گا ۔ پھر انھوں نے یہیں مزید آسانی کے لیئے راویوں کی بارہ قسمیں نمبروار دے دی ہیں ۔ مثلاً ایک قسم ۔ دوسری قسم ۔ تیسری قسم ۔ ہر قسم کے آگے بتادیا کہ یہ ایسے ایسے لوگ ہیں جیسے طبقۂ ثالثہ کے آگے لکھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بہت قابلِ اعتماد ہیں اور انھیں ثقہ ، متقن ، ثبت اور عدل کہا جاتا ہے ۔ اور طبقۂ رابعہ کے آگے لکھا کہ یہ درجے میں

طبقۂ ثالثہ سے برائے نام ہی کم ہیں۔ انھیں "صدوق" کہا جاتا ہے یعنی سچے جن کی روایات بھروسے کے قابل ہیں۔ اسی طرح بارہ طبقے قائم کئے جن میں سے بعض کا تعلق راویوں کے زمانوں سے ہے اور بعض کا ان کی حالت سے۔ اب اس کے بعد وہ کسی راوی کے تعارف میں صرف اس طبقے کا نمبر شمار لکھدیتے ہیں۔ مثلاً من الرابعہ۔ من الخامسہ۔

اے سچائی! اے خدا ترسی! اے شرم و حیا تم کہاں ہو کس کونے میں جا چھپی ہو!!۔

صورتِ حال یہ ہے کہ من العاشرہ کہہ کر ابن حجرؒ نے ان کے زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ طبقۂ عاشرہ کے لیے ان کے الفاظ میں یہ ہے:-

کبار الاخذین	وہ بڑے بڑے لوگ جن کی ملاقات
عن تبع الاتباع ممن لم	تابعین سے تو نہیں ہوئی، مگر
یلق التابعین کاحمد بن	انھوں نے تبع تابعین سے روایات
حنبلؒ (تقریب التہذیب[۳])	لیں۔ جیسے امام احمد ابن حنبلؒ۔

تنہا یہی بات ان کی ثقاہت کے لیے کافی تھی جبکہ "صدوق" کہہ کر ان کے سچے ہونے کی تصدیق ساتھ ساتھ ہو۔ مگر بات یہیں تک نہیں رہی۔

ابن حجرؒ نے طبقۂ صحابہؓ کے علی بعد طبقۂ ثانیہ قائم کرکے اس کے ذیل میں یہ وضاحت دی ہے:-

مَن اُکّدَ مدحہٗ الخ یعنی ہر وہ شخص جس کی تعریف و ثناء میں تاکید کا پیرایہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ اوثق الناس یا صفت کو لفظاً دوبارا دا کیا جائے مثلاً ثقۃٌ ثقۃٌ یا معنیً دوہرایا جائے جیسے ثقۃٌ حافظٌ[۲] (تقریب التہذیب ص۲)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن سعد کے لیے جب ابن حجرؒ نے صدوقٌ فاضلٌ کہہ کر صفۃ کو معنیً دوہرایا تو اشارہ کردیا کہ وہ مرتبۂ اعتماد کے لحاظ سے طبقۂ الثانیہ کے فرد ہیں۔

بتایئے جو شیخ الحدیث حافظ ابن حجرؒ کے اس ریمارک اور فیصلے کو اُن فنی گالیوں سے بدل دے جو میاں صاحب کی عبارت میں نظر آرہی ہیں اور ایک معتبر، بزرگ اور فاضل امام فن کو ناقابلِ اعتبار اور متروک کہتے ہوئے اسے ذرا خیال نہ آئے کہ میں کیا کررہا ہوں وہ مودودی کے خلاف بدزبانی اور شرارت کا کون ساحربہ استعمال نہ کرے گا۔

مگر جہالت و شرارت کے منظر کا ایک اور حصہ بھی ابھی آپ دیکھیں۔ اگر خدا کا خوف اور دنیا کی شرم حضرت شیخ الحدیث کو ہوتی تو کم سے کم اتنا کرلیتے کہ "من العاشرہ" کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو تہذیب التہذیب اٹھاکر دیکھ لیں کہ وہاں تو ابن حجرؒ نے تفصیلی کلام کیا ہے۔ مگر توبہ! انھیں پرواہ کس کی ہے۔ وہ تو شاید یہ یقین کیے بیٹھے ہیں کہ ان کے سوا نہ کوئی پڑھا لکھا ہے۔ نہ کسی کو کتابیں میسر ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے اسی تقریب التہذیب والے صدوقٌ فاضلٌ کی تفصیل۔ حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں کیا بیان فرماتے ہیں:-

"ابن سعدؒ ان بڑے بڑے قابلِ اعتماد لوگوں میں سے ایک ہیں جو بہت چھان بین کرکے روایات لیتے ہیں۔ ابن سعدؒ نے اتنے کثیر لوگوں سے روایت لی ہے کہ ان کا ذکر بہت طول چاہتا ہے۔ ان میں سے مثالاً چند نام یہ ہیں:-
(۱) ہشیم (۲) ولید بن مسلمہ (۳) ابن عیینہ (۴) ابن علیہ (۵) ابن ابی فدیک (۶) ابی ضمرہ (۷) معن بن عیسیٰ (۸) ابی الولید الطیالسی"

گویا ابن حجرؒ نے اُس تعریض کا بھی جواب دیدیا جو میاں صاحب نے ابن سعد کے مشہور وصفی نام "کاتب الواقدی" کے ذریعہ کی ہے۔ یعنی "کاتب الواقدی" کے لقب سے بیشک وہ مشہور ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ بس واقدی سے روایت

۱؎ جیسے اردو میں ہم زیادہ یقین دہانی کے لیے کہتے ہیں" ضرور ضرور"۔ ۲؎ جیسے ہم کہتے ہیں یقیناً بے شک۔ یا جیسے فلاں شخص بڑا عالم فاضل ہے۔

کرتے ہوں۔ واقدی سے وہ بہت چھان پھٹک کر روایت لیتے ہیں اور باقی خلا دیگر حضرات سے لی ہوئی مضبوط روایات سے پُر کرتے ہیں۔

ابن حجرؒ نے خود بھی ابن سعد کا مشہور لقب "کاتب الواقدی" استعمال فرمایا ہے مگر یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم ابوہریرۃؓ اور ابوتراب کہتے ہیں مگر مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اول الذکر شرقت بلیوں سے کھیلتے رہتے تھے اور ثانی الذکر بدن پر بھبوت ملے پھرتے تھے۔ یہ تو القاب ہیں جن کے لئے جو مشہور ہوگئے چنانچہ ابن حجرؒ نے مزید تعارف یوں کرایا۔

"خطیب بغدادیؒ نے کہا ہے کہ ابن سعدؒ ان لوگوں میں تھے جو علم، فضل، فہم اور عدالت رکھتے ہیں۔ انھوں نے طبقات صحابہؓ اور اپنے زمانے تک کے تابعین پر کثیر کتابیں لکھی ہیں جن میں نہایت نفیس اور عمدہ چیزیں ہیں۔"

اس کے بعد وہ ابن ابی حاتم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"انھوں نے اپنے والد سے ابن سعدؒ کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا وہ سچّا ہے۔"

اس کے بعد پھر خطیب کا یہ فرمودہ نقل کرتے ہیں:۔

"خطیب نے کہا کہ محمد بن سعدؒ ہمارے نزدیک اہل عدالت میں سے ہیں اور ان کی روایات ان کی سچائی پر گواہ ہیں۔ وہ روایات کے ڈھیر سے بہت چھان بین کرکے روایت اٹھاتے ہیں۔ بے شک ان کا علم بہت تھا اور حدیث و روایت کا سرمایہ بھی ان کے پاس خوب تھا۔" (تہذیب التہذیب جلد ۹۔ ترجمہ محمد ابن سعد۔ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)۔

یہ ہیں ابن سعدؒ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کی تصریحات۔ ایک لفظ ایسا نہیں کہا جو جرح و تنقیص کا ہو۔ لیکن میاں صاحب نے کیا کچھ دل سے جوڑ کر لکھ مارا ہے یہ آپ کے سامنے ہے۔

حد ہے کہ ابن حجرؒ نے "صدوق" لکھا تو آپ نے اس کا ترجمہ "سچّا" تو کر دیا مگر فوراً بریکٹ دے کر اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا کہ "جان بوجھ کر غلط بات نہیں کہتے"؛ تاکہ ان کی سچائی میں رخنہ پیدا ہو جائے اور میاں صاحب جب جی چاہے ان کی کسی بھی روایت کے بارے میں کہہ دیں کہ انھوں نے قصداً جھوٹ نہ بولا ہوگا مگر ہے یہ روایت جھوٹی!۔

قارئین اندازہ فرمائیں۔ یہ مظاہر صرف جہل اور خیانت کے نہیں ہیں ان میں آخری درجے کی بے عقلی اور غائب دماغی بھی پائی جا رہی ہے۔ آخر یہ بات تو ایک بالکل ہی بے علم آدمی بھی سوچ سکتا تھا کہ جس شخص کو امام ابن حجرؒ صدوق اور فاضل کہہ رہے ہیں وہ ایسا تو ہرگز ان کی نظر میں نہیں ہو سکتا کہ جس پر وثوق و اعتماد نہ کیا جائے جو واہی ہو جس سے کوئی روایت نہ لی جا سکے جو ساقط الاعتبار ہو۔ اگر یہی حال اس شخص کا ہوتا تو ابن حجرؒ پر کون لٹھ لے کر کھڑا ہو گیا تھا کہ اسے صادق ہی نہیں صَدُوق (ہمیشہ سچ بولنے والا) لکھیں[1]۔

اگر یہ سامنے کی بات ہی یہ علامہ مولانا شیخ الحدیث دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تو ایسا غضب نہ ڈھاتے کہ "عاشرہ" کا اتنا اوٹ پٹانگ ترجمہ دل سے گھڑتے اور سارے ہی وہ الفاظ اگلتے چلے جاتے جو بدترین راویوں کے لئے وضع ہوئے ہیں

انتہا یہ ہے کہ جس طرح ابن سعدؒ کے سلسلہ میں ابن حجرؒ نے "من العاشرہ" لکھا اسی طرح کسی راوی کے آگے من الثالثہ کسی کے آگے من الخامسہ اور کسی کے آگے من التاسعہ وغیرہ ہر صفحے میں موجود ہے۔ غبی سے غبی آدمی سوچ سکتا ہے کہ یہ ضرور کسی ایسی فہرست کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک دو تین کرکے کم سے کم دس نمبر (عشر) دیتے ہوں گے اور فی العاشرہ سے مراد یہی ہوگی کہ دسواں نمبر دیکھ کر ابن سعد کا مزید تعارف حاصل کر لو۔

[1] آپ چاہیں تو مصباح اللغات اٹھا کر صدوق کے معنی دیکھ لیں۔

مگر جب کسی کی مَت ماری جاتی ہے اور شیطان اُسے پوری طرح دبوچ لیتا ہے تو اسے سارے کپڑے اُتر جانے پر بھی ننگے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ کیا اس میں کوئی شک رہ گیا ہے کہ "تقریب التہذیب" میاں صاحب نے زندگی میں پہلی بار کھول کر دیکھی ہے اور دیکھی بھی اس طرح کہ میم کی تختی کھولی محمد بن سعد کا ترجمہ[۱] نکالا اور آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھے بغیر الفاظ نقل کر لیے۔ پھر چونکہ مقصد تحقیقِ حق نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ ہر حال میں اُس ابن سعد کی قبر پر لات مارو جس کی روایت مودودی لے آیا ہے۔ لہٰذا ابن حجرؒ کے الفاظ خلافِ منشاء پاکر بھی مکمل جرأتِ فاسقانہ سے صدوق کے آگے ایک من گھڑت بریکٹ دے کر اس لفظ کی اہمیت کم کی اور جو "فی العاشرۃ" پلّے نہیں پڑا تھا اس کے معنی ایسے نکالے کہ آسمان دنگ اور زمین دم بخود۔

انصاف پسندو! کیا یہ فسقِ جلی نہیں ہے۔ کیا اسے بے ایمانی کے سوا بھی کچھ کہہ سکیں گے؟

آگے چلیے۔

میاں صاحب نے شکایت کرنے والے محدثین میں سے دو کا نام لیا تھا۔ ایک کے ساتھ جو سلوک انھوں نے کیا وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اب دوسرے کی دُرگت بھی دیکھ لیجیے ــ فرماتے ہیں:۔

> "جرح وتعدیل کے امام حضرت ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی "میزان الاعتدال" میں "صدوق" تو کہتے ہیں مگر نقلِ روایت کے بارے میں کوئی توثیق نہیں کرتے"۔ ص۱۵۵

دیکھا آپ نے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ جرح وتعدیل میں کامل دستگاہ رکھنے والے حافظ ذہبیؒ "صدوق" کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں جو ثقہ اور معتمد علیہ راویوں کے لیے طے شدہ ہے۔ کتاب بھی "اسماء الرجال" ہی کی ہے۔ مگر میاں صاحب کی سرشتِ بد اس میں بھی یہ کہکر کیڑے ڈالتی ہے کہ "نقلِ روایت کے بارے میں کوئی توثیق نہیں کرتے"۔

کوئی ان سے پوچھے "میزان الاعتدال" کس مقصد سے لکھی گئی ہے۔ اس میں کسی کو جھوٹا، کسی کو ضعیف، کسی کو ثقہ، کسی کو صدوق کس غرض سے کہا گیا ہے۔ کیا بیاہ منگنی ہو رہی تھی کہ ذہبیؒ ابنِ سعدؒ کی تعریف لڑکی والوں سے کر رہے ہوں۔

خدا کے بندے! اسماء الرجال کی کتابوں میں کسی کو اچھا یا بُرا تو لکھا ہی گیا ہے توثیق یا تضعیف کے مقصد سے۔ پھر یہ کیا یاوہ گوئی ہے جو میاں صاحب کر رہے ہیں۔

اب آیئے مفصلاً دیکھیے امام ذہبیؒ کیا لکھتے ہیں۔

میزان الاعتدال مطبوعہ مجتبائی جلد ثالث صفحہ ۶۳

> "محمد بن سعد کاتب الواقدی سچے ہیں۔ ابوحاتم وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے"۔

اس کے بعد وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مصعب الزبیری نے ایک بار ابنِ معین سے یہ کہا کہ اے ابوزکریا! ہم سے ابن سعد نے ایسا ایسا بیان کیا۔ ابنِ معینؒ نے جواب دیا جھوٹ ہے۔ اس واقعے سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ابنِ معینؒ نے ابن سعد کو جھوٹا سمجھا لیکن حافظ ذہبیؒ اس کی ایک تاویل کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اگر ابن معینؒ کا مطلب یہ بھی ہو کہ ابنِ سعدؒ نے جھوٹ بولا تو بہرحال ہمارے نزدیک یہ قابلِ تسلیم نہیں ہے کیونکہ ابن سعدؒ کا سچا ہونا ثابت ہو چکا ہے"۔

یہ ہے میزان الاعتدال کا پورا مضمون۔ آپ دیکھ رہے ہیں حافظ ذہبیؒ کو ابنِ سعدؒ کی سچائی پر کتنا وثوق تھا۔ اگر یہ توثیق وتصدیق بقول میاں صاحب روایت کے بارے میں نہیں ہے تو کیا ابنِ سعدؒ نے کہیں نوکری کی درخواست دے رکھی تھی جہاں ذہبیؒ نے یہ سفارش لکھ بھیجی ہو کہ یہ صاحب سچّے اور دیانت دار ہیں انھیں ضرور نوکر رکھ لو۔ بار بار ایک آیتِ قرآنی یاد آتی ہے۔ رنج وتاسف کیساتھ اسے لکھ ہی دیں۔ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (النحل ۴۵)

(جو لوگ بد سے بدتر چالیں چل رہے ہیں کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسے رُخ سے عذاب آ پڑے کہ جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہ ہو)

ویسے ایک تاویل ہماری سمجھ میں آتی ہے۔ یہ کہ میاں صاحب نے خود کو مع اہل وعیال "محدثین" قرار دے لیا ہو

---

[۱] اصطلاحِ فن میں "ترجمہ" تقریباً "تعارف" کے مفہوم میں بولا جاتا ہے

اور چونکہ انھیں ابنِ سعدؒ سے شکایت ہے اس لیے یہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ محدثینؒ ان کی شکایت کرتے ہیں!۔

سچ فرمایا صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔

إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (بخاریؒ)

(ترجمہ: جب تجھے شرم وغیرت ہی نہیں تو پھر جو چاہے کرتا پھر)

اسے ہمارے اُردو محاورے میں عموماً یوں کہا جاتا ہے کہ "میاں جب تمھیں حیا ہی نہیں تو پھر ہماری طرف سے گُو کھاتے پھرو!"

فقہاء میں ابنِ سعدؒ کا اعتماد

کون نہیں جانتا کہ فقہاء ومجتہدینؒ غیر مستند لوگوں کی روایات سے سروکار نہیں رکھتے۔ ان کے مسائل کی بنیاد مضبوط ہی روایتوں پر ہوتی ہے۔

ہدایہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں ہیں جن میں بنایہ اور عنایہ اور فتح القدیر بہت مشہور اور ممتاز ہیں۔ اہلِ علم کے لیے تو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں لیکن تفہیمِ عام کے لیے ہم یہ عرض کردیں کہ ہدایہ نسبتاً مختصر ہے اس میں تمام ضروری مسائل ایجاز واختصار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اسی لیے اسے مطوّل شرحوں کی ضرورت ہوئی اور شرحوں کے علاوہ اس پر ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں اس کے ہر ہر مسئلہ سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ مثلاً امام زیلعی حنفیؒ کی نصب الرایہ (اس کا مفصل تذکرہ آگے "فنِ حدیث" کے زیرِ عنوان آئے گا)۔

ظاہر بات ہے کہ اس کے شارحین کے پیشِ نظر جہاں یہ چیز تھی کہ احناف ہر مسئلہ کو اس کے متعلقات وذیول سمیت سمجھ لیں وہیں یہ چیز بھی تھی کہ جو لوگ فقہ حنفی پر زیادہ تر قیاسی ہونے کا الزام لگاتے ہیں انھیں پتہ چل جائے کہ یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ اس فقہ کا مآخذ ومصدر قرآن ہے یا پھر حدیث۔ اور قیاس واجتہاد سے اس میں بس اسی حد تک کام لیا گیا ہے جس حد تک خود اللہ اور رسولؐ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم فرمایا ہے۔

اس مقصد کے پیشِ نظر شارحین نے ایسی ہی روایات اپنی شرحوں میں جمع کی ہیں جو معروف ومقبول ہوں، ضعیف ومتروک نہ ہوں: تاکہ اپنوں اور بیگانوں سب پر حجت تمام ہوجائے۔

اس توضیح کو ذہن میں رکھتے ہوئے البنایہ جلد دوم کا صفحہ ۸۰۹ کھولیے۔ یہ کتاب السّیر ہے جس میں مالِ غنیمت کی شرعی تقسیم وغیرہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

شارح علیہ الرحمۃ ایک مسئلہ کے فقہی دلائل پیش کرتے ہوئے احادیث بھی بیان کر رہے ہیں اور اسی ذیل میں انھوں نے فرمایا ہے کہ:۔

ابن سعد فی	ابن سعدؒ اپنی کتاب طبقات
الطبقات باسنادہ	میں اپنی سند کے ساتھ روایت
انّ عُمر بن الخطاب الخ	پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ..... الخ

اس سے یہاں بحث نہیں کہ نفسِ مسئلہ کیا چل رہا ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شارح نے ابنِ سعد کا حوالہ دیا اور سندِ روایت حذف کرکے روایت ذکر کی۔ یہ بڑی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابنِ سعدؒ کی ثقاہت فقہاء کے یہاں بھی ایک ایسی طے شدہ چیز ہے جس کے بارے میں وہ مطمئن ہیں کہ فقہ کا کوئی مکتبِ فکر اس میں فی نہ نکال سکے گا۔ اس کی مثال ایسی ہی سمجھیے جیسے اہلِ علم بخاریؒ ومسلمؒ کے حوالے سے کوئی روایت بیان کردیتے ہیں اور سند بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی یہ احتجاج نہیں کرتا کہ اس روایت کی سند تو دکھاؤ کیسی ہے۔ احتجاج کیوں کرے معلوم ہے کہ بخاریؒ ومسلمؒ ضعیف اسناد سے سروکار نہیں رکھتے۔

کسی سے بھی کہیے کہ بخاریؒ یا مسلمؒ نے ایسا بیان کیا ہے تو وہ مطمئن ہوجائے گا کہ روایت صحیح ہے۔ ٹھیک اسی نوع کی پوزیشن ابنِ سعدؒ کی نظر آرہی ہے کہ ایک جلیل القدر فقیہ بطور برہان ابنِ سعدؒ کی روایت پیش کر رہا ہے اور صرف یہ کہہ رہا ہے کہ ابنِ سعدؒ نے اپنی کتاب طبقات میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے۔ آج تک کسی غیر حنفی نے بھی یہ اعتراض نہیں اٹھایا کہ ابنِ سعدؒ کا کیا اعتبار۔ ان کی سند دکھلاؤ تاکہ راویوں کو جانچ کر پتہ چلایا جائے کہ روایت قوی ہے یا ضعیف۔ غلط ہے یا صحیح۔ اس سے اندازہ فرمالیجیے کہ ابنِ سعدؒ کا اعتماد کس درجے میں ہے۔

ابنِ معینؒ کا معاملہ

طبقۂ ثالثہ سے برائے نام ہی کم ہیں۔ انھیں "صدوق" کہا جاتا ہے یعنی سچے جن کی روایات بھروسے کے قابل ہیں۔
اسی طرح بارہ طبقے قائم کیے جن میں سے بعض کا تعلق راویوں کے زمانوں سے ہے اور بعض کا ان کی حالت سے۔
اب اس کے بعد وہ کسی راوی کے تعارف میں صرف اس طبقے کا نمبر شمار لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً من الرابعہ۔ من الخامسہ۔

اے سچائی! اے خدا ترسی! اے شرم و حیا تم کہاں ہو کس کونے میں جا چھپی ہو!!۔

صورتِ حال یہ ہے کہ من العاشرہ کہہ کر ابن حجرؒ نے ان کے زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ طبقۂ عاشرہ کے لیے ان کے الفاظ میں یہ ہے:۔

كبار الآخذين عن تبع الاتباع ممن لم يلق التابعين كاحمد بن حنبلؒ (تقریب التہذیب ص۳)	وہ بڑے بڑے لوگ جن کی ملاقات تابعین سے تو نہیں ہوئی، مگر انھوں نے تبع تابعین سے روایات لیں۔ جیسے امام احمد ابن حنبلؒ۔

تنہا یہی بات ان کی ثقاہت کے لیے کافی تھی جبکہ "صدوق" کہہ کر ان کے سچے ہونے کی تصدیق ساتھ ساتھ ہے۔ مگر بات یہیں تک نہیں رہی۔

ابن حجرؒ نے طبقۂ صحابہؓ کے عین بعد طبقۂ ثانیہ قائم کرکے اس کے ذیل میں یہ وضاحت دی ہے:۔

مَنْ اُكِّدَ مدحهُ الخ (یعنی ہر وہ شخص جس کی تعریف و ثنا میں تاکید کا پیرایہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً کہا جائے کہ اوثق الناس یا صفت کو لفظاً[1] دوبارا دا کیا جائے مثلاً ثقةٌ ثقةٌ یا معنیً[2] دوہرایا جائے جیسے ثقةٌ حافظٌ۔ (تقریب التہذیب ص۲)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن سعد کے لیے جب ابن حجرؒ نے صدوقٌ فاضلٌ کہہ کر صفت کو معنیً دوہرایا تو اشارہ کر دیا کہ وہ مرتبۂ اعتماد کے لحاظ سے طبقۃ الثانیہ کے فرد ہیں۔

بتائیے جو شیخ الحدیث حافظ ابن حجرؒ کے اس ریمارک اور فیصلے کو اُن فنی گالیوں سے بدل دے جو میاں صاحب کی عبارت میں نظر آرہی ہیں اور ایک معتبر، بزرگ اور فاضل امامِ فن کو ناقابلِ اعتبار اور متروک کہتے ہوئے اسے ذرا خیال نہ آئے کہ میں کیا کر رہا ہوں وہ مودودی کے خلاف بد دیانتی اور شرارت کا کون سا حربہ استعمال نہ کرے گا۔

مگر جہالت و شرارت کے منظر کا ایک اور حصہ بھی ابھی آپ دیکھیں۔ اگر خدا کا خوف اور دنیا کی شرم حضرت شیخ الحدیث کو ہوتی تو کم سے کم اتنا کر لیتے کہ "من العاشرہ" کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو تہذیب التہذیب اٹھا کر دیکھ لیں کہ وہاں تو ابن حجرؒ نے تفصیلی کلام کیا ہے — مگر توبہ! انھیں پرواہ کس کی ہے۔ وہ تو شاید یہ یقین کیے بیٹھے ہیں کہ ان کے سوا نہ کوئی پڑھا لکھا ہے۔ نہ کسی کو کتابیں میسر ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے اسی تقریب التہذیب والے صدوقٌ فاضلٌ کی تفصیل۔ حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں کیا بیان فرماتے ہیں:۔

> "ابنِ سعدؒ ان بڑے بڑے قابلِ اعتماد لوگوں میں سے ایک ہیں جو بہت چھان بین کر کے روایات لیتے ہیں۔ ابن سعدؒ نے اتنے کثیر لوگوں سے روایت لی ہے کہ ان کا ذکر بہت طول چاہتا ہے۔ ان میں سے مثالاً چند نام یہ ہیں:۔
> (۱) ہشیم (۲) ولید بن مسلمہ (۳) ابن عیینہ (۴) ابن علیہ (۵) ابن ابی فدیک (۶) ابی ضمرہ (۷) معن بن عیسیٰ (۸) ابی الولید الطیالسی"

گویا ابن حجرؒ نے اُس تعریض کا بھی جواب دے دیا جو میاں صاحب نے ابنِ سعد کے مشہور وصفی نام "کاتب الواقدی" کے ذریعہ کی ہے۔ یعنی "کاتب الواقدی" کے لقب سے بیشک وہ مشہور ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ بس واقدی سے روایت

[1] جیسے اردو میں ہم زیادہ یقین دہانی کے لیے کہتے ہیں "ضرور ضرور"۔ [2] جیسے ہم کہتے ہیں یقیناً بے شک۔ یا جیسے فلاں شخص بڑا عالم فاضل ہے۔

حافظ سیوطی "تدریب الراوی" شرح تقریب النوادی میں کہتے ہیں:-

"اگر جرح مجمل ہو اور جس راوی پر یہ جرح کی گئی ہے اس کی توثیق بلند پایہ اسنادانِ فن میں سے کسی ایک نے بھی کردی ہو تو اس جرح کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس توثیق سے اسے ثقاہت کا درجہ مل گیا لہٰذا یہ ثقاہت اس وقت تک زائل نہیں ہوسکتی جب تک کوئی ایسی ہی واضح اور مفصل چیز سامنے نہ آئے جس سے اس راوی کا ناقابلِ اعتبار ہونا ثابت ہوسکے کیونکہ بلند پایہ ماہرینِ فن کسی شخص کو قابلِ اعتماد اسی وقت ٹھہراتے ہیں جب اس کے دین اور اس کی روایات کو خوب جانچ پرکھ لیتے ہیں۔ وہ بیدار مغز لوگ ہیں پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کی مبہم جرح اس کی تردید کے لیے کافی ہو" (صفحہ ۱۱۲)۔

کشف الاسرار شرح اصول البزودی میں (جلد ۳ صفحہ ۶۸ میں) کہا گیا ہے:-

اما الطعن من ائمۃ الحدیث فلا یقبل مجملاً ای مبهمًا بان یقول هذا الحدیث غیر ثابت او منکرا و فلان متروك الحدیث او ذاهب الحدیث او مجروح او لیس بعدل من غیر ان یذکر سبب الطعن وهو مذهب عامۃ الفقهاء والمحدثین	ائمہ حدیث کی طرف سے مجمل و مبہم طعن قبول نہیں کیا جائے گا مثلاً وہ کہیں کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے یا منکر ہے یا فلاں راوی متروک الحدیث یا مجروح ہے یا عادل نہیں ہے اور یہ صراحت نہ کریں کہ آخر ایسا کیوں ہے تو ایسے طعن و جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور یہی مذہب ہے عام فقہاء و محدثین کا۔

یہ تو ایک عام اصول ہوا۔ اب جو لوگ متعنت[1] ہیں ان کی جرح مبہم تو تعدیلِ ثقات[2] کی موجودگی میں اور بھی ساقط الاعتبار ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی ظفر الامانی علی مختصر الجرجانی صفحہ ۲۷۶ میں فرماتے ہیں:-

وهذا ای تجریح الراوی بما لا یجرح به صنیع المتشدد ین حیث یجرحون الراوی بادنی جرح ویبالغون فیه ویطعنون علیه بما لا تترك به روایته کابن تیمیۃ و ابن الجوزی و اضرابهما۔	اور یہ یعنی راوی پر ایسی جرح کرنا جس سے حقیقتاً وہ مجروح نہیں قرار پاتا سخت گیروں کا عمل ہے۔ یہ لوگ بہت معمولی کمزوری کو عیب بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس میں مبالغہ ہوتا ہے اور یہ لوگ راوی کو ایسی باتوں پر مطعون کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی روایات چھوڑی نہیں جاسکتیں۔ جیسے ابن تیمیہؒ اور ابن الجوزیؒ اور اسی مزاج کے دوسرے حضرات۔

ابنِ معینؒ اور ابن عدیؒ اور نسائیؒ کا متعنت ہونا، جن کتابوں میں مذکور ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:-

ابنِ حجرؒ کی "الہدی الساری" اور انہی کی "المسدد فی الذب عن مسند احمد۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی الرفع والتکمیل اور ظفر الامانی۔ حافظ سخاویؒ کی تدریب الراوی۔ مولانا لکھنویؒ نے تو نسائی اور ابنِ معین اور ابن القطان وغیرہ کے لیے تعنت کے ساتھ اسراف فی الجرح[3] کے الفاظ بھی سپردِ قلم فرمائے ہیں۔

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنا تحصیل حاصل ہی ہوگا کہ ابن سعدؒ کے بارے میں ابنِ معینؒ کی جرح اور بے اطمینانی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی جب کہ بہت سے استادانِ فن کھل کر تعدیل و توثیق کررہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یوں تو دنیا میں کوئی کتاب سوائے کتاب اللہ

---

[1] تعنت کہتے ہیں جرح میں شدت اور عجلت کو۔ متعنت وہ شخص جو کسی راوی پر جرح کرنے میں سخت گیر اور بے درد ہو۔ [2] تعدیلِ ثقات یعنی معتبر لوگوں نے عادل قرار دیا ہو۔ [3] جرح میں فضول خرچی کی حد تک فیاض۔

کے ایسی نہیں جس کا حرف حرف وحی ہو۔ لیکن اعتبار غالب حال ہی کا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ نسائی رح کو یہ جانتے ہوئے بھی "صحاح ستہ" میں رکھا گیا کہ اس میں بہت سی روایتیں معتمد فیہ نہیں ہیں[1] اسی طرح طبقات ابن سعد رح کی ہر ہر روایت کو تو قطعیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا لیکن اسے ردّ کرنے کے لیے بھی قوی دلائل کی ضرورت ہے خصوصاً جب دیگر متابعات موجود ہوں تو ایک ہزار محمد میاں بھی اس کی تکذیب میں معتبر نہیں ہو سکتے۔

زیر بحث روایت کے متابعات کا حال یہ ہے کہ ابن عساکر رح نے بھی اسے اُسی امام زہری رح کے واسطے سے نقل کیا ہے جس سے ابن سعد رح کر رہے ہیں۔ محب الدین طبری رح نے بھی "الریاض النضرۃ" میں (ص ۱۴۴ ج ۲) اسے لیا ہے۔ مزید دس حوالے ہم دے سکتے ہیں مگر کیوں نہ ایک ہی حوالہ دے دیں جو اہلِ علم کے لیے بہتیرے حوالوں پر بھاری ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے متعدد ارشادات ہم نقل کر چکے ہیں۔ علم حدیث میں ان کا جو پایہ ہے، میاں صاحب کو چاہے نہ معلوم ہو مگر اہلِ علم تو جانتے ہی ہیں۔ بعض خوش عقیدہ تو انھیں اس خاص دائرے میں ان کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح سے بھی فائق مانتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہم جتاتے چلے آرہے ہیں کہ "تحفہ اثنا عشریہ" میں وہ اہلِ سنت کے وکیل ہیں اور کسی بھی ایسی روایت کو جو کسی صحابی رض کی غلطی سے مطلع کرتی ہو، حتی الوسع رد کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بس اُس وقت ایسی روایت کو درست مانتے ہیں جب دیانتہً اس کی تکذیب ممکن نظر نہ آئے۔

"تحفہ اثنا عشریہ" طعن ثالث کے جواب میں وہ مروان کو خمس دینے کی غلط سلط روایات کی تردید کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ اصل صحیح قصہ کیا تھا۔ یہ صحیح قصہ انھوں نے ایک صفحہ پر لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے خمس کو مدینے تک بھیجنا کافی دشوار نظر آرہا تھا تو عبداللہ ابن سعد نے اسے مروان کے ہاتھ ایک لاکھ اشرفیوں میں بیچ دیا۔ یہ معاملہ اُدھار رہا۔ اِدھر مدینے والے لڑائی کی ٹھیک خبر نہ ملنے کی وجہ سے متفکر تھے۔ مروان خمس لے کر پہنچا اور فتح کا مژدہ سنایا تو سب بے حد مسرور ہوئے۔ اور قدرتی بات ہے کہ ایسا مژدہ لانے والے سے بھی وہ خوش ہوئے۔ اب تک مروان سے ایسا کوئی قبیح فعل ظہور میں نہیں آیا تھا جو لوگوں کو اس سے اس حد تک بدگمان کرتا کہ اس موقعہ پر بھی وہ اسے اچھی نظر سے نہ دیکھتے۔ چنانچہ اسی خوشی کے ماحول میں حضرت عثمان رض نے وہ رقم مروان کو معاف کر دی جو اسے اسی خمس کے بدلے ادا کرنی تھی۔

یہ ہے امامِ حدیث شاہ عبدالعزیز رح کا اعتراف جو وہ اُس عدالت میں فرما رہے ہیں جہاں ان کی حیثیت صحابہ رض کے وکیلِ صفائی کی ہے۔ تنہا یہی ایک شہادت اتنی قوی ہے کہ اگر دوسری بے شمار شہادتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تب بھی مولانا محمد میاں جیسے حضرات کی طفلانہ زبان درازی اور لفاظی اسے ساقط الاعتبار نہیں بنا سکتی۔

حق یہ ہے کہ جو مواد اب تک ہم پیش کر آئے ہیں اس کے بعد "شواہد تقدس" کی مزید خرافات پر گفتگو ضروری نہیں۔ دیگ کے بیسیوں لقمے چکھا کر ہم نے آپ کو محسوس کرا دیا کہ سالن کڑوا اور متعفن ہے۔ اس کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ دیگ کا باقی سالن اس سے مختلف ہو لیکن ہم دو وجہ سے مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ عامۃ الناس کم علمی کی بنا پر بآسانی یہ نہیں سمجھ سکتے کہ چند اصولی اور بنیادی امور کی تردید سے باقی تمام فروعات کی تردید کیسے ہو گئی۔ لہٰذا ہم نے تہیہ کیا ہے کہ جو مولانا صاحب ہمارے بے شمار علمائے سلف کو جھٹلا رہے ہیں، علم و فن سے ٹھٹول کر رہے ہیں۔ ابن سعد رح جیسے بزرگوں کے لیے فتنی گالیاں گھڑ کر انھیں انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ ابن حجر رح سے منسوب کر رہے ہیں اور علمِ حدیث سے کورے ہوتے ہوئے بھی چند سنی سنائی اصطلاحات کو کمالِ بے علمی سے دُہرا کر سادہ لوح عوام کو ورغلا رہے ہیں ان کے علم و فہم کا روئے زیبا اس طرح بے نقاب کر دیں کہ وہاں ایک دھجی بھی نظر نہ آئے۔

دوسرے اس لیے کہ اس بہانے سے ہم اپنے عام بھائیو

[1] اسی کے موافق دوسری روایتیں۔ یہ عام فہم مفہوم ہے۔

کو علم حدیث کے بارے میں کم سے کم بنیادی معلومات پہنچا دیں گے جن کی تحصیل ان کے لیے کسی اور ذریعہ سے آسان نہیں۔
اللہ ہمارا والی و ناصر ہو اور پناہ مانگتے ہیں ہم اُس منحوس گھڑی سے جب ہمارے قلم سے کسی کی ضد اور دشمنی میں ایسی باتیں نکلیں جو علم کے خلاف ہوں، دین کے خلاف ہوں، عقلِ سلیم کے خلاف ہوں۔

خدا ہمارے باطن کا شاہد ہے۔ یہ ساری خامہ فرسائی ہم مولانا محمد میاں کی عداوت یا مولانا مودودی کی عقیدت میں نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہماری عداوت و محبت کا واحد محور صرف دین ہے۔ وہ دین جس کی خاطر بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے کٹ سکتا ہے۔

لیکن اس اہم موضوع کا تقاضہ ہے کہ اسے ایک ہی وقت میں پیش کیا جائے۔ یہ شمارہ اس کا متحمل نہ ہو سکے گا لہٰذا اسے اگلے شمارے پر رکھیے۔ جب تک میاں صاحب کے جمالِ صدرنگ کی اور جھلکیاں دیکھ کر دل و دماغ کو فرحت دیجئے۔

حدیثِ طحاویؒ

اب ہم ایک ایسی اہم روایت پیش کر رہے ہیں جو انشاء اللہ اہلِ علم کے لیے بھی فکر انگیز ہوگی۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ابو جعفر الطحاوی حنفیؒ کس پائے کے فقیہ و محدث گذرے ہیں۔ مگر ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمیں اپنے عام قارئین کی استعداد کا بھی خیال رکھنا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ عام ہی لوگ میاں صاحب کی بندوقِ جہالت کا آسانی سے شکار ہو سکتے ہیں۔

حدیث کی ایک کتاب ہے "شرح معانی الآثار"۔ یہ اپنے مصنف کے معروف لقب ہی سے ملقب ہو کر "طحاوی" کہلاتی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ جلدِ اول دار العلوم دیوبند میں داخلِ نصاب ہے۔ ہم جلدِ ثانی سے ایک حدیث لا رہے ہیں اس لیے طلباء کے لیے بھی شاید تحفۂ نادرہ ہو۔

لیکن اپنے عام بھائیوں کو پہلے ہم یہ بتا دیں کہ طحاویؒ کس درجے کے آدمی ہیں۔ ان کا نامِ نامی ہے احمد بن محمد ابو جعفر الطحاویؒ۔ چوتھی صدی ہجری کی پہلی چوتھائی میں انتقال فرمایا (۳۲۱ھ) ان کی دسیوں کتابیں ہیں جو اہلِ علم میں مقبول ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنی کتاب "الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مع التعلیقات" میں ان کا تعارف کراتے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ پیشِ خدمت ہے:-

(بخوفِ طوالت عربی متن حذف کر رہے ہیں۔ مکمل حوالہ سامنے ہے جس کا جی چاہے ملا کر دیکھے)۔

"امام جلیل القدر، دنیا بھر میں مشہور، نہ جانے کتنے اوراق ان کے ذکرِ جمیل سے لبریز ہیں"۔۔۔۔
"ان کی تصانیف بڑی وقیع اور معتبر ہیں"۔۔۔
"امام سیوطیؒ اپنی کتاب **حسن المحاضرہ** میں لکھتے ہیں کہ وہ حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ ثقہ تھے۔ صاحب استقامت تھے۔ فقیہ تھے۔ ان کے بعد ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا"۔
"انساب سمعانی میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ امام تھے۔ ثقہ تھے فقیہ و عاقل تھے، ان کے بعد ان جیسا کوئی نہ ہوا"۔
"مرآۃ الجنان میں یافعی کہتے ہیں کہ وہ بالغ نظر تھے حدیث اور فقہ میں"۔ سیوطیؒ، یافعیؒ اور ابنِ خلکان تینوں نے ایک ہی بات کہی ہے کہ انتھت الیہ ریاسۃ الحنفیۃ بمصر (مصر میں ان پر احناف کی ریاست ختم ہوگئی)۔
اتقانی (ان کے علم و اجتہاد وغیرہ کی تعریف کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ شرح معانی الآثار (طحاوی) کو دیکھو۔ ہمارے حنفی مذہب میں تو درکنار کیا کسی اور مذہب میں بھی (شافعی و حنبلی وغیرہ) تمھیں اس کتاب کی نظیر ملتی ہے"۔

یہ تو "فوائد بہیہ" کا خلاصہ ہوا (ص۱۸)۔ اب "تعلیقات" پر بھی نظر ڈالیے۔ مصنف مغفور حاصل بحث کے طور پر کہتے ہیں:-
"امام طحاویؒ مجتہد منتسب[1] تھے لیکن انھوں نے

[1] مجتہدینؒ کی متعدد قسمیں ہیں مجتہدِ منتسب وہ ہے (باقی برصفحۂ آئندہ)

اپنے امام کی تقلید نہیں کی، نہ اصول میں نہ فروع میں کیونکہ انھیں آلاتِ اجتہاد میسر تھے"۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی رائے "بستان المحدثین" سے (عربی ہی میں) نقل کرتے ہیں:-

"طحاوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مذہب حنفی کی تقلیدِ محض نہیں کرتے تھے بلکہ مجتہد تھے"۔

پھر آخر میں اپنی جچی تُلی رائے بیان فرماتے ہیں:-

"وہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے طبقے اور صف کے آدمی ہیں۔ قولِ صحیح یہی ہے کہ وہ ان حضرات سے کمتر نہیں تھے"۔

(التعلیقات السنیہ علی الفوائد البہیہ ص۳۱ مطبع مصطفائی)

تو اے قارئین کرام یہ ہیں امام طحاوی حنفیؒ۔ اپنی کتاب طحاوی کی جلد دوم میں صفحہ ۱۸۳ پر پوری سند بیان کرنے کے بعد روایت پیش فرماتے ہیں (ذکر بیت المال ہی کے پیسے کا ہے)۔

محمد بن اسحٰق قال سألتُ ابا جعفر فقلتُ ارأیتَ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ حیث وَلِیَ العراق وما ولی من امر الناس کیف صنع فی سہم ذوی القربیٰ قال سلک بہ واللہ سبیل ابی بکر وعُمر (رضی اللہ عنہما)۔	محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ میں نے ابو جعفر (محمد بن علی) سے ایک سوال کیا۔ میں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو علیؓ نے عراق کا والی اور وہاں کے لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بن جانے کے بعد اموالِ فےَ و غنیمت میں سے، رشتہ داروں کے حصے کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ ابوجعفرؒ بولے خدا کی قسم وہ اس معاملہ میں ابوبکرؓ وعمرؓ ہی کے طریقے پر چلے۔

(طحاوی ج ۲- مطبع مکتبہ رحیمیہ دہلی)

اس کے بعد ایک سوال کے جواب میں حضرت محمد بن علیؒ پھر قسم کھا کر کہتے ہیں:-

کرِہَ واللہِ ان یُدعیٰ علیہ بخلاف سیرۃ ابی بکرؓ و عمرؓ۔	بخدا علی رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی طرف ابوبکرؓ وعمرؓ کی راہ سے ہٹ کر چلنے کی نسبت کی جائے۔

اس کے بعد امام طحاوی بہت شد و مد سے یہ کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں حضرت علیؓ کا حضراتِ ابوبکرؓ وعمرؓ کے طریق پر چلنا تقلیداً ہرگز نہیں تھا۔ نہ ان جیسی شخصیت کے لیے شیخینؓ کی تقلید کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ تو خود اس درجے میں تھے کہ اپنی مستقل رائے رکھیں۔ چنانچہ متعدد مسائل میں انھوں نے شیخینؒ سے اختلاف کیا ہے۔ اس خاص معاملہ میں چونکہ وہ دیانتہً ابوبکرؓ وعمرؓ ہی کے مسلک اور تعامل کو حق سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔

امام شافعیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ جیسا کہ طحاوی سے بھی اور فتح القدیر سے بھی ظاہر ہے۔

اب یہاں دوسری جزئیات سے ہمیں بحث نہیں۔ دیکھنا صرف اتنا ہے کہ آخر محض شیخینؓ ہی کا ذکر کیوں؟ حضرت عثمانؓ کا کیوں نہیں۔ بالکل ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا طرزِ عمل بیت المال سے اقرباء کو دینے نہ دینے کے باب میں اگر شیخینؓ جیسا ہوتا تو انھیں مستثنیٰ رکھنے کا کوئی جواز نہ شرعی تھا نہ منطقی۔

حضراتِ ابوبکرؓ وعمرؓ بیت المال سے اپنے اقرباء کا کوئی خصوصی حصہ کبھی نہیں نکالتے تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ قرآن میں جو ذوی القربیٰ کا ذکر آیا ہے وہ بس حضورؐ کے لیے خاص تھا، اور خاص بھی ایسا کہ آپ نے تمام رشتہ داروں کو حصہ نہیں دیا بلکہ بنو ہاشم و بنو مطلب میں محدود رکھا اور وہ بھی اس لیے کہ ان دونوں خانوادوں نے قبلِ اسلام بھی اور بعدِ اسلام بھی آپ پر جان چھڑکی تھی۔ پھر کیونکر شیخینؓ اپنے رشتہ داروں کو پھوٹی کوڑی بھی دے دیتے۔ مگر سیدنا عثمانؓ کا اجتہاد اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو اجتہاد تو کرے مگر خود کو کسی امام کی طرف منسوب کرتے ہوئے۔ اور اصول اس کے اپنے بنائے ہوئے نہ ہوں۔

لے یعنی وہ صلاحیتیں اور علوم جو اجتہاد کے لیے شرط ہیں۔ ۲ جیسا کہ آپ خود حضورؐ ہی کی زبان سے سُن چکے۔

سے مختلف تھا۔ اور وہ بلاشبہ اس عظمت و رفعت کے آدمی تھے کہ اجتہاد کرتے اور جس بات کو حق سمجھتے اسی پر عامل ہو جاتے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہر اجتہادی رائے کی پیروی نہ ان پر فرض تھی نہ حضرت علیؓ پر۔ وہ ان تینوں کی طرح خلیفۂ راشد بھی تھے سابق الاسلام بھی۔ خدمتِ اسلام میں ممتاز بھی۔ حضورؐ کے محبوب بھی۔ انھوں نے اپنی فہم کے مطابق اجتہاد کیا اور فہم کے پیچھے انسانی فطرت کے میلانات و عواطف اکثر و بیشتر کارفرما ہوہی جاتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ آیتِ قرآنی عام تھی۔ حضورؐ کے لیے اس میں تخصیص کا کوئی لفظ نہ تھا۔ پھر کیونکر ان کے اجتہاد کو ذلیل کی حد تک بے بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ان کا اجتہاد خطا کر گیا ہوا ور مصیب[1] باقی تینوں خلفاء ہی رہے ہوں۔

آیئے امام طحاویؒ کی اس روایت کا مقام فقہاء کے یہاں بھی دیکھ لیں۔ زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک ہی شافی کافی مثال پیش کیے دیتے ہیں۔

امام ابن الہمامؒ کی فتح القدیر

پھر ہمیں اپنے عام قارئین سے خصوصی خطاب کرنا ہوگا ھدایہ کے بارے میں ہم بتا آئے کہ اس کی متعدد شرحوں میں تین بہت مشہور ہیں۔ بنایہ، عنایہ اور فتح القدیر۔ اور ان تینوں میں فتح القدیر سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ شارح کا نام ہے امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمامؒ (متوفی ۸۶۱ھ) ان کے درجہ و مقام کا کچھ تعارف بھی سن لیجئے۔

مولانا عبدالحیؒ لکھتے ہیں:۔

> "ابن الہمام فقہ اور اصول اور نحو و صرف اور معانی و بیان وغیرہ میں غیر معمولی قسم کے محقق تھے"
> "ان کی اکثر تصانیف میں خصوصاً فتح القدیر میں مسلک اعتدال و انصاف ہی کی جلوہ گری ہے وہ مذہبی تعصّب[2] سے دامن کش ہیں۔ ان میں کج روی نہیں پائی جاتی"۔ (الفوائد البہیۃ ص۲۴۷)۔

پھر تعلیقات میں ہے:۔

> "ابن نجیمؒ نے بحرالرائق میں انھیں اہلِ ترجیح میں شمار کیا ہے اور بعض اہلِ نظر نے انھیں اہلِ اجتہاد میں گنا ہے۔ اور یہی رائے عمدہ ہے جس پر ان کی کتابیں گواہ ہیں"۔
>
> (تعلیقات فوائد بہیہ ص۲۴۷)

یہ ہیں ابن الہمام حنفی رحؒ۔

اب ان کی فتح القدیر شرح ہدایہ چوتھی جلد کھولیئے تو کتاب السیر باب المغنم میں صفحہ ۳۲۹ پر آپ طحاویؒ کی یہی مذکورہ روایت پائیں گے جسے دورانِ بحث میں وہ لائے ہیں اور اس کے تعلق سے امام شافعیؒ کے مسلک پر فنی گفتگو کی ہے۔ اس سے یہ بات بالکل منقح ہو گئی کہ طحاویؒ کی ذکر کردہ روایت نہ صرف مضبوط ہے بلکہ اس درجہ لائقِ اعتناء ہے کہ اونچے درجے کے فقہاء اسے بنیاد بنا کر کسی بحث میں پیش کر سکتے ہیں۔

حدیث و فقہ کا اتنا بڑا دفتر بفضلہ تعالیٰ موجود ہے کہیں نہیں دکھایا جا سکتا کہ بیت المال کے سلسلے میں کسی فقیہ و محدث نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ چاروں خلفاء کا رویّہ اس کے بارے میں قطعاً یکساں تھا اور جن روایات میں حضرت عثمانؓ کے رویّہ کو خلفائے ثلٰثہ کی روش اور سیرت و تعامل سے مختلف دکھایا گیا ہے وہ غلط ہیں۔

اب اے علماءِ دین اور اے قارئین عزیز اور اے طلبائے سلیم الطبع! آپ ہی فرمایئے۔ ان بے شمار دلائل قاہرہ اور شواہد متواترہ کے باوجود اگر مولانا محمد میاں صاحب علیہ ما علیہ فقط طبری سے دو فقرے اٹھا کر اور انھیں من مانے معنی پہنا کر یہ وظیفہ رٹنے لگیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی مال کے سوا کبھی کچھ اقرباء کو نہیں دیا اور داد و دہش کے سارے افسانے مودودی کی طینتِ بد کا آوردہ ہیں تو بتایئے ایک واقفِ حال کا خون کھولے گا یا نہیں اور علم و ہنر کی یتیمی پر اسے رونا

---

[1] جس کا اجتہاد باصواب ہو۔ [2] مذہب سے مراد حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی وغیرہ مذاہبِ فقہ ہیں۔

آئے گا یا نہیں؟۔

ہم کہیں کہیں الفاظ سخت لکھ گئے ہیں اور آئندہ بھی ان سے کفِّ قلم دشوار ہی ہے۔ مگر ہمیں بھاڑ میں جھونکیے ہم نہ عالم نہ شیخ الحدیث نہ ادیب نہ استاد۔ ہمیں بدزبانی، تلخ گفتاری، ناشائستگی کا ہر الزام منظور لیکن خدا را علمِ دین کی حرمت اور علمائے سلف کی عزت کا لحاظ کرکے اُس ظلمِ فاحش اور جفائے مبین پر تو توجہ فرمالیجئے جس کا جلوۂ مکرّہ علمائے دیوبند کے ایک معروف ترجمان مولانا محمد میاں صاحب طال اللہ بقائہ نے دکھلایا ہے۔

طبریؒ کی ایک اور روایت

میاں صاحب کا طریقہ اپنی کتاب میں یہ ہے کہ طبری کے حوالے سے مختلف عبارتوں کے ٹکڑے پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور درمیان میں جو بھی روایت یا عبارت ایسی آتی ہے کہ اس سے مودودی کے موقف — یا یوں کہیے امرِ واقعہ کو تائید ملتی ہو اسے بلا تکلف چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بددیانتی کا شاہکار ہے۔ پھر ان کی جس قابلیت کے چہرے سے ہم نے نقاب الٹ کیا اس کی موجودگی میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو تراجم وہ پیش کرتے گئے ہیں خود ان میں بے شمار غلطیاں اور خیانتیں نہ ہوں گی۔

طبری کی اسی پانچویں جلد میں جس سے بے شمار عبارتیں انھوں نے پیش کیں صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر یہ روایت ملتی ہے۔ پوری سند بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے:۔

كان ربيعة ابن الحارث بن عبد المطلب شريك عثمان في الجاهلية فقال العباس بن ربيعة لعثمانؓ اكتب لي الى ابن عامر ليسلفني مأة الف فكتب فاعطاه مأة الف ووصله بها واقطعه داره دار العباس ابن ربيعة اليوم

عبدالمطلب کے پوتے ربیعہ بن حارث زمانۂ جاہلیت میں حضرت عثمانؓ کے شریک (بزنس پارٹنر) تھے۔ ان کے بیٹے عباس نے ایک دن حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ابن عامر کو آپ لکھ دیجئے کہ مجھے ایک لاکھ قرض دے دیں۔ حضرت عثمانؓ نے لکھ دیا اور وہ خط لے کر ابن عامر کے پاس پہنچے، ابن عامر نے انھیں ایک لاکھ عطا کیے، مگر قرض نہیں بطورِ بخشش۔ اور مزید برآں اپنا ایک مکان بھی ان کے نام الاٹ کر دیا۔ یہ مکان آج بھی (زمانۂ طبریؒ میں۔ تجلّی) دار العباس بن ربیعہ کے نام سے موجود ہے۔

یہ ابن عامرؓ کون تھے؟ حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی۔ جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر اور کہن سال صحابی کو ہٹا کر حضرت عثمانؓ نے انھیں بصرے کا گورنر بنایا تھا تو ان کی عمر بیس بائیس سے زیادہ نہ تھی۔ تنہا یہی بات اُس شکایت میں اضافے کا ایک معقول سبب تھی جو لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی غیر معمولی اقربا نوازی سے تھی۔

اب ان ماموں زاد کا اندازِ خسروانہ بھی دیکھیے۔ بجائے قرض کے ایک لاکھ ہدیۃً دیتے ہیں اور مکان بھی عنایت کرتے ہیں۔ مکان کی حد تک تو اعتراض نہیں کہ ان کا اپنا تھا لیکن یہ ایک لاکھ کی بخشش کم سے کم پہلے دو خلفاء کی روش سے تو جوڑ نہیں کھاتی۔ یہ ان بادشاہوں کے رویّے کے مطابق ہے جن کے لیے بیت المال بطور خزانۂ ذاتی رہا کرتا تھا۔

اگر ابوبکرؓ یا عمرؓ سے کسی قدیم شناسا نے عباس جیسی درخواست کی ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ وہ قبول فرماتے اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ ان کا کوئی گورنر بیت المال سے اس قسم کی داد و دہش کرکے اپنی کھال بچا لے جاتا۔

میاں صاحب جیسے خانہ زاد شیخ الحدیث اگر ایک لاکھ بار بھی یہ وظیفہ رٹیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے نہ کبھی بیت المال سے قرض لیا، نہ اپنے عزیزوں کو نوازا تو حقائق میں بال برابر فرق نہیں آسکے گا۔ بینائی سے محروم آدمی اگر شور مچاتا رہے کہ چاند سورج کا وجود ہی نہیں تو اس سے نہ سورج کی حرارت کم ہوگی نہ چاند کی گردش میں فرق آئے گا۔

ابنِ سعدؒ کی روایت

طبقات کی تیسری جلد صفحہ ۴۴ پر ابنِ سعدؒ پوری سند کے

ساتھ ذیل کی روایت بیان کرتے ہیں :-

امّ بکر بنت المسور کے والد نے کہا

سمعتُ عثمانَ	میں نے عثمانؓ کو یہ کہتے سنا کہ
یقول ایھا الناس	کہ اے لوگو! ابوبکرؓ اور عمرؓ تو اس
انّ ابا بکرؓ و عمرؓ کانا	مال کے سلسلے میں یہ پسند کرتے
یتأوّلان فی ھذا المال	تھے کہ خود بھی سختی جھیلیں اور اپنے
ظلف انفسھما وذوی	رشتہ داروں کو بھی افلاس کی
ارحامھما وانی تأولتُ	سختی میں رکھیں اور میں یہ پسند
فیہ صلۃ رحمی (طبقات	کرتا ہوں کہ اس میں سے رشتہ
طبع فی مدینۃ لیدن)	داروں کے ساتھ سلوک کروں۔

یہ کس مال کا ذکر ہے؟ بیت المال ہی کے مال کا تو نہ کہ اس ذاتی کمائی (صلب مال) کا جس کی رٹ طوطے کی طرح میاں صاحب لگائے جا رہے ہیں۔

ہم نے اس روایت کے ایک ایک راوی کو اسماء الرجال کی کتابوں سے جانچ لیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی راوی متروک و مردود نہیں ہے۔

سچ کہیے! کیا میاں صاحب کی مثال کنوے کے اس مینڈک کی سی نہیں ہے جو سمندر کی پہنائیوں میں گشت کرنے والی دیو پیکر مچھلیوں کو خیال ہی خیال میں منھ چڑائے اور نعرہ لگائے کہ وہ مارا!

جھوٹ در جھوٹ کا سلسلہ

عبداللہ بن سعدؓ کو (وہی جن کا زندہ رہ جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گذرا تھا) حضرت عثمانؓ نے افریقہ کا خمس الخمس دیدیا تھا اس سے اتفاقاً میاں صاحب کو بھی انکار نہیں (اتفاقاً ہی کہیے ورنہ کسی بھی ثقہ سے ثقہ روایت کو جھٹلا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بس زبان سے کہدیا کہ وہ غلط ہے اور غلط ہوگئی!) مگر اس سے چونکہ اسی حقیقت کی تائید ہو رہی تھی کہ حضرت عثمانؓ اقرباء کو بیت المال سے نوازتے رہے اس لیے میاں صاحب نے بلا تکلف جھوٹ کا طومار باندھا :-

"(نفل یعنی حوصلہ افزائی کے لیے مجاہدین سے کسی انعام کا وعدہ کرلینا کوئی نئی بات نہیں تھی بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے۔ اسی اصول اور رائج شدہ قاعدے کے بموجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو فتح افریقہ کے لیے روانہ فرمایا تو ان سے خمس الخمس کا وعدہ فرمالیا تھا" ص ۱۶۹۔

اس عبارت میں جتنے بھی دعوے کیے گئے ہیں ان کے لیے کوئی حوالہ میاں صاحب نے نہیں دیا۔ سارے دعوے گھر کی چارپائی پر بیٹھ کر گھڑے گئے ہیں۔ ایک ایک بات۔ حضرت عثمانؓ کی طرف جو قول اس عبارت میں منسوب کیا گیا ہے وہ بھی میاں صاحب کا من گھڑت ہے۔

طبری میں حضرت عثمانؓ نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ حضورؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے بلکہ یہ ہے کہ میں اپنے ذاتی مال سے بھی رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں اقرباء کو بڑی بڑی رقمیں دیتا رہا ہوں[1]۔

دیکھا آپ نے فرق۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ میاں صاحب روایات کے ترجمے اور شرح میں کتنے ایماندار ہیں۔ بغیر کسی جھجک کے انھوں نے حضرت عثمان رضؓ کے ارشاد کا مفہوم بدلا اور اس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ کے کردار سے وہ بات منسوب کردی جو صریحاً کذب ہے۔ کسی بھی کتاب میں وہ دکھائیں کہ حضورؐ نے یا ابوبکرؓ و عمرؓ نے کسی سالارِ لشکر سے یہ وعدہ کیا ہو کہ تم فلاں میدان سَر کرلو تو تمھیں یہ انعام دیں گے۔

جہاں تک حضورؐ کا تعلق ہے وہ اجازتِ قرآنی کے مطابق اپنے اقرباء کی مالی امداد فرماتے تھے اور وہ بھی سب کی نہیں صرف بنو ہاشم اور بنو مطّلب کی۔ ان دو کے علاوہ مزید دو قبیلے

---

[1] اصل الفاظ یہ ہیں :- ولقد کنت اعطی العطیۃ الکبیرۃ الرّغیبۃ من صُلب مالی ازمان رسول اللہ وابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما (طبری ج ۵ ص ۱۰۳)

تھے جن کی قرابت حضورؐ سے ٹھیک ایسی ہی تھی جیسی ان سے۔
بنو نوفل اور بنو عبد شمس۔ حضورؐ کے جدِّ ثالث کا نام عبدالمناف تھا۔ نوفل اور عبد شمس بھی اسی طرح ان کی اولاد ہیں جس طرح ہاشم اور مطّلب لیکن نہیں دکھایا جاسکتا کہ چاروں قبیلوں کو حضورؐ نے داد و دہش سے نوازا ہو۔ کیوں؟ اللہ کے رسولؐ خود فرماتے ہیں کہ:

انهم لم یزالوا	یہ بنو ہاشم اور بنو مطلب
معی هٰکذا فی الجاهلیة	اسلام اور جاہلیت دونوں میں
والاسلام وشبّك	میرے اس طرح ساتھ رہے ہیں
من اصابعہ (کشف	جیسے — یہ کہتے ہوئے حضورؐ
الاستار حاشیة الدّر	نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے
المختار۔ باب المغنم	ہاتھ کی انگلیوں میں اس طرح دیں
ص ۳۴۴ وکذا فی العنایہ	جس طرح پنجہ کشی میں دی جاتی
شرح الهدایه	ہیں۔ (کشف الاستار ص ۳۴۴ وعنایہ)

تاریخ شاہد ہے کہ جب قریش حضورؐ کو مار ڈالنے کے درپے تھے تو انھیں دونوں قبائل نے حضورؐ کی پشت پناہی کی تھی۔ بس اس لیے حضورؐ نے انھیں نوازا۔

ایسا کوئی واقعہ تاریخ سے پیش نہیں کیا جاسکتا جس میں حضورؐ نے کسی سالار سے یہ وعدہ فرمایا ہو کہ تم اگر فلاں میدان سَر کرلو تو تمھیں یہ خصوصی انعام دیا جائے گا۔ ایسا آپ فرما کیسے سکتے تھے۔ غنیمت کی تقسیم تو قرآن نے متعین کردی۔ ایک سپاہی جس نے کوئی زخم نہ کھایا ہو نہ کسی دشمن کو زخم پہنچا سکا ہو اگر شریکِ جہاد ہے تو مالِ غنیمت سے اس کا حصہ ٹھیک وہی ہے جو دوسرے ان مجاہدین کا ہے جنھوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہوں اور جسم پر بیسیوں زخم کھائے ہوں۔ الّا یہ کہ دورانِ قتال میں مجاہد اپنے مدِّمقابل کو قتل کرکے اس کے ہتھیار وغیرہ پر قابض ہوجائے، مگر اس میں بھی تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے۔

اسی طرح ابوبکرؓ و عمرؓ کی سوانح میں کوئی واقعہ نہیں دکھایا جاسکتا کہ بڑے بڑے انعامات کا وعدہ تو الگ رہا کسی چھوٹے سے چھوٹے انعام کا وعدہ بھی انھوں نے محاذِ جنگ کی طرف جاتے ہوئے کسی سالارِ لشکر سے کیا ہو۔

اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد سے پیشگی وعدہ فرمایا تھا۔ میاں صاحب کوئی ٹوٹی پھوٹی ہی روایت کہیں دکھلائیں۔ یہ تو بڑی ہی ڈھٹائی اور بے ایمانی کی بات ہے کہ جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے۔ آخرت کی جوابدہی سے اس درجہ تو لاپرواہ نہیں ہوجانا چاہیئے۔

قارئین دیکھ لیں کہ ایک سانس میں کتنی جھوٹی باتیں یہ بزرگ کہتے چلے گئے ہیں۔ ابوبکرؓ و عمرؓ نے بیت المال سے اگر نوازا ہے تو آقاؐ کے اقربا کو نوازا ہے جو ہدایتِ قرآنی اور اسوۂ رسولؐ کے عین مطابق ہے۔ اپنے اقربا کو انھوں نے خلافِ اصول پھوٹی کوڑی نہیں دی اور کسی جرنیل سے انھوں نے کوئی خصوصی وعدۂ انعام نہیں کیا حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ان کے جرنیلوں کی خارا شگاف تلواروں نے کیسے کیسے پہاڑ کاٹے ہیں۔ وہ خالد بن ولیدؓ جن کے جسم کا کوئی رخ زخم کے نشان سے خالی نہ تھا، انھیں بھی وہاں تو کوئی خصوصی انعام نہیں ملا۔ نہ کسی میدان کے لیے پیشگی وعدۂ انعام سے مشرف ہوئے۔

امام سرخسی حنفی کیا کہتے ہیں

مالِ غنیمت کے سلسلہ میں حضورؐ کا فیصلہ کیا ہے؟ اسے مختصراً دیکھ لیجئے۔ المبسوط میں امام سرخسیؒ حنفی لکھتے ہیں:۔

لما سُئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الغنیمة الخ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس میں ایک حصہ اللہ کا ہے اور چار مجاہدین کے۔ اس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا غنیمت کی کسی چیز پر کسی مجاہد کو دوسرے مجاہد کے مقابلہ میں زیادہ حق بھی ہے؟۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں حتیٰ کہ اگر میدانِ جہاد میں کوئی تیر تیرے پہلو میں ترازو ہوجائے اور تو اسے پہلو سے نکالے تو اس تیر میں بھی تیرا حق تیرے شریکِ جہاد ساتھی سے زیادہ نہیں ہے۔ (المبسوط جلد عاشر صفحہ ۱۳۶۔ باب الآخر فی الغنیمة۔ المطبعة السعادہ۔ مصر)۔

اس کے بعد امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:۔

ولان السبب الخ (ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ مالِ غنیمت کا استحقاق صرف اُس قوت و جبروت کی بنا پر ہے جس کی وجہ سے دین کو عزت ملتی ہے اور ایک عام سپاہی اس معاملہ میں ممتاز

اور ذی منصب مجاہدین کے مساوی ہے)۔

تعالیٰ اللہ جس تیر نے آپ کو لہولہان کر دیا اور اسے بدن سے کھینچنے میں بھی آپ ہی نے محنت کی اس پر بھی آپ کا حق دوسرے تمام شریکِ جہاد ساتھیوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں ہے۔ وہ چار پیسے کا تیر بھی آپ اموالِ غنیمت میں جمع کریں گے اور جمع کرنے سے پہلے ختم ہوگئے تو دوسرے لوگ اسے غنیمت کے ڈھیر میں رکھدیں گے اور تقسیم کے وقت یہ بھی مجموعی حساب میں شامل ہوجائے گا۔ امام سرخسیؒ کی تصریح کے مطابق یہاں بڑے سے بڑا صف شکن اور صاحب تدبیر اور منصب دار دوسرے کے مساوی ہے جس سپاہی نے ایک بھی دشمن کو ہلاک نہیں کیا، ایک بھی زخم نہیں کھایا۔ بس شاملِ لشکر ہے۔ اس کا حصہ وہی ہے جو اُس زبردست فوجی افسر کا ہے جس کی تدبیر یا شجاعت دشمن کو زیروزبر کرکے رکھدے۔ یا جس کی تلوار نے بیسیوں گردنیں اڑا دی ہوں۔

ہاں ایک چیز اور ہے جسے اصطلاحِ فن میں نفل اور تنفیل کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ امام کسی طرف سریہ (رجمنٹ) بھیجے اور جب وہ کامیاب ہوکر مالِ غنیمت ساتھ لائے تو امام خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں کو بالکل برابر نہ بانٹے بلکہ کسی ٹکڑی یا شخص کو کچھ زیادہ دیدے۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ نے نجد کی طرف چار ہزار کا لشکر بھیجا تھا۔ اسے کامیابی ہوئی تو بہت اونٹ ہاتھ لگے۔ ہر ایک مجاہد کے حصہ میں بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ آئے۔ مگر حضورؐ نے پندرہ آدمیوں کی اُس ٹکڑی کو جس میں اس حدیث کے راوی ابنِ عمرؓ شامل تھے، مزید ایک ایک اونٹ دیا (مؤطا امام مالک۔ باب جامع النفل فی الغزو)۔

اس تنفیل کی بحث انشاء اللہ فن حدیث کے ذیل میں فتح القدیر وغیرہ کے حوالے سے آرہی ہے۔ یہاں اتنا ہی سمجھئے کہ تنفیل کوئی قاعدۂ شرعیہ نہیں ہے۔ امام کی مرضی پر موقوف ہے۔ یہاں ۱۵ اونٹ بچ گئے تھے تو چار ہزار میں کیسے بٹتے۔ بہرحال یہاں مختلف مسالک فقہیہ کو چھوڑیئے۔ بتانا صرف اس قدر ہے کہ نفل کوئی پیشگی وعدہ نہیں پیشگی وعدے کی ایک شکل اور ہے جسے فقہاء نے بایں طور بیان کیا ہے کہ امام اگر مناسب سمجھے تو کسی سریہ سے وعدہ کرسکتا ہے کہ اگر تم نے فلاں میدان سر کرلیا تو مالِ غنیمت سے بیت المال کا حصہ (خمس) نکالنے کے بعد تمھیں چوتھائی یا آدھا یا سارا دے دیا جائیگا (گویا تمام لشکر میں نہیں بٹے گا بلکہ تمہاری ہی رجمنٹ کو مل جائے گا) یہ بھی اختلافی ہی مسئلہ ہے تاہم یہ طے ہے کہ اس میں بھی فقط سالار کو سب کچھ یا بہت زیادہ نہیں مل جاتا۔ حالانکہ یہی نکتہ یہاں معرضِ بحث ہے۔

ایک شکل زیادہ استحقاق کی اس حدیثِ رسولؐ کے تحت پیدا ہوتی ہے جو سوائے نسائی کے پانچوں صحاح میں اور مؤطا امام مالک میں موجود ہے کہ من قتل قتیلاً فلہ سلبہ (جس نے میدانِ جہاد میں مدِّمقابل کو قتل کیا مقتول کے ہتھیار وغیرہ اسی کے ہیں)۔ بشرطیکہ وہ گواہ رکھتا ہو۔ شوافعؒ کے نزدیک حضورؐ کا یہ ارشاد ایک قاعدۂ کلیہ ہے مگر احنافؒ کے نزدیک ایسا نہیں بلکہ یہ بھی امام ہی کی مرضی پر موقوف ہے جیسا کہ موقع پر ہم تفصیل بتائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ امتیاز کی جتنی بھی شرعی شکلیں ہیں ان کا کوئی تعلق اُس غلط دعوے سے نہیں ہے جو میاں صاحب نے کیا ہے اور اسے بلا دلیل حضرت عثمانؓ کی طرف بھی منسوب کر دیا ہے۔

زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بہت ہی خاص حالات میں امام ضروری سمجھے کہ فلاں سریے یا لشکر کے سالار کو خصوصیت کے ساتھ کسی پیشگی وعدے سے نوازنا ہے تو وہ تنہا اپنی صوابدید پر یہ کام نہیں کرسکتا بلکہ شوریٰ کا اتفاقِ رائے حاصل کرنا ہوگا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کو وہ انعام واپس لینا پڑا جو عبداللہ بن ابی سرح کو دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس کے لئے کوئی پیشگی وعدہ آپؓ نے ہرگز نہیں کیا تھا۔ لیکن اگر کیا ہوتا تب بھی وہ قواعدِ شرعیہ کے دائرے سے باہر ہی ہوتا اور صحابہؓ کے اعتراض پر وہ مسترد ہوجاتا۔

ہم سے پوچھیئے تو حضرت عثمانؓ کے اجتہاد کی شرعی بنیاد دو امور تھے۔ ایک تو حضورؐ کا بنوہاشم و بنومطلب کی مالی مدد کرنا اور دوسرے بعض مواقع پر تنفیل فرمانا۔ پھر آیتِ قرآنی سامنے موجود تھی آیت اور حضورؐ کے عمل پر قیاس کرکے اگر انھوں نے بیت المال سے

وہ معاملہ کیا جو ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں کیا تھا، تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اجتہاد میں وہ مصیب نہ رہے ہوں۔ نتائجِ سیاسیہ کے اعتبار سے ان کا طرزِ عمل نقصان دہ ہوا لیکن خیانت اور گناہ کا سوال اس معاملے کی حد تک کہاں پیدا ہوتا ہے۔

یہ تو میاں صاحب کے اور ان جیسے بعض اور حضرات کے ذہنوں کا ــــ خطا معاف مراق ہے جو انھیں حقائقِ ثابتہ اور علم و خبر سے بہت دُور لے گیا ہے۔ وہ الٹی سیدھی باتیں کرکے قطعیات پر زبان درازی کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ کسی اللہ کے بندے کو مطعون کر سکیں، ورنہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے۔

بےسروپا

مودودی نے لکھا تھا:-

"یہ تمام واقعات اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت بہم پہنچاتے ہیں کہ فتنہ کے آغاز کی اصل وجہ وہ بے اطمینانی ہی تھی جو اپنے اقربا کے معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی وجہ سے عوام اور خواص میں پیدا ہوگئی تھی، اور یہی بے اطمینانی ان کے خلاف سازش کرنے والے فتنہ پرداز گروہ کے لیے مددگار بن گئی۔ یہ بات تنہا میں ہی نہیں کہہ رہا، بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے محققین یہی کہہ چکے ہیں۔"

(خلافت و ملوکیت ص ۳۳۳)

میاں صاحب اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں:-

"اس کے بعد مودودی صاحب نے تین حضرات کے اقوال بھی نقل کیے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ہم ان حضرات کی تقلید کیوں کریں جبکہ کھلے ہوئے واقعات ہمارے سامنے ہیں جن کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اور انھیں حضرات مؤرخین کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے جن پر یہ سب حضرات اعتماد کرتے ہیں۔" ص ۱۲۷

ہم بڑے ادب سے کہیں گے کہ اے محترم شیخ الحدیث! غصّے اور تعصب نے آپ کے فہم و شعور کو بالکل ہی سرمہ بنا دیا ہے۔ اتنا بھی آپ نہیں سمجھتے کہ "تقلید" کا سوال افکار و نظریات اور افعال و کردار میں پیدا ہوتا ہے نہ کہ اخبار و اطلاعات میں۔ کسی فقہی مسئلے یا اجتہادی رائے میں آپ ابوحنیفہ کی تقلید کریں یا نہ کریں یہ آپ کی مرضی پر ہے لیکن جب کچھ لوگ ایک واقعے کی اطلاع دے رہے ہوں تو اسے درست نہ ماننا تکذیب ہے جھٹلانا ہے۔ تقلید اور عدمِ تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ناظرین ملاحظہ کریں کہ کون سے تین بزرگ ہیں جن کی شان میں یہ پھلجھڑیاں چھوڑی جا رہی ہیں۔

یہ ہیں امام ابنِ حجرؒ، محب الدین الطبریؒ اور خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ۔ مولانا انور شاہ تو دارالعلوم دیوبند ہی کے وہ استاد ہیں جن کے تبحر فی الحدیث میں دَورِ اول کے محدثین کی شان تھی۔ حافظے کا یہ عالم کہ بیس سال قبل دیکھی ہوئی کتاب کا کوئی بھی فقرہ صفحے اور بعض مرتبہ سطر کے تعین کے ساتھ زبانی سنا دیا کرتے تھے۔ وسعتِ علم کا یہ حال کہ کیا علامہ شبیر احمد عثمانی رح کیا مولانا بدرِ عالمؒ کیا دوسرے قابل تلامذہ ان کے آگے طفلِ مکتب تھے۔ بڑے سے بڑے حدیثی معمے میں پھنس گئے ہیں نہیں حل ہو پا تو انور شاہؒ کی خدمت میں چلے گئے ہیں۔ حضرت نے سنا، ایک لحظہ توقف کیا پھر علم کا دریا یوں بہایا کہ اس کا مطلب یہ ہے اس کے بارے میں فلاں کتاب کا فلاں صفحہ اور فلاں شرح کے فلاں حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔ وغیرہ ذٰلک۔

ان انور شاہ کی شرح بخاری (فیض الباری ج ۲ ص ۲۲۲) سے مودودی نے جو کچھ نقل کیا اس کا کچھ حصہ آپ بھی ملاحظہ فرمالیں:-

"پھر ان فتنوں کے بھڑکنے کا سبب یہ ہوا کہ امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں کو مناصبِ حکومت پر مقرر کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا طرزِ عمل اچھا نہ تھا۔ اس پر لوگ معترض ہوئے اور ان کی شکایات لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں مگر حضرتؓ نے ان کو سچ نہ سمجھا اور خیال کیا کہ یہ لوگ میرے رشتہ داروں سے خواہ مخواہ جلتے ہیں۔" (خلافت و ملوکیت ص ۳۳۵)۔

یہ کوئی نظری اور فقہی مسئلہ ہے یا ایک خبر۔ ایک اطلاع۔ ایک علمی شہادت۔ یہی سب ابن حجرؒ اور محب الدین طبریؒ نے اپنے الفاظ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ حد ہے کہ طبری اور طبقات کی روایتوں کے مطابق حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اس صورتِ حال سے ناراض تھے۔

مگر زعم و استکبار کی کوئی انتہا ہے کہ میاں صاحب ان سب کو جھٹلاتے ہوئے چرب زبانی کیے جا رہے ہیں کہ واقعات وہی ہیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ میں انھیں مؤرخین کے حوالے سے صحیح واقعات بیان کر چکا ہوں۔

اَلشَّرُّ اَخْبَثُ مَا اَوْعَيْتَ مِنْ زَادٍ!

حالانکہ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے صرف طبری سے۔ وہ بھی اس طرح کہ جہاں جہاں سے جی چاہا تھوڑا تھوڑا ترجمہ پیش کرتے چلے گئے۔ درمیان سے جو چاہا حذف کیا اور جتنی غیر متعلق تفصیلات چاہیں بیان کر دیں۔ حضور کی بوالفضولی کا عالم یہ ہے کہ قطعاً بے محل تفاصیل جگہ جگہ دیئے جاتے ہیں اور حوالوں کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہے وہاں کوئی حوالہ نہیں۔ جہاں ضرورت نہیں وہاں صرف یہ دکھانے کے لیئے کہ میں بھی عالم فاضل ہوں، حوالے دیدیئے ہیں۔

مثلاً صفحہ ۱۹ پر "بشرہ بالجنۃ معھا بلاء یصیبہ (ان کو جنت کی بشارت دیدو۔ ساتھ ساتھ یہ بشارت دے دو کہ ان کو ایک آزمائش میں مبتلا ہونا ہوگا")

اس کے لیئے انھوں نے بخاریؒ کا حوالہ دیا۔ پھر اگلی ہی سطر میں علیٰ بلویٰ ستصیبہ کے الفاظ لکھ کر پھر بخاریؒ کا حوالہ دیا۔ حالانکہ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس طرح نام کو تو بخاریؒ کے دو حوالے ہوگئے لیکن نفسِ بحث سے ان کا کیا تعلق۔

پھر اس کی شرح انھوں نے جو کی وہ بے محل بھی ہے اور بے تکی بھی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ ارشاد "واضح کر رہا ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ (یعنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ) کیا گیا وہ آپ کی غلطیوں کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ بہت بڑا امتحان یہ تھا کہ غیر مجرم کو مجرم گردانا گیا"۔

بے محل اس لیئے کہ حضرت عثمانؓ کے مبشّر بالجنۃ ہونے میں کیسے اختلاف ہے۔ اور بے تکی اس لیئے کہ اس حدیث سے ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اب حضرت عثمانؓ سے زندگی بھر کوئی غلطی ہوگی ہی نہیں۔ غلطی تو ہلکا لفظ ہے اس میں اس سے بھی مطلق بحث نہیں کہ کوئی گناہ سرزد ہوگا یا نہ ہوگا۔ وہ شخص یقیناً پیرِ نابالغ ہے جو عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ تصوّر رکھتا ہے کہ جنت کی خوش خبری انھیں اس لیئے دی گئی تھی کہ وہ گناہ سے بالاتر ہوگئے تھے۔ تمام شارحین بخاری میں سے اگر ایک کا بھی حوالہ میاں صاحب دے سکیں جس نے اس حدیث کی شرح میں وہ بات کہی ہو جو میاں صاحب کہہ رہے ہیں تو ہم خطِ غلامی لکھدیں گے۔

اس کی شرح صرف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ایک شدید آزمائش پہنچے گی جس کا اخروی حاصل جنت ہے۔ چنانچہ مودودی بھی کھول کھول کر کہہ چکا ہے کہ انھیں قتل کرنے والا گروہ بدترین ظالم تھا۔ اس نے بہتیرے جھوٹے الزامات لگائے اور صدر درجہ شقاوت و شرارت کا مظاہرہ کیا۔ وغیر ذالک۔

مودودی بار بار کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ مجرم نہیں تھے۔ انھوں نے کوئی فعل خیانت کا نہیں کیا۔ شریعت کے خلاف ایک قدم نہیں چلے۔ صرف اجتہادی غلطی تھی کہ اپنی فطرت کے تحت اقرباء کو اتنا نوازا کہ لوگوں کو سوءِ ظن کا موقعہ ملا۔ اسی کا نام پالیسی کی غلطی ہے۔ پھر کیا حاصل میاں صاحب کی اس طول کلامی سے۔

اسی صفحہ پر اس مشہور روایت کے لیئے کہ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو قبل از وقت شہید قرار دیا تھا۔ بخاریؒ کا حوالہ موجود ہے بھلا کون اس کا منکر تھا کہ عربی متن اور حوالہ دونوں موجود۔ نام یہ ہوگیا کہ لیجئے ایک ہی صفحہ میں تین جگہ بخاری کا حوالہ۔ مگر نفسِ گفتگو سے اس کا کوئی ربط نہیں۔

صفحہ ۲۲ پر اس معروف حدیث کے لیئے کہ "اے عثمانؓ! اللہ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا تم اسے مت اتارنا" ترمذی کا حوالہ دیا گیا — کیوں؟ — کیا مودودی مناقبِ عثمانؓ کا منکر ہے؟ کیا اس نے اس حدیث کا انکار کیا تھا۔؟ پھر یہیں اسی حدیث کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا قول ترمذی کے حوالہ سے دیا گیا کہ "میں اپنے وعدے پر جما ہوا ہوں" بھلا کیا بحث تھی اس کی متعلقہ گفتگو میں۔

صفحہ ۲۶ پر ایک بار اور ص۲۷ پر دو بار، دورِ عمرؓ کی کچھ غیر متعلقہ باتوں کے لیے "البدایہ والنہایہ" کا حوالہ ٹانکا گیا ہے ص۲۸ و ص۲۹ پر دو جگہ بخاری کا حوالہ مع متن ہے مگر دوسرے قضیوں میں۔ اسی طرح کہیں کہیں ابنِ خلدون اور ابنِ اثیر کے حوالے ہیں مگر ایسے احوال کے سلسلے میں جو موضوعِ بحث سے دُور کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔

خللِ دماغی کی انتہا یہ ہے کہ اگر مودودی نے دورانِ بحث میں یہ کہدیا تھا کہ سعید بن عاصؓ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے تو اب چلے جا رہے ہیں کئی کئی صفحے میں یہ گل افشانی فرماتے ہوئے کہ سعیدؓ ایسے تھے اور ویسے تھے۔ انھوں نے قرآن کی نقلیں کیں اور وہ سخی تھے۔ اس کے لیے بھی الاستیعاب کا حوالہ مع متن موجود۔ کیا یہ خبط کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ کیا اسے فضول گوئی نہیں کہیں گے۔ نقطۂ گفتگو حضرت سعیدؓ کی حضرت عثمانؓ سے رشتہ داری تھی۔ پھر کیا مناقب کے یہ صفحے اور یہ حوالے رشتہ داری کو ختم کر دینگے۔

قطعاً غیر ضروری حوالے جگہ جگہ ہیں اور ان میں بھی شانِ جہالت سر ابھارے بغیر نہیں رہی ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۹۶ پر بالکل بے ضرورت ابوسفیان کا قصہ لکھتے ہیں کہ وہ کنجوس آدمی تھے۔ ایک تو قصہ بے محل پھر اس پر حاشیہ دے کر بخاریؒ سے دو حوالے دیتے ہیں۔ گویا کوئی کہہ رہا تھا کہ ابوسفیان کنجوس نہیں تھے۔

اِنَّ ابوسفیان!

خیر۔ بے ضرورت طول تو "شواہد تقدس" کا وصفِ خاص ہے۔ آپ یہ دیکھیے کہ یہاں حوالہ کیا ہے۔ پہلا حوالہ یوں ہے:۔

"ابو سفیان رجل مسیک"۔ اس کا اردو ترجمہ نہیں دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ حوالہ صرف عربی دانوں کے لیے ہے۔ آگے بخاریؒ کا نام بطور حوالہ لکھا گویا یہ الفاظ اس سے نقل ہیں۔ مگر طلبا عزیز حیرت کریں گے کہ بخاری میں حرف "اِنَّ" موجود ہے اور میاں صاحب بجائے ابا سفیان کے "ابوسفیان" لکھ رہے ہیں۔ کیا نحو میر پڑھنے والا بچہ بھی ایسی غلطی کریگا۔ ہم نے بچپن میں یہ شعر پڑھا تھا آج تک یاد ہے:

اِنَّ باَنَّ، کاَنَّ لیتَ لٰکنَّ لعلّ
ناصبِ اسم اند رافع در خبر ضد ما و لا

اور لیجئے

ماشاء اللہ میاں صاحب نے مودودی کی عربی پر بھی گرفت کی ہے۔ خدا کی قدرت ہے۔ ع

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کے ایک فقرے کا مفہوم بیان کیا تھا کہ:۔

"میں ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں"۔

میاں صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"حالانکہ الفاظ یہ ہیں:۔ انا فی رھطٍ اھل عیلۃٍ و قلۃ معاش۔ طبری ج۵ ص۱۰۱۔ یعنی صرف قلیل المعاش نہیں بلکہ یہ بھی کہ صاحبِ فقر و فاقہ ہیں۔ اہل عیلۃ (صاحبِ فقر و فاقہ) اور قلیل المعاش" ص۱۹۶

خوب صاحب! گذارش میاں صاحب سے یہ ہے کہ لغاتِ عرب کی کتابیں تو دنیا سے ناپید نہیں ہوگئیں۔ مودودی کو اصلاح دینے کی کوشش مبارک فرمائی تھی تو کسی ایک لغت کا حوالہ بھی عطا کر دیا ہوتا۔ یا یہ بھی روایتوں جیسا معاملہ ہے کہ جو آپ کے جی میں آئے گا معنی لیں گے اور جس مفہوم کو چاہیں گے غلط قرار دیں گے۔

فاقہ یا فقر و فاقہ کے لیے العالۃ آتا ہے نہ کہ العیلۃ۔ فاقہ کش کو جائع اور متجوّع کہتے ہیں نہ کہ عائل۔ عَیلۃٌ کے معنی ہیں غربت، ناداری، افلاس۔ جن اہلِ زبان نے اس کا ترجمہ "فقر" کیا ہے ان کی بھی مراد فقر سے وہ نہیں ہے جس سے اُردو میں "فقیر" بولا جاتا ہے اس کی کئی دلیلیں ہیں۔ المنجد یا معجم الوسط میں آپ دیکھیں العالۃ کے معنی ملیں گے الفقر والفاقۃ مگر اسی کے متصل العیلۃ کے معنی ملینگے الفقر والحاجۃ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاقہ کشی تک نوبت پہنچا دینے والا الافقر لغۃً اور ہے اور صرف غربت و احتیاج والا افقر اور۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ الاسم العیلۃ۔ اذا افتقر۔ مگر یہ واضح کرنے کے لیے کہ فقر سے مراد غربت ہے نہ کہ فاقہ کشی اور تجوّع، شعر پیش کرتے ہیں:۔

وما یدری الفقیر متی غناہ
وما یدری الغنی متی یعیل

یعنی عَیلہ کا اطلاق جس فقر پر ہوتا ہے وہ دولتمندی کا مقابل ہے۔ جو شخص دولتمند نہیں ہے وہ فقیر (عائل) ہے[1]

دوسری دلیل قرآن میں موجود ہے۔ سورۂ والضحٰی میں فرمایا گیا وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ حضرت شیخ الہندؒ نے عائل کا ترجمہ "مفلس" کیا۔ مولانا اشرف علیؒ نے "نادار"۔ شاہ عبدالقادرؒ نے "مفلس"۔ مولانا احمد سعید (صاحب کشف الرحمٰن) نے "نادار"۔ فقیر کسی نے نہیں کیا کیونکہ اُردو میں "فقیر" جس آخری درجۂ افلاس پر منطبق ہوتا ہے وہ عَیلۃ میں متصور نہیں۔

یہاں میاں صاحب جیسے عقلا رکھٹ سے اعتراض کر سکتے ہیں کہ دیکھیے حضورؐ تو فاقے کیا کرتے تھے لیکن کسی صاحبِ فہم کو اس لغو اعتراض کی جرأت نہ ہوگی کیونکہ حضورؐ کا فقر اختیاری تھا۔ فاقے تو آپؐ آخرِ عمر تک کرتے رہے حالانکہ قرآن کی تصریح کے مطابق آپؐ کبھی کے "غنی"[2] بنائے جا چکے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عیلۃ کا اطلاق فقرِ اختیاری پر نہیں ہوتا بلکہ اس ناداری پر ہوتا ہے جو مجبوری کے قبیل سے ہو۔

جہاں تک فاقے کا تعلق ہے آقاؐ نے اُس دَور میں زیادہ فاقے کیے ہیں جب آپؐ "غنی" بنائے جا چکے تھے۔ اس سے قبل "عائل" ہونے کے زمانے میں آپؐ کا گھرانہ اتنا نادار نہیں تھا کہ دو وقت کی روٹی نہ ملتی۔ حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں بطورِ مضاربت[3] شرکت کے بعد آپؐ "غنی" ہو چکے تھے اور پھر ہجرت کے بعد تو آپؐ کے پاس لاکھوں آتے رہے، مگر آپؐ نے انھیں ایک رات بھی اپنے گھر میں نہیں رہنے دیا۔ یہی وہ فقرِ اختیاری تھا جس پر کائنات کے سارے خزانے قربان۔ فداہ امّی و ابی صلی اللہ علیہ وسلم۔

غرض جس دَور کو اللہ نے حضورؐ کا دَورِ عَیلۃ کہا ہے وہ بس دَورِ غربت ہی تھا نہ کہ دَورِ فقر و فاقہ۔ اور جہاں تک فاقے کا تعلق ہے میاں صاحب کا اپنا تراشیدہ لفظ ہے۔ کسی لغت سے وہ العَیلۃ کے یہ معنی نہیں دکھا سکتے۔ اب جبکہ عیلہ کا اردو مرادف غربت یا ناداری طے ہوگیا تو ظاہر بات ہے کہ مودودی صاحب کا ترجمہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے کافی شافی ہے۔

زیادہ سے زیادہ کچھ کہا جا سکتا تھا تو یہ کہ قلۃ معاش کے الفاظ کے ساتھ متن میں "اھل عیلۃ" کے الفاظ بھی موجود ہیں، ان کا ترجمہ کیوں نہ کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "خلافت و ملوکیت" ایک "قانونی" نوع کی کتاب ہے۔ جذباتی خروش سے خالی۔ اس میں مصنف نے ایک ایک لفظ جانچ تول کر رکھا ہے۔ ضرورت سے زائد الفاظ کا اس میں کوئی کام نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کی تقریر بہت پیارے اور پاکیزہ جذبات سے مملو تھی اسی لیے انھوں نے اپنے خاندان کی عام معاشی حالت کا اظہار دوہرے لفظوں میں کیا۔ اس کی مثال عام ہے۔ مثلاً آپ رقیق القلب آدمی ہیں تو کسی مفلس کی حالت یوں بیان کریں گے کہ بچارا بڑا غریب و نادار ہے۔ یہ ایک ہی مفہوم کے دو لفظ غریب اور نادار آپ کی جذباتی کیفیت نے کہلائے مگر جب اسی بات کو جذبات سے ہٹ کر ایک واقعے کے طور پر بیان کیا جائے گا تو صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ وہ شخص غریب ہے۔ دوسرا مرادف لفظ لانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اھل عیلۃ اور قلیل المعاش معنًی مرادف ہیں۔ مودودی لفظی ترجمہ نہیں کر رہا، بلکہ میاں صاحب کے اعتراف کے مطابق بھی مفہوم ہی بیان کر رہا ہے تو اعتراض کہاں سے نکل آیا — ہاں میاں صاحب کی شامتِ اعمال کہہ لیجیے کہ یہ اعتراض پیدا کر کے انھوں نے اپنی عربی قابلیت کا مزید ایک نمونہ فراہم کر دیا ہے۔

مقصد کیا ہے؟

---

[1] مزید اطمینان کے لیے بسہل الحصول کتبِ لغت دیکھ لی جائیں۔ مصباح اللغات۔ قاموس الجدید۔ بیان اللسان۔

[2] بعض مترجمین نے یہاں "غنی" کا ترجمہ بے پرواہ کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ مال و جاہ سے بے پرواہ تو آپؐ ہوش سنبھالنے کے وقت ہی سے تھے۔ ایسا کوئی دن آپؐ کی زندگی میں قبلِ رسالت بھی نہیں گذرا کہ مال و جاہ کی "پرواہ" آپؐ کے اندر آئی ہو۔ واللہ اعلم

[3] یعنی پیسہ حضرت خدیجہؓ کا۔ کام آپؐ کا۔ نفع میں دونوں شریک۔

یہ بھی سن لیجیے کہ اس کیڑے ڈالنے کا مدّعا کیا تھا۔ فرمایا جاتا ہے:-

"اب اگر صاحب فقر و فاقہ اور قلیل المعاش حضرت مروان ہیں کیونکہ بخشش کے سلسلہ میں انھیں کا نام لیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ یہی راوی حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ افریقہ کا خمس حضرت مروان نے پانچ لاکھ میں خرید لیا تھا (ابن خلدونؒ وابن کثیرؒ) تو یہ اہل عیلہ اور قلیل المعاش عجیب ہیں جو لاکھوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور فقیر و مسکین بھی ہیں۔" (صہ ۱۹۶ و صہ ۱۹۷)

تعجب تو خیر میاں صاحب جیسے حضرات کو ہونا ہی چاہیئے کہ عجب کا علاج سوائے علم و عقل کے کچھ نہیں مگر ان دونوں اشیاء کو وہ طلاقِ مغلظہ دے چکے ہیں۔

بہر حال شانِ دانشوری یہ ملاحظہ فرمائیے کہ اگر حضرت عثمانؓ نے اپنے خاندان کو غریب کہدیا تھا تو انھوں نے مطلب یہ نکالا کہ اب اس کا ہر ہر فرد غریب ہونا ضروری و لازم ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے ہندوستان کے ایک غریب ملک ہونے کا مطلب یہ نکالا جائے کہ یہاں کے ٹاٹا، برلا ڈالمیا سب افسانہ ہیں۔ یہاں کوئی آدمی ٹھاٹ سے دو وقت روٹی نہیں کھاتا۔ سب جانتے ہیں کہ اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے۔ امریکہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے مگر وہاں بھی غرباء موجود ہیں۔

خیر۔ اس طرح کی غلطیاں ہم کہاں تک پکڑے جائیں۔ تماشہ تو یہ کہیے کہ خمس کو اُدھار خریدنے کی روایات میاں صاحب پڑھ چکے ہیں۔ برابر وہ "خلافت و ملوکیت" میں دیکھ رہے ہیں کہ قیمت معاف کیے جانے کا تذکرہ ہے، مگر پھر بھی یہ منھ زوری ہو رہی ہے۔ لکھنے کے بعد حضور کو خیال آیا کہ ممکن ہے میری کتاب کو کوئی ایسا قاری بھی مل جائے جو ہوش و خرد سے بالکل فارغ نہ ہو اور اس کی سمجھ میں آجائے کہ تیجے تو اُدھار خریداری کی بات تھی پھر یہ کیسا اعتراض۔ یہ خیال آنے کے بعد میاں صاحب نے اپنے اعتراض کو کاٹا نہیں بلکہ اس پر یہ حاشیہ دیا:-

"کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پانچ لاکھ[ا] معاف فرما دیئے تھے۔ اگر بفرضِ محال اس کو صحیح مان لیا جائے تو معافی تو بعد میں ہوئی سوال یہ ہے کہ ایک فقیر و مسکین کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ پانچ لاکھ کا سودا کرے۔" صہ ۱۹۷

"بفرضِ محال" کی داد دیئے بغیر آگے بڑھنا بد مزاقی ہوگی حسنِ مزاق کا سرمایہ ڈاکٹر اقبال سے بہتر کہاں ملے گا۔ فرماتے ہیں ؎

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

کل تک ہم بھی محال ہی سمجھتے تھے کہ کوئی شیخ الحدیث اور صدر مفتی علم و فہم کا اس قدر بَیری ہو جائے گا، مگر آج ہم بصد ندامت سوچ رہے ہیں ع

کس حماقت میں مبتلا تھے ہم

میاں صاحب کو بتایئے کہ یہ تو فقط لاکھوں کا معاملہ تھا اگر فرض کیجیے دس کروڑ کی مالیت کا بھی ساز و سامان غریب زید کو دو کروڑ میں بایں طور ملنے لگے کہ بھائی بیچ کر پیسے چکا دینا تو "ہمت" خریدنے کے لیے اسے ولایت نہ جانا پڑے گا۔ خمس کی خرید و فروخت کا تفصیلی ماجرا ناظرین، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح کی "تحفۂ اثنا عشریہ" سے معلوم کر چکے ہیں۔

اگر مروان مفروضہ طور پر فقیر و مسکین بھی ہوتا تو یہ فقر و مسکنت اس "مفت کے سودے" میں حائل ہونے والے کہاں تھے۔ ویسے یہ میاں صاحب ہی کا دم ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے سایۂ عاطفت میں پلنے والے مروان کو "فقیر و مسکین" کہہ رہے ہیں! - زندہ باش!۔

عالی جاہ کا ایک حوالہ

ہم صفحہ　　پر "شواہدِ تقدس" کے صفحہ ۲۶۰ کی عربی عبارت

[ا] یہ ایک لاکھ اور پانچ لاکھ کا حل ان شاء اللہ آگے ملاحظہ کریں گے۔

نقل کر کے دکھا چکے ہیں کہ ترجمہ غلط کیا گیا۔ پھر ایک بار اس پر نگاہ ڈال لیجئے۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شیخ الحدیث محترم نے حوالے میں کیا کیا کمال فرمایا ہے:۔

اس عربی عبارت سے قبل انھوں نے یہ جملہ لکھا:۔

"علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں" (صفحہ ۲۶)

اس کے بعد عبارت مع ترجمہ دے کر حوالہ دیا:۔

"مقدمہ ابنِ صلاح صفحہ ۳۸"

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہوا کہ جو عبارت یا قول انھوں نے نقل کیا ہے وہ علامہ ابن عبد البرؒ کا ہے اور ابن صلاح نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر اسے ان کے قول کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

اب ذرا مقدمہ ابن صلاح اٹھا کر اس کا صفحہ ۴۵ کھولیئے صفحے کے اس فرق پر ہمیں اعتراض نہیں۔ ہوسکتا ہے باریک لکھائی اور بڑے سائز کے کسی ایڈیشن میں یہ عبارت صفحہ ۳۸ پر آگئی ہو۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ عبارت خود ابنِ صلاحؒ کی ہے حافظ ابن عبد البرؒ کی نہیں۔ انھوں نے النوع الحادی وعشرون کے تحت اسے سپردِ قلم فرمایا ہے۔ عنوان ہے "معرفۃ الموضوع"۔ آس پاس آگے پیچھے ابن عبد البرؒ کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ میاں صاحب نے یہ قطعاً غلط لکھدیا ہے کہ:۔

"علامہ ابنِ عبد البرؒ فرماتے ہیں"۔

اب ممکن ہے کہ وہ کسی پرائیویٹ مجلس میں یوں کہیں کہ عامر خبیث تو خوردہ گیر ہے۔ دراصل ہم نے یہ عبارت ابن عبد البر کی فلاں کتاب سے لی تھی اور ابن عبد البرؒ نے چونکہ اسے "مقدمہ ابن صلاح" سے نقل کیا ہے اس لیئے حوالے میں سہواً ہم سے "مقدمہ ابن صلاح" کا نام پڑ گیا۔ اس سے آخر کیا فرق پڑتا ہے۔

تعجب نہیں وہ ابن عبد البر کی کسی کتاب کا نام بھی لے دیں کیونکہ وہ جانتے ہیں تحقیق کا مرض آجکل کم سے کم اہلِ اسلام میں بہت کم پایا جارہا ہے۔ اور ممکن ہے یہ بھی کہدیں کہ کاتب یا پریس کی غلطی سے مقدمہ ابن صلاح کا نام پڑ گیا ہے۔

لیکن ہم انھیں اس فریب کا بھی موقع نہیں دیں گے۔ حافظ ابن عبد البرؒ خیر سے ۴۶۳ھ میں انتقال فرما چکے ہیں اور شیخ الاسلام تقی الدین معروف بہ ابن صلاح ایک سو چودہ سال بعد ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ دنیا کے علم میں ابھی تک ایسا کوئی طریقہ نہیں آیا کہ ایک مصنف اپنی تصنیف میں کسی ایسے عالم کا قول نقل کرے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔

پھر آخر یہ چکّر کیا ہے؟۔ ہمارا قیاسی جواب یہ ہے کہ میاں صاحب نے مقدمہ ابن صلاح سرے سے دیکھا ہی نہیں۔ نہ انھیں یہ علم ہے کہ ابن خلدون کی طرح ابنِ صلاح بھی ایک بزرگ کا نام ہے۔ کسی اُردو کتاب میں کسی نے مقدمہ ابنِ صلاح کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہوگی اور آس پاس ابنِ عبد البر کا بھی ذکر ہوگا۔

میاں صاحب نے اس کا مطالعہ کرتے ہوئے سمجھا کہ ہو نہ ہو "مقدمہ ابنِ صلاح" ابن عبد البرؒ کی کسی کتاب کا نام ہے۔ بس دیدیا وہاں سے حوالہ۔ اگر معاملہ یوں نہیں ہے تو پھر وہی بتائیں کہ اس پہیلی کا کیا حل ہے؟۔

ایک بات ہم اور بتا دیں۔ ٹھیک یہی عبارت محض برائے نام فرق سے "ظفر الامانی علی مختصر الجرجانی" میں بھی صفحہ ۴۲۵ پر آئی ہے۔ وہاں بھی ابن عبد البرؒ کے ذکر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ہمارے اس فیصلے کی تصدیق صاحب ظفر الامانی نے ضرور کردی ہے جو ہم زیرِ دست شمارے کے صفحہ ۱۳ پر کر آئے ہیں کہ لِکشفِ عوارھا ومحوعارھا میں ضمیر ھا کا مرجع موضوعات ہے وہاں وضاحت کی گئی ہے کہ ای تلک الاخبار الموضوعۃ۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ہر علمی صداقت سے عناد

کمالِ فن کی داد کہاں تک دی جائے۔ بچارے مودودی نے کہدیا تھا کہ:۔

"یہ امام زہریؒ کا بیان ہے جن کا زمانہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے قریب ترین تھا۔ اور محمد بن سعدؒ کا زمانہ امام زہریؒ کے زمانے سے بہت قریب ہے۔ ابن سعدؒ نے صرف دو واسطوں سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے"۔

بس شروع کردی میاں صاحب نے تقریر لاجواب ___

"یہ دوسرا مغالطہ ہے یا دھول جھونکنے کی دوسری کوشش ہے ۔" کئی لائنوں میں اسی طرح گرجتے برستے چلے گئے ۔ "واہ صاحب واہ یہ کوئی تعمیر ہے کہ صرف دو[1] پشتیں گذری ہیں تو ابھی مضبوط ہوگی" وغیر ذلک ص۱۸۹

انھیں کچھ خبر نہیں کہ محدثین کے یہاں کم سے کم واسطوں والی روایات کی کیا اہمیت ہے اور امام بخاری رح کس طرح اپنی ثلاثیات[1] پر ناز کیا کرتے تھے۔ ان کی صحیح بخاری میں ۲۲ ثلاثیات ہیں۔ (ان میں سے بیس حنفی شیوخ سے حاصل کردہ ہیں) امام ابو حنیفہ رح کی بہتیری حدیثیں ثنائیات[2] ہیں جن پر اہل علم بجا طور پر ناز کرتے ہیں۔ قدرداں سلف تو رباعیات[3] تک کو اشرفیوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔

قربُ الاسناد

واسطوں کی کمی کا باعثِ فخر ہونا اہلِ علم کے لیے اُمورِ ثابتہ میں سے ہے لیکن واسطہ ہمیں پڑا ہے بڑے بے ڈھب بزرگوار سے، اس لیے زیادہ نہیں تو ایک مثال ہم اور پیش کریں گے ۔

"عقود اللآلی فی الاحادیث المسلسلۃ والعوالی" شیخ شمس الدین جزری رح کی ایک تصنیف ہے ۔ یہ بزرگ نامور علماء کی شہرۂ آفاق کتاب "حصن حصین" کے بھی مصنف ہیں ۔ الجمال فی اسماء الرجال اور الہدایہ فی علوم الروایہ اور المسند فیما یتعلق بمسند احمد اور توضیح المصابیح وغیرہا بھی ان کی تصانیف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صاحب علم آدمی ہیں ۔

"عقود اللآلی" کے آغاز ہی میں حمد وثنا کے بعد اپنی کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں :-

فھذہ احادیث	پس یہ ایسی احادیث کا مجموعہ ہے
مُسَلسلات صحاح	جو متصل الاسناد ہیں، صحیح ہیں،
وحسان عوال	حسن ہیں، بلحاظِ سند درست ہیں،
صحیحۃ عشاریۃ	ایسی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
عالیۃ الشان	علیہ وسلم تک، ان میں بس دس[1]
لا یوجد فی الدنیا	واسطے ہیں۔ رفیع الشان ہیں۔
اعلیٰ منھا ولایحسن	دنیا میں ان سے اعلیٰ روایات
لمؤمن الاعراض	نہیں پائی جاتیں۔ کسی صاحب
فیھا اذ قرب	ایمان کے لیے یہ بات پسندیدہ
الاسناد وعلوہ	نہیں کہ ان سے بے تعلقی برتے
قرب من اللہ	اس لیے کہ اسناد کا قریب اور
تعالیٰ ورسولہ	بلند پایہ ہونا اللہ اور رسول صلعم سے
صلی اللہ علیہ وسلم	قرب کے مرادف ہے ۔

واقعۃً اس کتاب میں حتی الوسع صحیح الاسناد ہی احادیث جمع فرمائی ہیں مگر یہاں اس سے بحث نہیں ممکن ہے ان سے کہیں چوک بھی ہوئی ہو۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ دس راویوں کے واسطوں کو وہ خصوصیت کے ساتھ جتا کر اس پر فخر کر رہے ہیں۔

بظاہر دس[1] راویوں کا توسط زیادہ معلوم ہوگا مگر یوں سمجھئے کہ بخاری رح، مسلم رح، مالک رح اور دیگر مشہور محدثین تو پہلی دو صدیوں کی شخصیتیں ہیں۔ ان کے تعلق سے تو پانچ چھ کا توسط بھی بہت ہے لیکن شیخ جزری رح کم وبیش آٹھویں صدی ہجری کے خاتمے پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ آٹھ صدیوں میں صرف دس واسطوں سے بہ اتصالِ سند حدیث بیان کرنا یقیناً ایسا ہی ہے جیسے امام بخاری رح کا تین چار واسطوں[4] سے بیان کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی پیش کردہ احادیث کی تحسین میں وہ جہاں دوسرے الفاظ کہتے ہیں وہیں "عشاریہ" بھی کہتے ہیں یعنی صرف دس واسطوں والی۔ اور مزید زور ڈالنے کے لیے "قرب الاسناد" کے الفاظ بھی حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ سند کا عالی اور نفیس ہونا الگ خوبی ہے۔ قرب اسناد اور قلتِ توسط اس کے علاوہ ایک حسنِ خاص ہے

[1] وہ حدیثیں جن میں خود محدث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین راوی ہوں [2] صرف دو واسطوں والی۔ ویسے امام ابو حنیفہ رح بقولِ اصح تابعین رح میں سے تھے۔ [3] چار واسطوں والی۔ [4] ہمیں بخاری وغیرہ پڑھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا چاہیے کہ مثلاً بخاری کی ثلاثیات ہمارے لیے اس لیے رباعیات بن گئیں کہ فقط امام بخاری رح کا واسطہ بڑھا چھپی ہوئی کتاب (باقی ص۱۳۳)

جس پر فخر و ناز بجا۔ اور کیوں نہ ہو۔ قرب و بُعد تو اضافی چیزیں ہیں اگر آج ہم تقریباً چودہ سو سالوں بعد بیس واسطوں ہی سے کوئی حدیث پا سکیں تو یہ بات اس لئے قابلِ فخر ہوگی کہ اپنے محبوب آقا اور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس نوع کی بھی قربت غلام کو حاصل ہو جائے نعمت ہی نعمت ہے۔

مگر ہائے اب یہ زمانہ آگیا کہ ایک شیخ الحدیث آنکھیں نکال کر کہہ رہے ہیں کہ کیا بکواس ہے۔ واسطوں کی کمی بیشی سے کیا ہوتا ہے!

حالانکہ علم حدیث سے بے خبر ایک عام آدمی بھی بشرطیکہ ذہین ہو، یہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی روایت میں جتنے واسطے بڑھتے جائیں گے تحریف و تغیر کا امکان فزوں ہوتا جائے گا زید کی بات بکر اس سے سن کر کہیں بیان کرتا ہے تو بہت کم اندیشہ ہے کہ نقل میں غلطی ہو لیکن یہی بات بکر سے سن کر طلحہ کہیں بیان کرے گا تو الفاظ وغیرہ کے بدل جانے کا امکان نسبتاً زیادہ ہو جائے گا۔ اسی طرح جتنے واسطے بڑھیں گے امکانِ تغیر بڑھے گا ہر راوی کا اپنی جگہ سچا ہونا اور قصداً تبدیلی نہ کرنا بھی اس امکان کا راستہ نہیں روک سکتا۔ اسی لئے محدثینِ عظام کم سے کم واسطوں والی حدیثوں پر جان چھڑکتے تھے۔

کھلی بات ہے کہ یہ گفتگو ثقہ راویوں ہی سے متعلق ہے غیر ثقہ راوی تو ایک بھی روایت کو لے ڈوبے گا۔ ثقہ راویوں سے مروی احادیث میں کم سے کم واسطوں والی حدیثیں بالاتفاق محدثین کے یہاں محبوب و ممتاز رہی ہیں۔

کیسی روایت کس سے لی جائے

مودودی نے لکھا تھا:۔

"واقدی کے متعلق یہ بات اہلِ علم کو معلوم ہے کہ صرف احکام و سنن کے معاملہ میں ان کی احادیث کو رد کیا گیا ہے، باقی رہی تاریخ اور خصوصاً مغازی اور سِیَر کا باب تو اس میں آخر کون ہے جس نے واقدی کی روایات نہیں لیں" (خلافت و ملوکیت ص۳۱۱)

یہ ایک ایسی بات تھی جو واقفینِ علم حدیث کے یہاں ابتدائی معلومات کی فہرست میں ہے۔ ہم تو کہیں گے کہ مولانا مودودی نے واقدی کی قدح میں قدرے مبالغہ ہی کر دیا ورنہ نقطۂ اعتدال کچھ اور ہے جیسے ہم آگے "واقدی" کے مستقل عنوان سے واضح کریں گے۔

یہاں تو بس بتانا یہ ہے کہ میاں صاحب مودودی کی اس عبارت کو نقل کر کے بہت بگڑے ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے اور اسے انھوں نے طنز کے پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ لیجئے صاحب مسجد سے کونسا پیر پہلے باہر نکالیں اور غسل میں وضو پہلے کریں یا بعد میں۔ ایسے مسائل میں تو واقدیؒ کی عبارت معتبر نہ ہو لیکن حضرت عثمان رضؓ جیسے زبردست صحابیؓ کی ثقاہت و دیانت اور عزت و عظمت پر حملہ کرنے والی روایات ان کی معتبر مان لیں۔ (ص۱۹۲)

یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ میاں صاحب نے کسی مغفّل آدمی کی طرح ایک مفروضہ بنا لیا ہے کہ اقربا نوازی کی روایات سچی مان لی گئیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ حضرت عثمانؓ بد دیانت تھے۔ اس مفروضے کی لغویت ہم واضح کر چکے اور ہم کہتے ہیں کہ جو روایات اہلِ علم نے قواعدِ فن کے تحت دُرست مان لی ہیں وہ دُرست ہی ہیں خواہ ان سے کسی صحابیؓ کی طرف گناہ کا انتساب ہوتا ہو۔ آخر قرآن کی ان آیات کو کہاں لے جائیں گے جن میں انبیاء علیہم السلام کے ذنوب بیان ہوئے ہیں اور پچھلے آپ نے بخاری و مسلم کی وہ روایت پڑھی جس میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف تین کذبات کی نسبت ہے (مزید تفصیل انشاء اللہ صحابیت کی بحث میں آئے گی)۔

خیر میاں صاحب کا فسادِ خیال تو اپنی جگہ۔ ثبوت ہم اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) پڑھ لینا شئ دیگر ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ ہم نے جس استاد سے بخاری پڑھی ہے اس میں اور امام بخاریؒ میں کتنے شیوخ و اساتذہ کا توسط ہے۔ ظاہر ہے سیکڑوں ہی ہوں گے۔

پیش کرتے ہیں کہ مودودی نے یہاں جو کچھ کہا وہ ایک مسلمہ ہے جسے میاں صاحب جیسے ہزار نام نہاد شیوخ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ میاں صاحب نے اور کتابیں نہیں پڑھیں مگر تقریب التقریب تو بہرحال دیکھی ہی ہے۔ اسی کو پہلے اٹھایئے۔

ابن حجرؒ سیف بن عمر کے ترجمے میں لکھتے ہیں:۔

ضعیفٌ فی الحدیث	وہ حدیث کے باب میں ضعیف
عمدۃٌ فی التاریخ۔	ہے، مگر تاریخ کے باب میں عمدہ۔

کیا یہ بیان کرنا تاریخ کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیا کیا اور عثمانؓ و علیؓ نے کون سی روش اختیار کی۔ صاف نظر آرہا ہے کہ امام فن ابن حجرؒ کے نزدیک بھی احکام وسنن اور تاریخ وسیر کے دو الگ الگ معیار ہیں۔ جو شخص حدیث یعنی احکام وسنن والی روایات میں ضعیف ہے وہی تاریخ میں عمدہ قرار دیا جارہا ہے۔

اب آیئے ایک ایسی کتاب کی طرف جسے میاں صاحب نے شاید دیکھا بھی نہ ہو۔ چلیے اب وہ دیکھ لیں اور اس نقطۂ نظر سے دیکھ لیں کہ عامر شیطان نے اقتباسات میں کچھ خیانت تو نہیں کی ہے۔

یہ کتاب ہے مشہور محدث اور جرح وتعدیل کے امام خطیب بغدادی کی "الکفایہ فی علم الروایۃ" مصنفؒ باب التشدد فی احادیث الاحکام کا عنوان دے کر پہلے لکھتے ہیں:۔

"اسلاف میں متعدد حضرات کا موقف یہ رہا ہے کہ جو احادیث حلال وحرام سے متعلق ہوں وہ تو کسی ایسے راوی سے نہ لی جائیں جو متہم ہو (یعنی ثقہ نہ ہو) لیکن جو روایات ترغیب اور مواعظ اور دیگر اقسام کی ہیں (جن میں تاریخ وسیر بھی داخل ہیں) تمام طرح کے اساتذہ سے لے لینی چاہئیں۔"

اس کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ اسی بات کی تائید میں نقل کرتے ہیں۔ پھر ابن عیینہؒ کی تائید لاتے ہیں۔ پھر امام احمد بن حنبلؒ جیسے محتاط فی الروایۃ بزرگ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:۔

اذا روینا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والسنن والاحکام تشددنا[1] فی الاسانید واذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی فضائل الاعمال وما لا یضع حکما ولا یرفعہ تساھلنا فی الاسانید۔	جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور سنن واحکام سے متعلق کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو سند میں بہت مضبوطی کو ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن جب فضائل اعمال میں اور ایسی چیزوں میں جن سے نہ تو کوئی حکم عائد ہوتا ہو نہ کسی حکم کی نفی ہوتی ہو حدیث روایت کرتے ہیں تو سند کے معاملہ میں تساہل برتتے ہیں (ڈھیل ڈالتے ہیں)۔

پھر ابوزکریا عنبریؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

الخبر اذا ورد لم یحرم حلالاً ولم یحل حراماً ولم یوجب حکماً وکان فی ترغیب او ترھیب او تشدید او ترخیص وجب الاغماض عنہ والتساھل فی رواتہ۔	روایت اگر ایسی ہے کہ نہ تو کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتی ہے اور نہ کوئی حکم شرعی عائد کرتی ہے (بلکہ رغبت دلانے یا ڈرانے یا شدت ورخصت کے مضمون پر مشتمل ہے) تو اس سے چشم پوشی واجب ہے اور اس کے راویوں کے سلسلہ میں ڈھیل دینی چاہیئے۔

(کتاب الکفایہ صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن)۔

یہ تو اصولی وضاحت ہوئی۔ اب ایک تمثیلی ثبوت بھی ملاحظہ ہو۔ ہدایہ کی اہمیت آپ معلوم کرچکے[2]۔ اس کے مسائل کن احادیث پر مبنی ہیں یہ دکھانے کے لیے امام زیلعی حنفیؒ نے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے "نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ"۔ خود امام زیلعیؒ کا کیا پایہ اہل علم میں ہے ذرا پہلے اسے بھی سن لیجئے۔

---

[1] ہم نے تشددنا کے بجائے شددنا کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ نسخۂ استنبولیہ میں شددنا ہی ہے جو ہماری ناقص رائے میں زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

[2] اہل علم معاف فرمائیں ان سے خطاب نہیں ہے۔ اپنے عام قارئین سے ہے۔

مولانا لکھنوی مغفور "الفوائد البہیہ" میں لکھتے ہیں:-

كان من علماء الاعلام وبرعَ في الفقه والحديث مات سنة ٧٦٢ھ له تخريج احاديث الهداية وغيره.

زیلعیؒ بہت اونچے علماء میں سے ایک تھے اور حدیث وفقہ دونوں میں انھیں امتیازی شان حاصل تھی ۷۶۲ھ میں انتقال کیا انھوں نے ہدایہ وغیرہ کے مسائل سے متعلق احادیث کی تخریج کی ہے[۵]

مولانا رحؒ مزید فرماتے ہیں:-

وتخريجه شاهدٌ على تبحره في فن الحديث و اسماء الرجال ووسعة نظره في فروع الحديث الى الكمال وله في مباحث الحديث انصاف لايميل الى الاعتساف

اور ان کی تخریج فنِ حدیث اور فن اسماء الرجال میں ان کے تبحر کی شاہد اور علمِ حدیث کی تمام شاخوں میں تاحدِّ کمال ان کی وسعتِ نظری کی گواہ ہے۔ اور حدیث کے مباحث میں ان کے اندر انصاف پایا جاتا ہے۔ وہ تعصب اور خود رائی کی طرف مائل نہیں ہیں۔

(الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ مع التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیۃ ص۹۵ مطبع مصطفائی ۱۲۹۳ھ)۔

تو یہ ہیں امام زیلعی حنفی طاب اللہ ثراہ۔ کھلی بات ہے کہ ہدایہ کی تخریج میں وہ گری پڑی روایات نہیں لا سکتے۔ یہ تو احکام و مسائل کا معاملہ ہے۔ ویسے بھی ان کے پیشِ نظر اس پروپیگنڈے کی تکذیب ہے کہ "فقہ حنفی زیادہ تر قیاسات کا مجموعہ ہے"۔ کمزور روایات سے استدلال کرکے وہ معترضین کو گرفت کا موقعہ کیسے دیتے؟۔

اس تفصیل کے بعد ان کی "نصب الرایہ" کی تیسری جلد کھول کر کتاب السیر نکالیے۔ اس میں فقط چند صفحات کے اندر آپ کو بلا تکلف واقدی رحؒ کی روایات سے استدلال ملے گا۔

مثلاً صفحہ ۴۰۳ پر روی الواقدی فی کتاب المغازی

ص۴۱۹ پر روی الواقدی فی المغازی۔

ص۴۱۷ پر رواہ الواقدی فی المغازی۔

ص۴۲۰ پر روی الواقدی فی کتاب المغازی۔

ص۴۲۳ پر رواہ الواقدی فی کتاب المغازی وغیرہا۔

حتیٰ کہ ص۳۹۵ پر انھوں نے بخاریؒ و مسلمؒ کی روایت کی شہادت میں واقدی کی روایت پیش کی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ زیلعیؒ کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں بلکہ ہدایہ میں بیان کیے گئے مسائلِ شرعیہ پر احادیث کا برہان پیش کرنا ہے۔ وہ "فقہ" کے زیرِ عنوان کلام کر رہے ہیں۔ انھیں احکامِ فقہیہ کی مضبوطی دکھلانی ہے۔ اس کے باوجود وہ بغیر کسی تامّل کے واقدیؒ کی روایات پیش کیے چلے جاتے ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ مغازی و سِیَر کے دائرے میں فقہائے اعلام کے نزدیک واقدی حجت ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی روایات سے ان احکامِ شرعیہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے جن کا تعلق جہاد، غنیمت، فَے، خراج، جزیہ اور غدر و صلح وغیرہ سے ہے۔

(یہاں یہ لطیفہ بھی سن لیجئے کہ ابنِ سعدؒ کی جس سند میں میاں صاحب نے اس لیے کیڑے ڈالے ہیں کہ وہ واقدیؒ کے واسطے سے بیان ہوئی ہے، ٹھیک وہی سند ہمیں نصب الرایہ جلد ۳ میں صفحہ ۴۰۶ پر موجود ہے۔ اس کی مفصل تفہیم ان شاء اللہ آگے "فنِ حدیث" کے زیرِ عنوان آرہی ہے)۔

اب ہمیں کوئی بتائے کہ مودودی نے کون سی نرالی بات کہدی تھی جو میاں صاحب آپے سے باہر ہوگئے۔ یہ مثال تو ہم نے تفصیلاً اس لیے پیش کی کہ فقہاء کا موقف سامنے آجائے جو کمزور روایات سے دُور بھاگتے ہیں۔

رہیں اجمالی مثالیں تو کیا حافظ ابن حجرؒ کیا ابن اثیرؒ کیا طبریؒ، کیا بلاذریؒ کیا ابن کثیرؒ سب تاریخ و مغازی وغیرہ میں واقدیؒ کی روایات استعمال کرتے ہیں۔ اور کریں کیوں نہ تاریخ کے لیے بھی اگر وہی کسوٹی استعمال کی گئی جو احکام و سُنن اور عقائد و ایمانیات کی روایات کے لیے موزوں ہے تو سلسلہ

[۵] ہدایہ کے مسائل کے لیے وہ احادیث تلاش کرکے لائے ہیں۔ یہی مطلب ہے تخریج کا۔

تاریخ کی صرف تھوڑی سی ٹوٹی پھوٹی بے ربط کڑیاں ہاتھ میں رہ جائیں گی اور جو سلسلۃ الذہب اُمّت کے حال و مستقبل کو ماضی سے مربوط کرتا ہے اس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

فاعتبروا!

طبریؒ کی ایک روایت مودودی نے بطور متابع بیان کی تھی جو یہ ہے۔

"افریقہ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے وہاں کے بطریق سے تین سو قنطار سونے پر مصالحت کی تھی۔ فامر بہ لآل الحکم۔ پھر حضرت عثمانؓ نے یہ رقم الحکم، یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم دیا"

اس پر فرماتے ہیں کہ:-

"اس بیان کو نقل کرنے میں مودودی صاحب نے کمال یہ کیا ہے کہ اس بیان کا آخری لفظ جس سے روایت کا بوگس اور متضاد ہونا ثابت ہو وہ نقل ہی نہیں کیا۔ قلت اولمروان قال لاادری" ص ۱۹۴

یعنی مولانا مودودی بھی میاں صاحب ہی کی طرح غیر ضروری چیزیں نقل کرتے چلے جاتے تو یہ خوبی کی بات ہوتی۔ اس متروکہ ٹکڑے کا مطلب یہ ہے۔ اور خود میاں صاحب نے بیان فرما دیا ہے کہ جب روایت بیان کرنے والے سے دریافت کیا گیا کہ آلِ حکم سے کون مراد ہے، کیا خاص مروان کو یہ رقم دی گئی تھی؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ میرے علم میں نہیں۔

بتائیے اس میں تضاد کیا ہوا۔ ایک شخص کو بس اتنا معلوم ہے کہ فلاں رقم فلاں خاندان کو دی گئی۔ یہ نہیں معلوم کہ براہِ راست مروان کو دی گئی یا کسی اور کو؟۔ تو وہ لاعلمی کے سوا کس چیز کا اظہار کرے گا۔ اس اظہار سے یہ کیسے نکلا کہ رقم دینے ہی کی خبر غلط ہے۔ اس متروکہ ٹکڑے کا تو نفسِ مدعا سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ مدعا صرف رقم دینے کا اثبات ہے۔ پھر بھلا مودودی صاحب بےضرورت ٹکڑے کو نقل کر کے کیوں جگہ برباد کرتے۔ ان کی زیرِ بحث کتاب تو ایک ایسی قانونی کتاب ہے جس میں کوئی فقرہ کسی بھی جگہ زائد نہیں۔ نہ وہ میاں صاحب کی طرح جگہ جگہ جذبات کی شاعری فرماتے ہیں۔ نہ غیر متعلق تفصیلات میں وقت برباد کرتے ہیں۔

اور عقل دشمن شیخ الحدیث نے اس روایت کو بھی ان روایات کے "تضادات" میں شامل کر لیا ہے جن کا الگ مستقل روایت ہونا کسی تصریح کا محتاج نہیں۔

مزید در مزید ایک اختلاف یہ بھی بیان کیا کہ یہ تو پانچ لاکھ کے بجائے تین سو قنطار رہ گئے۔ بڑے طنطنے سے فرمایا:

"تین سو قنطار کتنا بھی ہوتا ہو، پانچ لاکھ نہیں ہوتا۔" صفحہ ۱۹۵ سطر ۳۔

بھلا یہاں ان پانچ لاکھ کا سوال کہاں پیدا ہو گیا جو خمس ادھار خریدنے والی روایت سے متعلق تھے۔

مگر ٹھہریئے ہم ہر رُخ سے میاں صاحب کا نقاب اُلٹیں گے۔ تحقیق کی تو ان صاحب نے قسم کھا رکھی ہے۔ معمولی فہم کا آدمی بھی خیال کر سکتا تھا کہ قنطار عربی لفظ ہے، لاؤ لغت دیکھو تو پھر "مصباح اللغات" تو دِلّی ہی میں چھپی ہے۔ اسے اٹھا کر دیکھتے تو صفحہ ۱۰۷ پر قنطار کا وزن مل جاتا۔ سَو رطل۔ رطل بھی نہیں جانتے تھے تو ذرا کی تختی کھول لیتے۔ معلوم ہو جاتا کہ ایک رطل چالیس تولے کا ہوتا ہے (ص ۲۹۵)۔

اب اگر علم حدیث کی طرح حساب میں بھی بےبس تھے تو محلّے کے کسی دوکاندار ہی سے کہہ دیتے کہ بھائی چالیس کو سَو سے اور پھر حاصل ضرب کو تین سو سے ضرب دے کر بتاؤ کیا بنا؟ وہ منٹ بھر میں بتا دیتا کہ بارہ لاکھ تولے یعنی اسّی کے تول سے پندرہ ہزار سیر یا تین سو پچھتر من۔

بھلا کیا چیز؟ — سونا — ذہب۔ اصل اور ترجمے دونوں میں موجود۔ آج کل تو دو سو روپے تولہ سے اوپر ہے میاں صاحب بتائیں اُس زمانے میں کیا بھاؤ لگائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں ڈِیڑھ روپے تولہ میں تو اعتراض نہ ہوگا۔ تو چوبیس لاکھ روپے بنے۔ پھر دینار تو شاید بھی جانتے ہیں کہ سونے کا سکّہ تھا۔ میاں صاحب نہ مانیں تو کفیں بیان اللسان (عربیؔ اُردو)

ڈکشنری جو ہر جگہ دستیاب ہے) کھول کر صفحہ ۲۵۹ دکھائیے وہاں ملے گا "ایک طلائی سکّہ"! طلائی کا مطلب بھی وہ نہ سمجھتے ہوں تو انھیں کسی پرائمری اسکول میں داخلہ دلوائیے اور ہاتھوں ہاتھ بتا دیجئے کہ بھائی "طلائی سکّہ" سونے کے سکّے کو کہتے ہیں۔ اگر اسے ساڑھے چار روپے کا بھی لگایا جائے تو چوبیس لاکھ روپوں کے کم وبیش پانچ لاکھ دینار بن جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پانچ لاکھ دینار والے راویوں نے آنہ پائی سے تو بتایا نہ ہوگا کہ دس بیس کم یا زیادہ!

آپ کہیں گے سنجیدہ تنقید کی جگہ ہم نے تفنن شروع کر دیا — آپ ہی بتائیے ہنسیں نہیں تو کیا روئیں — رو بھی لیتے مگر کہاں تک۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ تحقیق کا مادہ میاں صاحب میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ ایک غریب آدمی کو اچانک ایک لاکھ کی لاٹری مل گئی تھی۔ بچارا ہوش کھو بیٹھا۔ غالباً میاں صاحب بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ حضرت عثمان رضؓ کسی کو پانچ لاکھ دینار جیسی خطیر رقم بخشش دیں — حالانکہ یہ وہ دور تھا جب مفتوحہ ممالک سے حاصل شدہ اموالِ غنیمت اور اموالِ فئے نے سلطنت میں نہ جانے کتنے لکھ پتی پیدا کر دیئے تھے۔

ممدوح کی درایتِ عظیمہ نے جتنے نوادرات پیدا کیئے تھے ان کا تعارف ہم کرا چکے مگر ان کی "روایتی" تنقید کا جائزہ لینے سے قبل درایت ہی کا ایک اور نمونہ پیشِ خدمت کر دیں۔

آپ نے طبری کی ایک روایت پکڑ رکھی ہے اور بار بار اسے دہرا کر دوسری ہر روایت کو بلا تکلف جھوٹ قرار دیتے چلے جا رہے ہیں۔ روایت یہ ہے:-

> "جہاں تک ان کو دینے کا تعلق ہے تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے مال میں سے دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال نہ میں اپنے لیئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لیئے۔ طبری۔
> (شواہد تقدس ص۱۸۱ وغیرہ)

آپ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ بیان ہر اُس روایت کو جھٹلانے کے لیئے کافی ہے جس میں بیت المال سے کسی عزیز کو کچھ دیئے جانے کی اطلاع ہو۔ حالانکہ ہم شروع میں دکھا آئے ہیں کہ میاں صاحب نے مودودی کو "قوتِ بینائی سلب" ہونے کا مژدہ سناتے ہوئے تسلیم فرمایا تھا کہ

> "عبداللہ بن سعد کو جو انعام حضرت عثمان رضؓ نے عطا فرمایا تھا وہ بعد میں واپس ہو گیا"
> (شواہد تقدس ص۱۷۳)۔

اب اگر حضرت عثمانؓ کے مذکورہ بیان کا یہی مطلب ہے کہ وہ بس اپنے اُس مال سے اقرباء کو دیتے تھے جو بیت المال سے الگ ان کی نجی ملکیت تھا تو یہ عبداللہ بن سعدؓ کے انعام کی واپسی کا کیا قصہ؟ کوئی کیسے حضرت عثمانؓ سے یہ کہہ سکتا تھا کہ آپ نے جو اپنی جیب سے عبداللہ کو انعام دیا ہے واپس لیجئے۔ اور کیسے وہ اس قسم کے واہی اور خلافِ عقل مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے اور پھر یہ کیوں کہا جاتا کہ "وہ مال واپس ہو گیا" اس کے بجائے یوں کہا جاتا کہ "اپنا مال انھوں نے واپس لے لیا" لوگوں کے اعتراض پر واپس کر دینے کا واحد مطلب یہ ہے کہ انعام بیت المال سے دیا گیا تھا۔

اب اگر میاں صاحب اپنی اسی ضد پر قائم ہیں کہ بیت المال سے دینے کا لازمی مفہوم "خیانت" ہے (حالانکہ یہ خود میاں صاحب کا مفروضہ ہے) تو انھوں نے کم سے کم ایک بار کی "خیانت" خود تسلیم فرمالی۔ اور اگر "خیانت" نہیں مانتے تو ثابت ہوتا ہے کہ "اپنے مال" سے حضرت عثمانؓ کی مراد یقیناً وہ مال بھی ہے جو ابھی بیت المال سے الگ کر کے انھوں نے اپنی ملک نہیں بنایا ہے مگر وہ اپنی خدمات کے عوض اسے اپنا سمجھ رہے ہیں۔

دوسری طرح سمجھیئے۔ ایک ہی قائل کے جب دو قول ہوں ایک مجمل، ایک مفصل۔ تو مسلّمہ اصول ہے کہ قولِ مجمل کا کوئی ایسا مطلب نہیں لیا جا سکتا جو قولِ مفصل کے خلاف ہو۔ مثلاً قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (الزمر آیت ۵۳)۔

اور دوسری جگہ آیا ہے کہ وہ (اللہ) ہر گناہ کو معاف کر سکتا ہے مگر کفر و شرک کو معاف نہیں کرے گا (النساء آیت ۴۸) اب ظاہر ہے کہ پہلا قول نسبتاً مجمل ہے لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہرگز

نہیں لے سکتے کہ شرک و کفر کی بھی معافی ہو گی، بلکہ یہ لیں گے کہ یہاں باوجود استثنا ، نہ کیے جانے کے کفر و شرک مستثنیٰ ہی ہیں

بس اسی طرح یہاں حضرت عثمان رضؓ کی دو تقریریں ہیں۔ ایک وہ جو نسبتاً مجمل ہے اور اس کا ایک فقرہ میاں صاحب لیے ہوئے ہیں۔ اور دوسری وہ جو بہت مفصل ہے اور اسے ہم نے "خلافت و ملوکیت" سے مع تین حوالوں کے نقل کر دیا ہے۔ مجمل کا مطلب اگر وہی لیا جائے جو میاں صاحب رَٹ رہے ہیں تو وہ مفصل کے خلاف ہے لہٰذا لازمی طور پر "اپنے مال" کا دائرہ حضرت عثمانؓ ہی کی تصریح کے مطابق اُس مال تک محیط ماننا ہو گا جو بیت المال سے حضرت عثمان رضؓ کی طرف منتقل نہیں ہوا ہے بلکہ اسے حضرت عثمانؓ اپنی خدمات کا جائز صلہ تصوّر کرتے ہوئے "اپنا مال" سمجھ رہے ہیں۔

مزید یہ کہ بیت المال کا مال جب "مسلمانوں کا مال" ہے تو کیا حضرت عثمان رضؓ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر مسلمان ہیں تو ہر دوسرے مسلمان کی طرح وہ بھی اس میں حصّے دار ہیں۔ خلیفۂ وقت کی حیثیت سے اس میں ان کا حق دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہی ہے۔ زیادہ نہ مانو تو برابر تو مانو گے۔

اب فرض کیجیے ایک مشترکہ کاروباری فرم ہے۔ اس میں آپ بھی حصہ دار ہیں اور اس کا پورا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔ اب آپ کسی کو ہزار پانچ سو روپے عطا فرما دیتے ہیں تو ایک معترض کے جواب میں آپ یہی کہیں گے کہ میں نے تو اپنے حصہ میں سے دیا ہے۔ وہ میرا ہی مال تھا۔ کسی اَور کے حصّے میں سے ہرگز نہیں دیا ہے۔

بتائیے پھر کیا فرق ہوا مودودی کی نقل کردہ تقریر اور میاں صاحب کی رَٹی ہوئی تقریر میں؟۔

اور غایت مافی الباب ۔ ہم میاں صاحب کی دلداری کے لیے پَل بھر کو مانے ہی لیتے ہیں کہ ان کی پسند فرمودہ روایت ایسے ہی معنی رکھتی ہے کہ تمام دوسری مذکرہ روایتیں اس سے متصادم ہیں اور مطابقت کی کوئی صورت نہیں۔ تو ایک سوال پھر بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ میاں صاحب کی روایت کیا آیتِ قرآنی ہے یا بخاریؒ و مسلمؒ کی کوئی حدیث یا خود حضرت عثمان رضؓ ان کے گھر آکر کہہ گئے تھے کہ

میرا یہ فقرہ رٹ لو اور دوسرا کوئی بھی فقرہ میری طرف کوئی منسوب کرے تو اسے دیوار پر مار دو۔

اے سقراطِ زماں شیخ الحدیث! یہ فقرہ بھی تو اُسی طبری کا ہے جس کی متعدد روایات کو آپ بے دھڑک جھوٹی قرار دیئے چلے جا رہے ہیں حالانکہ ان کی تصدیق دوسرے ثقہ مؤرخین بھی کر رہے ہیں۔ کیا جناب نے اپنی والی روایت کو فنی طور پر "روایتِ صحیحہ" ثابت کر کے باقی روایات کا فنی ضعف اپنی کتاب میں عیاں کر دیا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ معقولیت کی کون سی قسم ہے کہ اس روایت کو آپ وحی مانیں اور باقی کو کذب و دروغ۔ کس ادا سے کہا ہے آپ نے کہ:۔

> خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان تسلیم کرتے ہوئے گویا ان کی (مودودی کی تجلّی) روح قبض ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو تسلیم نہ کیا جائے جو آپ نے اہلِ مدینہ کے مجمع عام میں فرمایا تھا کہ میں نے جو کچھ دیا اپنے پاس سے دیا۔ میں مسلمانوں کے مال کو نہ اپنے لیے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی شخص کے لیے" ص۱۹۵

ماشاءاللہ "من مالی" کا ترجمہ کئی جگہ "اپنے مال سے" کرتے کرتے یہاں "اپنے پاس سے" بھی کر دیا گیا تاکہ بالکل "جیب" ہی کی طرف ذہن جائے۔

ملاحظہ کر لیجئے۔ مودودی نے تو حضرت عثمانؓ ہی کے اُس مشرّح بیان پر اعتماد کیا تھا جو اَجَلّ صحابہؓ کی موجودگی میں سامنے آیا تھا۔ اس پر اعتماد کرنے سے اس بیان کی تکذیب نہیں ہوتی جسے میاں صاحب دوہرا تہرا رہے ہیں بلکہ اسی طرح تائید و توثیق ہوتی ہے جس طرح مذکرہ بالا آیات میں آیتِ ثانیہ کو ماننے سے آیتِ اولیٰ کی تکذیب نہیں بلکہ تشریح و تصویب ہوتی ہے۔

خود اقرار مگر پھر بھی انکار

وہ کہاوت ہے نا۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کَل

سیدھی۔ میاں صاحب نے حضرت عثمان رض کی وہ تقریر جس کے دو دو فقرے لے کر وہ چنیں چناں کیے چلے جا رہے ہیں خود مفصلاً صفحہ ۹۳ سے ۹۰ تک نقل کی ہے۔ اس میں حضرت عثمان رض کا یہ اعتراف ہے:-

"ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے ابن ابی سرح کو پورا مالِ غنیمت دیدیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ میں نے خمس کا خمس یعنی مالِ غنیمت میں بیت المال کا پانچواں حصہ ہوتا ہے میں نے اسے پانچویں کا پانچواں بطورِ انعام دیا تھا۔ وہ ایک لاکھ ہوتا تھا۔"
(شواہد تقدس صـ۹۵)

بس یہی تو وہ بات ہے جسے ثابت کرتے کرتے ہمارے قلم کی نوک گھسی جا رہی ہے۔ حضرت عثمان رض نے مالِ فے میں سے اپنے اعزا کو ایسا مال دیا کہ لوگوں کے نزدیک وہ قابلِ اعتراض تھا۔ کیا لوگوں کے اعتراض ہی کے طور پر یہاں اس کا تذکرہ نہیں ہو رہا ہے۔ اور کیا خود میاں صاحب اس سے اگلی سطور میں حضرت عثمان رض کا یہ ارشاد نقل نہیں کر رہے ہیں کہ لوگوں کے اعتراض اور ناگواری کی وجہ سے میں نے یہ انعام واپس لے کر اہلِ لشکر میں تقسیم کر دیا۔

میاں صاحب کی اس قابلیت کا ذکر تو کیا کریں کہ وہ "غنیمت" اور "فے" کا فرق بھی نہیں جانتے۔ انھوں نے اپنی قابلیت کے مطابق "فے" کو غنیمت بنا دیا۔ طبری کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

انما نقلته خمس ما افاء الله علیه من الخمس فکان مائة الف۔	میں نے (حضرت عثمان کہہ رہے ہیں) ابن ابی سرح کو اس مال سے جو اللہ نے بطور فے اسے عطا کیا تھا خمس کا خمس بطور انعام دے دیا جو ایک لاکھ تھا۔

مگر میاں صاحب ترجمہ کر رہے ہیں "یعنی مالِ غنیمت"۔ — حالانکہ غنیمت اور فے کا فرق ہر صاحبِ علم کو معلوم ہے اور ہم اسے مفصل بیان کر آئے ہیں۔ لوٹ کر دیکھیے، یہی تو اعتراض محب الطبری نے نقل کیا تھا کہ:-

جعل کل الصلاۃ من مال الفئ	حضرت عثمان رض نے مالِ فے میں سے ہر طرح کے انعامات دے ڈالے

بہرحال میاں صاحب ہی کی نقل فرمودہ روایت سے اصل زیرِ بحث دعویٰ مسلّم ہو گیا۔ رہا یہ کہ حضرت ابوبکر رض و عمر رض بھی مالِ فے سے اس طرح داد و دہش کرتے رہے ہوں تو اس کا ثابت کرنا میاں صاحب کے ذمّے ہے۔ ہم تو یہی جانتے ہیں اور خود یہ روایت بتا رہی ہے کہ حضرت عثمان رض نے اگر یہ استدلال کیا تھا تو اسے درست نہیں تسلیم کیا گیا جیسا کہ انعام کی واپسی سے ظاہر ہے۔

مودودی صاحب کی نقل کردہ تقریر میں بڑے بڑے صحابہ رض کی موجودگی اور اعتراض کا تذکرہ ہے۔ اگر حضرت عثمان رض کا یہ طریقہ ابوبکر و عمر رض کے طریقے سے مطابقت رکھتا تو کیا ممکن تھا کہ چوٹی کے صحابہ رض اس پر اعتراض کرتے اور پھر حضرت عثمان رض ان کے آگے لاجواب ہو جاتے۔

اسی میاں صاحب کی نقل فرمودہ تقریر میں حضرت عثمان رض نے مخاطبین کو یہ یاددہانی بھی کرائی ہے کہ:-

"اور میں خاص اپنے مال سے بڑے بڑے عطیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں بھی دیتا رہا ہوں اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی۔"
(صـ۹۶)

طبری میں "من صلب مالی" کے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ میاں صاحب نے "خاص اپنے مال سے" کیا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ اب زمانۂ خلافت میں جن عطایا پر اعتراض ہو رہا ہے وہ "صلبِ مال" سے نہیں ہیں اور حضرت عثمان رض جو کچھ آجکل دے رہے ہیں وہ اگرچہ ان کے خیال کے مطابق ان کا اپنا ہی مال ہے وہ خیانت ہرگز نہیں کر رہے ہیں مگر اس کے لیے وہ "صلبِ مال" کا لفظ نہیں بولتے بلکہ فقط "من مالی" فرماتے ہیں۔ ماضی میں بے شک انھوں نے جو حیرتناک انفاق اللہ کی راہ میں بہتیری بار کیا تھا وہ اپنی ذاتی کمائی اور صلب مال سے کیا تھا۔ مگر زمانۂ خلافت میں جس مال کے انفاق پر اعتراض ہو رہا ہے وہ صلب مال سے نہیں ہے فے کے اموال سے ہے اور اس کے "انفاق

فی سبیل اللہ" ہونے سے صفِ اول کے صحابہؓ تک کو اتفاق نہیں ہے جیساکہ تفصیل گذر چکی۔

اگر یہ بدیہی باتیں بھی میاں صاحب کے ملبے چوڑے دماغ میں نہیں سماتیں تو پھر انھیں اللہ کے یہاں اپنے اس جرم سیاہ کی سزا پانے کے لیئے تیار رہنا چاہیئے کہ وہ ابن جریرؒ اور ابن سعدؒ اور ابن خلدونؒ وغیرہ کو جاہل و احمق قرار دے رہے ہیں۔ آخر اس سے انکار تو ممکن نہیں کہ وہ روایات ان حضرات نے قبول کرکے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن کے بارے میں میاں صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ ان سے حضرت عثمانؓ پر خیانت کا الزام لگتا ہے اور ان پر اعتبار کرنا صحابہ دشمنی ہے۔ تو گویا یہ بزرگ نہ صحابہؓ کی عظمت سے واقف تھے نہ ان کا احترام کرتے تھے۔ پھر ان بزرگوں کا تخطیہ او تحقیر حافظ ذہبیؒ، امام ابن حجرؒ، حافظ سخاویؒ، ابن کثیرؒ، خطیب بغدادیؒ، ابن اثیرؒ اور ابن خزیمہؒ سب کا تخطیہ اور تحقیر ہے کیونکہ ان حضرات کی رائے ابن جریرؒ اور ابن سعدؒ کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ عالم و فاضل دنیا میں اکیلے میاں صاحب ہی ہیں باقی سارے اسلاف جھک مارتے رہے ہیں۔

عوض معاوضہ گلہ نہ دارد

میاں صاحب نے ایک بے سر و پا تقریر جھاڑتے ہوئے صفحہ ۱۰۹ پر مودودی صاحب کی طرف رُخ کرکے یہ شعر بھی رسید فرمایا ہے:-

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَد
میلش اندر طعنۂ پاکاں بَرَد

یعنی ان کی خوش فہمی یہ تھی کہ "شواہد تقدس" چھپتے ہی مودودی صاحب کا جامۂ شہرت و وجاہت صاف اُتر جائے گا اور لوگ تالی پیٹ دیں گے کہ واہ میاں مودودی آپ تو جاہل نکلے۔ لیکن جامہ کس کا اُترا ہے؟ یہ برادرانِ اسلام خود فیصلہ کریں۔

ہم تو بعد سلام مسنون اپنے خوش فہم بزرگ سے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ نَبْحُ الْکِلَابِ لَا یَضُرُّ بِالسَّحَابِ (قارئین معاف فرمائیں ہم اس فقرے کے ترجمے کی پوزیشن میں نہیں!)۔

رہا ان کے شعر کا جواب تو بے شک وہ ہم پر ان کا حق ہے۔ یہ حق ہم تین زبانوں میں ادا کریں گے۔ اُردو میں تو یوں کہہ لیجئے کہ ہمارے عالی مرتبہ بزرگ نے خود اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری ہے۔ فارسی میں "چاہ کندہ را چاہ درپیش" والی کہاوت موزوں رہے گی۔ اور عربی میں ایک چھوٹا سا فقرہ ان کی نذر ہے۔ بَحَثَ عَنْ حَتْفِهِ بِظِلْفِهِ (ہمارے بہت ہی محترم بزرگ نے اپنی موت کو اپنے ہی سُم سے کھود نکالا!)

ابھی قارئینِ کرام "شواہد تقدس" کے مزید "عجائبات" ملاحظہ فرمائیں گے۔ جائزے کا حصہ دوم کتابت ہو رہا ہے۔ بس سمجھیئے اگلا شمارہ اب آیا اور تب آیا۔ امید ہے کہ شروع نومبر میں آپ کو مل جائے۔ واللہ المعین۔

ارواح ثلثہ — ہندوستان کے عظیم الشان، بلند پایہ شخصیتوں کے حالات، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ آپ کے خاندان، مشائخ و وابستگان اور اکابرین جماعت علماء دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور کے واقعات و حکایات مع اضافہ حاشیہ حکایات۔

از: حضرت تھانویؒ قیمت —— چھ روپے ۶/-

فضائل مسجد — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں مسجد کے فضائل معتبر روایات کی روشنی میں بتائے گئے ہیں۔ قیمت — سوا روپیہ ۔ ۱/۲۵

طوفان سے ساحل تک — سابق لیوپولڈ ویس اور موجودہ محمد اسد کی وہ شہرت یافتہ کتاب جس میں انھوں نے تفصیل سے اپنے اسلام لانے کی داستان لکھی ہے۔ آدمی بیحد ذہین اور صاحب علم ہیں اس لئے داستان کے ذیل میں بیشمار علمی معاشرتی اور اخلاقی مسائل پر نہایت دلنشیں اور ایمان افروز گفتگو کرتے گئے ہیں۔ قیمت مجلد —— پانچ روپے ۔ ۵/-

آپ حج کیسے کریں؟ — مولانا منظور نعمانی کی معروف کتاب۔ قیمت دو روپے ۲/-

التشرف — احادیث تصوف کی معرفت پر مولانا اشرف علیؒ کی معروف کتاب۔ قیمت بارہ روپے ۱۲/-

دینی دعوت کے قرآنی اصول — مولانا محمد طیب صاحب کی ایک فکر انگیز کتاب جو دینی دعوت کے بنیادی اصولوں سے بحث کرتی ہے۔

قیمت مجلد —— تین روپے ۳/-

تلاش راہ حق — خطوط کی زبان میں ایک روداد۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا اشرف علیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا منظور نعمانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، میاں طفیل احمد، چودھری علی احمد

قیمت دو روپے ۵۰ پیسے۔

ایصال ثواب — ایصال ثواب کا وہ صحیح طریقہ جو بدعتوں سے پاک ہے۔ ایک روپیہ ۱/-

مناجات مقبول دکرمی، عکسی — مولانا اشرف علیؒ کی مقبول عام اور مفید ترین کتاب پرانے اور نئے اضافوں کے ساتھ۔

قیمت مجلد چھ روپے۔ غیر مجلد پانچ روپے

قیمت غیر مجلد غیر عکسی ساڑھے چار روپے۔

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ — شاہ ولی اللہ دہلوی کے رسالہ "الانصاف" کا اردو ہیکر، فقہ اور حدیث، تقلید اور اجتہاد، حنفیت اور شافعیت وغیرہ کی بحثوں میں راہِ اعتدال کی نشاندہی

قیمت مجلد —— ایک روپیہ ۷۵ پیسے

جائزہ تراجم قرآنی — دنیا میں کب اور کس کس زبان میں قرآن کے تراجم ہوئے انکی تفصیل، مترجمین اور شارحین کے نام بہت عمدہ معلوماتی کتاب ہے۔ قیمت —— چار روپے ۴/-

غیر سودی بینک کاری — معاشیات کے اسکالر جناب نجات اللہ صدیقی نے اس کتاب میں یہ بتایا ہے کہ سود کو ممنوع قرار دیکر بینکوں کا نظام کس طرح چل سکتا ہے۔ قیمت مجلد چار روپے ۴/-

مکتوبات خواجہ معصوم سرہندیؒ — معارف و اسرار، ہدایات و نصائح اور نکات و لطائف سے لبریز خطوط اردو لباس میں۔ مطالعہ کی بہترین چیز۔ قیمت مجلد —— ساڑھے چار روپے ۴/۵۰

تفسیر سورۂ نور — از: مولانا مودودی۔ اس شاہکار تفسیر میں ائمہ و اتقیاء کے بہترین اجتہادات جمع کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن و سنت کے اصول سے فروعات کا استنباط کیونکر ہوتا ہے اسلامی اخلاق کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل سورہ نور کی یہ تفسیر ضرور ملاحظہ کیجئے۔ چار روپے ۴/-

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

عالمِ عربی کا المیہ

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ تحلیل و تجزیہ، جائزہ و محاسبہ قرآنِ کریم کے مطالعہ اور قانونِ فطرت کی روشنی میں۔

قیمت ـــــ ساڑھے تین روپے

تاریخ الفخری

تاریخ اسلام کی ایک مشہور اور مستند کتاب جس کا ترجمہ اردو، فارسی اور فرنچ زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ آپ کی خدمت میں اردو ترجمہ حاضر ہے۔ قیمت مجلد ــ بارہ روپے ۱۲/-

تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں

جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے شاندار ماضی میں دین کی تبلیغ و تعلیم کیلئے ہر ممکن کوشش کی، مسجدیں، راستے، مکانات بازار کہیں بھی ہوں، مسلمان مبلغ اور معلم بنے رہے۔ دنیا کے کاروبار نے انھیں دین سے غافل نہیں کیا۔

از مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

قیمت ـــــ ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

انفاسِ عیسیٰ

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے تصنیفات تصوف و شریعت اخلاق، اصلاح معاشرہ اور دیگر بے شمار موضوعات پر دین و دانش کی روشنی، دلچسپ اور روح پرور۔

قیمت مجلد ـــ اٹھارہ روپے ۱۸/-

مخزنِ اخلاق

ہزاروں اقوالِ زریں بیشمار سبق آموز حکایتیں قرآن و حدیث کے انمول موتی علم و دانش کے جواہر پارے اور نوع بنوع دلچسپ اور خرد افروز مضامین پر مشتمل، اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے تیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں خاص عام ہر حلقے میں اسے پسند کیا جاتا ہے۔ تازہ ایڈیشن مضبوط جلد۔ حسین سہ رنگا گرد پوش کے ساتھ۔

قیمت ـــ بارہ روپے ۱۲/-

تاریخ اسلام کامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک سے بہت بعد تک کی یہ مفصل اور دلچسپ اور مستند تاریخ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کا وہ مقبول کارنامہ ہے جس نے ان کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ کم و بیش ایک صدی سے زیادہ کی یہ طویل داستان صرف داستان نہیں بلکہ گنجینۂ عبرت بھی ہے ہم مسلمان ہو کر بھی یہ نہ جانیں کہ ہمارا ماضی کیا رہا ہے تو حیرت کی بات ہے عمدہ کتابت و طباعت اور اچھے کاغذ پر یہ شاندار کتاب تین جلدوں میں چھاپی گئی ہے۔ قیمت مکمل مجلد ۴۵ روپے

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ہر سہ حصہ

مولانا علی میاں ندوی کی وہ تالیف جسے تمام دنیائے اسلام میں بہت پسند کیا گیا ہے یہ ہمارے ان اسلاف کے کارناموں سے روشناس کراتی ہے جو اپنے انداز میں دین کی خدمت ــ کا خوب خوب حق ادا کر گئے۔

قیمت مکمل و مجلد ــــ ۲۶ روپے

بیان اللسان باضافہ جدید کا

یعنی عربی، اردو ڈکشنری

جس میں تقریباً ان تیس ہزار قدیم و جدید عربی لغات کی مکمل و مستند تشریح معہ ضروری لغوی مباحث کی گئی ہے جو درس نظامی، نصاب ولی اللّٰہی کتب درسیہ جامعات میں مستعمل اور ممالک عربیہ کی جدید تالیفات جرائد و مجلات میں مروج ہیں۔ قرآن کریم کے جملہ لغات خصوصیت کے ساتھ شامل کئے گئے۔ قیمت مجلد ــ بارہ روپے

روحِ تصوف

مولانا اشرف علیؒ کی مشہور کتاب جس کا ترجمہ مفتی محمد شفیع صاحب نے کیا ہے تصوف سے متعلق تمام گوشوں پر محققانہ گفتگو۔ اخلاقی تعلیمات، آداب وغیرہ اصلی اور جاہلانہ تصوف کا فرق۔ قیمت مجلد تین روپے ۵۰ پیسے
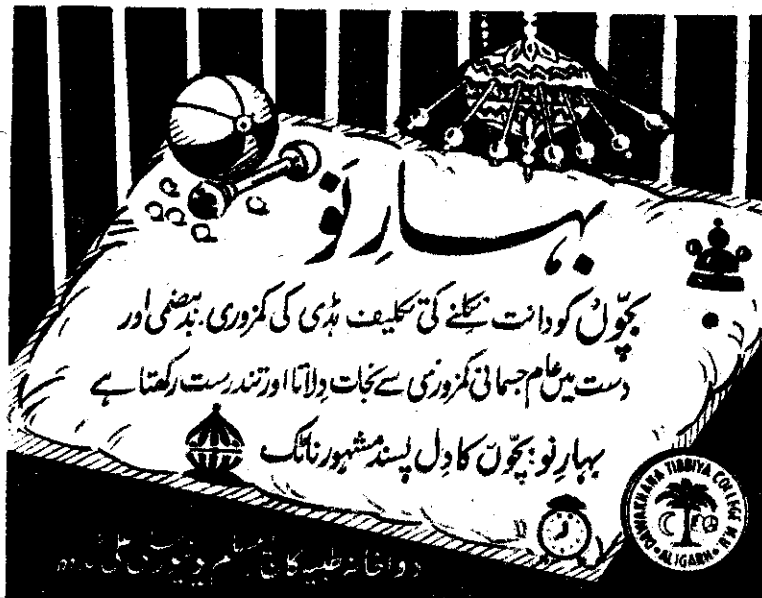
مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

بہار نو
بچوں کو دانت نکلنے کی تکلیف ہڈی کی کمزوری، بدہضمی اور
دست میں عام جسمانی کمزوری سے نجات دلاتا اور تندرست رکھتا ہے
بہار نو: بچوں کا دل پسند مشہور ٹانک
DAWAKHANA TIBBIYA COLLEGE
ALIGARH

تفاسیر۔ قرآن۔ اور پارے وغیرہ

تفصیل	پیسے	روپے
قرآن پاک مترجم مع تفسیر عکسی ترجمہ مولانا محمود الحسن (شیخ الہندؒ) اور تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔		
مجلد ریگزین	-	۲۴
مجلد اعلیٰ چرمی	-	۲۷
• قرآن پاک مترجم نمبر ۸۱:۔ عکسی ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ جلی حروف، عمدہ کتابت و طباعت۔ مجلد ریگزین۔ سائز ۲۰×۳۰/۸	۵۰	۱۴
• قرآن پاک مترجم نمبر ۲۸۱:۔ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ نمبر ۸۱ کو مزید اہتمام سے طبع کرایا ہے حاشیہ بھی رنگین کرادیا۔ کاغذ بھی عمدہ لگایا ہے جلد دو حسین بنادی گئی ہے۔ ہادیہ مجلد	-	۱۹
• قرآن پاک مترجم نمبر ۶۸:۔ دو ترجمے مترجم ہیں:۔ مولانا تھانویؒ اور شاہ رفیع الدینؒ حرف جلی۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ مجلد کریچ	-	۱۵
مجلد فل چرمی	-	۱۸
• قرآن پاک مترجم نمبر ۱۶:۔ عکسی بدو ترجمہ مترجم ہیں:۔ مولانا تھانویؒ اور شاہ رفیع الدینؒ۔ نمبر ۶۸ سے چھوٹے حروف۔ تاج کمپنی کے قرآن کا عکس۔ مجلد ریگزین	-	۱۴
• قرآن پاک مترجم نمبر ۶۴:۔ عکسی ترجمہ مولانا تھانویؒ۔ سائز ۲۰×۲۹/۸ کشادہ حروف صاف ستھری کتابت طباعت مجلد ریگزین	-	۱۲
• قرآن پاک مترجم نمبر ۶۷:۔ عکسی۔ ترجمہ مولانا تھانویؒ سائز ۲۰×۳۰/۸ نمبر ۸۱ سے چھوٹے حروف حاشیہ رنگین جلد خوبصورت۔ ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلد ریگزین۔ ہدیہ	-	۱۶
• قرآن پاک بترجمہ نمبر ۳:۔ عکسی۔ ہر سطر کے		

تفصیل	پیسے	روپے
بعد لائن۔ کاغذ، کتابت، طباعت سب عمدہ سائز ۲۰×۳۰/۸ (تجلی سائز) مجلد ریگزین۔	۵۰	۹
قسم دوم کچھ ہلکے کاغذ پر ۹/۲۵ قسم سوم	-	۹
• قرآن بلا ترجمہ نمبر ۱۲۶ عکسی۔ ہر صفحہ آیت پر ختم۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد سب عمدہ سائز ۲۰×۳۰ مجلد ریگزین	۵۰	۸
• قرآن پاک بلا ترجمہ نمبر ۵۳:۔ عکسی ۲۰×۲۶/۸ مبتدیوں اور بچوں کے لئے نہایت عمدہ۔ مجلد کریچ۔ قسم اول ۶/۵۰ قسم دوم	-	۶
• قرآن پاک بلا ترجمہ نمبر ۴:۔ غیر عکسی ۲۰×۳۰/۸ کتابت و طباعت ٹھیک۔ کاغذ ہلکا مجلد کریچ	-	۵
• حمائل مترجم نمبر ۲:۔ عکسی۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ترجمہ مولانا تھانویؒ۔ حاشیہ پر مختصر تفسیر۔ ہر لحاظ سے اچھی۔ مجلد کریچ ہادیہ	-	۱۲
• حمائل مترجم نمبر ۲۰۲:۔ عکسی۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ترجمہ مولانا تھانویؒ۔ نمبر ۲ کو ہی اعلیٰ پیمانے پر طبع کرایا ہے۔ حاشیہ بھی رنگین جلد بھی حسین۔	-	۱۵
• حمائل مترجم نمبر ۳۵ عکسی ۲۰×۳۰/۱۶ سائز۔ مولانا فتح محمد خان جالندھریؒ۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ مجلد ریگزین۔ ھدیہ	-	۱۰
• حمائل بلا ترجمہ نمبر ۲۳:۔ عکسی ۲۰×۳۰/۱۶ سائز ہر سطر کے بعد لائن۔ روشن حروف۔ ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلد کریچ۔ ہدیہ	۷۵	۵
• حمائل بلا ترجمہ نمبر ۲۶:۔ عکسی۔ کارڈ سائز۔ باریک سفید کاغذ پر۔ مجلد پلاسٹک۔ حفاظ کے لئے عمدہ۔ ہادیہ	۵۰	۴
• حمائل بلا ترجمہ نورانی:۔ عکسی۔ کارڈ سائز۔		

	پیسے	روپے
باریک سفید کاغذ پر ۴۹۲ صفحات۔ ہر سطر کے بعد لائن۔ مجلّد ہلکی پلاسٹک ———	۵۰	۴
• قرآن پاک ۳۰×۲۰/۸ سائز کے پارے۔ تمام پارے الگ الگ مجلّد جو مساجد میں رکھوائے جاتے ہیں مکمل	-	۱۸
• قرآن پاک ۲۶×۲۰/۸ سائز کے تمام پارے الگ الگ مجلد جو مساجد میں رکھوائے جاتے ہیں مکمل۔	-	۱۶
ان کے علاوہ ہر قسم کے عکسی و غیر عکسی پارے، قاعدے یسرنا القرآن اور نمازیں وغیرہ مناسب ترین نرخوں پر بھیجے جاتے ہیں (تاجر حضرات تاجرانہ فہرست طلب کریں)		
• مجموعۂ وظائف مکمل مترجم عکسی ۳۰×۲۰/۱۶ وظائف و دعاؤں کا مجموعہ ———	۵۰	۴
• دوازدہ سورہ ربّانی عکسی :۔ پاکٹ سائز۔ ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلّد پلاسٹک ———	۲۵	۳
• یازدہ سورہ عکسی :۔ پاکٹ سائز۔ ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلّد پلاسٹک ———	-	۳
• یازدہ سورہ عکسی ۳۰×۲۰/۱۶ سائز۔ ہر لحاظ سے معیاری (کمال والا) ———	-	۲
• حزب الاعظم :۔ عکسی (ربّانی) پاکٹ سائز۔ ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلد پلاسٹک ———	۵۰	۳
• مناجات مقبول کریمی مترجم :۔ عکسی مجلّد۔ پورے ملک میں سب سے ضخیم ایڈیشن ———	-	۶
• مناجات مقبول مترجم :۔ (مدینہ) عکسی مجلّد۔ کاغذ اعلیٰ قسم، جلد حسین، نیا ایڈیشن ———	-	۵
• مناجاۃ مقبول مترجم :۔ (نقل تاج) عکسی مجلد۔ تاج کمپنی کی مناجاۃ کا فوٹو۔ مجلد سادہ ———	-	۴
• مناجات مقبول مترجم :۔ پاکٹ سائز۔ نہایت نفیس کتابت و طباعت۔ معیاری کاغذ۔ مجلد پلاسٹک	-	۴
• مناجات مقبول مترجم :۔ غیر عکسی معمولی کتابت و طباعت۔ غیر مجلّد ———	-	۲

	پیسے	روپے
• دلائل الخیرات (مدینہ) مترجم عکسی :۔ ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلّد پلاسٹک ۶/۵۰ مجلّد رنگین	-	۵
• دلائل الخیرات غیر عکسی، مترجم مطبوعہ دیوبند غیر مجلّد	-	۳
• مسنون دعائیں عکسی۔ پاکٹ سائز۔ ہر لحاظ سے عمدہ	۶۰	—
• تفسیر ابن کثیر اُردو مع عربی مکمل غیر مجلّد	-	۷۵
مجلد در چار جلد ———	-	۸۰
• تفسیر حقانی اُردو مع عربی مکمل غیر مجلد	-	۶۰
مجلّد در چار جلد ———	-	۶۵
• تفسیر بیان القرآن اُردو مع عربی مکمل غیر مجلد	-	۶۰
مجلد در تین جلد ———		۶۳
• تفسیر مظہری صرف عربی (اس میں اُردو نہیں ہے) مکمل در دس جلد ۱۰۰/- مجلد	-	۱۲۰
• تفسیر مظہری اُردو مع عربی۔ ہر جلد میں دو یا ڈھائی پارے۔ جلد اوّل ۱۶/-، جلد دوم	-	۱۱
• تفسیر مظہری جلد سوم ۱۲/-، جلد چہارم ۱۲/-، جلد ۵ ۱۴/-، جلد ۶ ۱۳/-، جلد ۷	-	۱۳
جلد ۸ ۱۴/-، جلد ۹ ۱۵/-، اور جلد آخری ۲۹ اور ۳۰ ———	۵۰	۱۰
مجلّد لینے کی صورت میں دو روپے فی جلد بڑھ جائے گا۔		

مولانا مودودی اور تصوف

کہا جاتا ہے مولانا مودودی تصوف کے دشمن ہیں اس الزام کی پوسٹ کندہ حقیقت خود مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب آپ کو بتائیگی کہ مولانا کس تصوف کے دشمن اور کس کے حامی ہیں۔ مجلد ڈھائی روپے۔

اختری بہشتی زیور عکسی

بہشتی زیور مختلف اداروں نے چھاپا ہے لیکن حواشی اور کتابت و طباعت وغیرہ کے اعتبار سے اختری بہشتی زیور ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ یہ آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں مکمل مجلد بیس روپے مجلد بائیس روپے ۲۲/-

ردِّ عقائدِ بدعیہ

بعض رواج یافتہ بدعات و شرکیات کا مدلل رد بشریت انبیاء اور علم غیب وغیرہ کی نفیس بحثیں۔ قیمت — دو روپے

سفر مصر و حجاز

امیر شریعت مولانا منت اللہ بہاری کے قلم سے ایک دلچسپ بصیرت افروز اور معلومات افزا سفرنامہ۔ قیمت ڈھائی روپے

کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟

دنیا بھر کے علماء و فضلا کے فتوے اور فیصلے ایک اہم کتاب جو مخالف موافق ہر ایک کے لئے مفید اور دلچسپ ہے۔ قیمت ساڑھے تین روپے ۳/۵۰

فتاویٰ عبدالحیؒ

مولانا عبدالحی لکھنوی کا مشہور مجموعہ فتاوی ایک جلد میں مکمل نظر ثانی کے بعد قیمت اٹھارہ روپے ۱۸/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

مولانا منظور نعمانی کی مقبول کتاب۔ اسمیں وہ عام فہم زبان میں قرآنی مطالب بیان کرتے ہیں۔
قیمت مجلد — پانچ روپے

ایک ہندوستانی صحابی

مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک دلچسپ اور چونکا دینے والی کتاب قیمت صرف — ۸۰ پیسے

مسجد سے میخانے تک

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مُلّا ابن العرب مکی کے شہ پاروں کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پڑھنا بھی لطف سے خالی نہیں ان میں تبسم کی چاندنی اور طنز کی تجھیں ہی نہیں افادیت بھی ہے ملا فقط طنز برائے طنز اور مزاح برائے مزاح پر بس نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی اخلاقی مقصد پر بھی آپ کی توجہ منعطف کراتا ہے
حصہ اول پانچ روپے ۵، پیسے۔ حصہ دوم چھ روپے ۵، پیسے

تقلید کیا ہے؟

تقلید کی صورت حدود و قیود اور شرعی حیثیت پر دلائل کی روشنی میں تسلی بخش گفتگو۔ قیمت ۵۰ پیسے

آدابِ زیارتِ قبور

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا محمد سلطانؒ کے فرمودات۔ ۵۰ پیسے

قرآن اور حدیث

قرآن اور حدیث میں کیا ربط ہے؟ سنت کا مفہوم اور مقام کیا ہے؟ رسالت کسے کہتے ہیں انہی جیسے دسیوں سوالوں کا مدلل جواب مولانا مودودی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔
نیا ایڈیشن مجلد مع کور۔ دو روپے ۶۰ پیسے

قرآن اور تعمیر سیرت

تعلیمات قرآنی کا نچوڑ تصوف اور ادب صالح کا دلکش مجموعہ۔ ڈاکٹر میر ولی الدین کے قلم سے۔ قیمت مجلد چھ روپے ۶/-

قصص القرآن

قرآن پاک کے بیان کردہ قصے جن میں عبرت، درس، خوف خداوندی اور انقلابات زمانہ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مولف ہیں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ مکمل در چار حصے
ہدیہ غیر مجلد — ۳۵ روپے

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟

تاریخی شہادتوں کے ساتھ صحابی عورتوں کے وہ شاندار کارنامے جو تاریخ کی پیشانی پر ثبت ہو گئے۔ اندازِ بیان اسقدر عمدہ کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے (پیش لفظ مولانا عامر عثمانی کا ہے) قیمت دو روپے

مکتبہ تجلی - دیوبند (یوپی)

Monthly TAJALLY DEOBAND U.P. تجلی REGD. NO. 1972